# اسلامی اجتماعیت میں خاندان کا کردار

[مقالہ برائے پی ایچ ڈی]

(۲۰۰۴ء......۲۰۰۹ء)

مقالہ نگار: حافظ حسین ازہر (ISD/ISL/KU-10706/2004)

نگرانِ مقالہ: ڈاکٹر نصیر احمد اختر، شعبہ علوم اسلامی

شعبہ علوم اسلامی

کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، کراچی

# اِسلامی اِجتماعیت میں خاندان کا کردار

[مقالہ برائے پی ایچ ڈی]

(۲۰۰۴ء......۲۰۰۹ء)


مقالہ نگار حافظ حسین ازہر (ISD/ISL/KU-10706/2004)

نگران مقالہ ڈاکٹر نصیر احمد اختر، شعبہ علوم اِسلامی

شعبہ علومِ اِسلامی

کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، کراچی

# تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ حافظ حسین ازہر بن حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے یہ مقالہ میری نگرانی میں مکمل کرلیا ہے۔ ان کا یہ کام تحقیقی نوعیت کا ہے۔ لہٰذا میں .Ph.D کی سند کی غرض سے اُنہیں یہ مقالہ جمع کرانے کی اجازت دیتا ہوں۔

نگران مقالہ
**ڈاکٹر نصیر احمد اختر**
شعبہ علومِ اسلامی
جامعہ کراچی، کراچی

# TO WHOM IT MAY CONCERN

It is certified that Mr. Hafiz Hussain Azhar s/o Hafiz Abdul Rahman Madani is a Ph.D. student in Department of Islamic Learning and has completed his Thesis titled:

اِسلامی اِجتماعیت میں خاندان کا کردار

under my supervision for the award of Ph.D. Degree. Mr. Hafiz Hussain Azhar is eligible for submission of Thesis under the Rules & Regulation of the Department as well as of the University regarding Ph.D. The material used by him is original and he has shown creativeness in his work. The Thesis represents five years work done by the candidate.

**Supervisor**

**Dr. Nasir A. Akhter**

**Department of Islamic Learning**

**Karachi University, Karachi**

# اظہار تشکر

میں سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالی کا شکرادا کرتا ہوں کہ جس نے اپنے خاص فضل وکرم سے یہ مقالہ تحریر کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اورعزت مآب پروفیسر ڈاکٹر پیرزادہ قاسم رضا صدیقی، وائس چانسلر، جامعہ کراچی اور کلیہ معارف اسلامیہ کے سابق ڈین جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید کا انتہائی شکرگزار ہوں، جن کی شفقت اور راہنمائی کی بدولت اس تحقیق کی سعادت مجھے حاصل ہورہی ہے۔

میں اس تحقیقی کاوش کو رئیس کلیہ معارف اسلامیہ، اورمحترمہ ڈاکٹر ریحانہ فردوس چیئر پرسن شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی کی دعاؤں کا ثمرہ سمجھتا ہوں جنہوں نے میری سوچوں کو درست سمت دی اور اپنے اَساتذہ کرام بالخصوص اس مقالہ کے سپروائزر جناب پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد اختر (شعبہ علوم اِسلامی، کلیہ معارف اسلامیہ) کا ممنون ہوں جن کی اس مقالہ نگاری کے دوران لمحہ بہ لمحہ نگرانی، معاونت اور انتہائی قیمتی ہدایات اور مشوروں سے یہ مقالہ تکمیل کے مراحل تک پہنچا۔

آخر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی اس مقالہ کو شرف قبولیت عطا فرمائیں۔اور اسے میرے اور میرے والدین واساتذہ کرام کیلئے ذخیرہ آخرت اور فائدہ عامہ کا ذریعہ بنائیں۔(آمین) فللّٰہ الحمد أولا وآخراً!!

حافظ حسین ازہر

# DECLARATION CERTIFICATE

This thesis which is being submitted for the degree of Ph.D. in **Karachi University, Karachi** does not contain material which has been submitted for the award of Ph.D. degree in any University and, to the best of my knowledge and belief, neither does this thesis contain any material published or written previously by another person, except when due reference is made to the source in the test of the thesis.

**(Hafiz Hussain Azhar)**

(ISD/ISL/KU-10706/2004)

Department of Islamic Learning

# انتساب

محترم اور مشفق والدِ مکرم کے نام

جن کی خواہش اور قدم قدم پر راہنمائی اس مقالے
کی تکمیل کا باعث بنی۔

حافظ حسین ازہر

# مقدّمہ

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔اسلام زندگی کے ہر پہلو کے متعلق اصولی و تفصیلی ہر قسم کی مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔یہی بات دین اسلام کو دیگر مذاہب سے ممتاز کرتی ہے ۔دنیا میں رہتے ہوئے انسان کو عموما عقائد، عبادات، خاندانی نظام، معاشرتی نظام، معاشی نظام، سیاسی نظام، تعلیمی نظام اور عدالتی نظام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔یہ تمام نظام باہم ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔جس کا لامحالہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک نظام کے متاثر ہونے سے ایک مسلمان کی ساری زندگی متاثر ہوسکتی ہے۔عقائد کی خرابی سے جہاں ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔وہیں معاشرتی نظام بگڑنے سے صحیح اسلامی معاشرہ تشکیل نہیں پا سکتا۔

خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔معاشرے کو اگر ہم ایک بلند و بالا مضبوط عمارت سے تعبیر کریں تو خاندان اس کی اینٹ ہے۔اگر اینٹ مضبوط ہوگی اور اپنی صحیح جگہ و مقام پر نصب ہوگی تو عمارت کی مضبوطی میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔لیکن اگر اینٹ ہی کمزور ہو یا عمارت کی دیواروں میں ٹیڑھی چنی گئی ہوتو وہ عمارت کسی بھی لمحے دھڑام سے نیچے گرسکتی ہے۔پس اگر خاندان کا ادارہ مضبوط ہے اور صحیح بنیادوں اور اُصولوں پر استوار ہے تو اس کی بنیاد پر قائم معاشرہ ایک مستحکم معاشرہ ہوگا۔اس کے برعکس اگر خاندان کا ادارہ کمزور ثابت ہوا تو معاشرہ بھی ٹوٹ پھوٹ اور انتشار کا شکار ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ دین اسلام میں خاندان اور خاندانی نظام کے بارے تفصیلی رہنمائی جاری کی گئی ہیں۔قرآن کی کئی ایک سورتوں کے نام ہی ایسے رکھے گئے ہیں جو خاندان اور عائلی زندگی کے مسائل کی طرف اشارہ کررہے ہیں جیسا کہ سورہ طلاق' سورة نساء وغیرہ۔اللہ تعالی نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید اور اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی احادیث میں خاندانی زندگی کے بارے میں تفصیلا احکامات بیان کئے ہیں تاکہ اسلامی معاشرے میں خاندان کا ادارہ مستحکم بنیادوں پر قائم ہو۔عائلی اور خاندانی نظام کے بارے میں جتنا تفصیلی اور متوازن قانون دین اسلام ہمیں دیتا ہے اس قدر تفصیل و توازن دنیا کے کسی مذہب میں بھی نہیں پایا جاتا۔

میاں بیوی مل کر ایک خاندان کی بنیاد رکھتے ہیں جو کسی معاشرے کے لیے بنیادی اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔اب اس خاندان کے ادارے کو کیسے چلایا جائے کہ یہ خود زوجین کے لیے اور معاشرے کے لیے بھی مفید ثابت ہو' اسلام اس بارے میں انتہائی معتدل تعلیمات دیتا ہے ۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خاندان کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی تعلیمات کو کیوں قبول کیا جائے' انسان خود سے بھی اپنے لیے کوئی قانون وضع کرسکتا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالی چونکہ انسان کا خالق ہے اس لیے وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ مرد اور عورت میں اس نے کیا کیا صلاحیتیں رکھیں ہے اور ان کو ان کی صلاحیتوں کے اعتبار سے کیا کیا ذمہ داریاں سونپی جانی چاہیے۔ انسان اگر اپنے طور پر خاندانی نظام کے اُصول وضع کرنے کی کوشش کرے گا تو ظلم کا مرتکب ہو گا۔ مثال کے طور پر خاندانی نظام کے اُصول وضوابط مرد وضع کریں تو عورتوں کے حقوق کا خیال نہ رکھیں گے اور اگر عورتیں یہ کام کریں تو مردوں کو ان کا جائز مقام نہ ملے گا۔ایک علاقے کا قانون دوسرے علاقے کے لیے مفید نہیں ہو گا۔یہی وجہ ہے کہ جب ہم ان معاشروں کا ایک سرسری مطالعہ کرتے ہیں جو آسمانی تعلیمات پر قائم نہ تھے تو ان کے خاندانی نظام میں ہمیں ظلم ہی ظلم نظر آتا ہے۔اسلام کی آمد سے پہلے سلطنت روم میں عورت کی حیثیت لونڈی کی سی تھی۔ یونان میں عورت کو وراثت کا حقدار نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ہندو مذہب میں عورت کے ساتھ کس طرح کے ظلم وستم کو مذہب کے نام پر روا رکھا جاتا ہے' ان سے ہم میں سے ہر کوئی واقف ہے۔اس پس منظر میں اس بات کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے کہ خاندانی نظام کے توازن و اعتدال کے بارے میں وحی کی رہنمائی پیش کی جائے تا کہ دنیا سے ظلم وستم کا خاتمہ ہو۔

آج مغرب میں خاندان کا ادارہ تباہی کے دھانے تک پہنچ چکا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ خاندان کے ادارے کو وحی کی تعلیمات کی روشنی میں استوار کرنے کی بجائے اپنے افکار وفلسفوں پر قائم کیا گیا ہے۔ یورپ کے کئی ایک ممالک میں ہم جنس پرستی یعنی مردوں کی مردوں اور عورتوں کی عورتوں سے شادی کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ برطانیہ میں تو اس کے بارے باقاعدہ قانون سازی بھی ہوئی ہے۔ یہ وبا اس قدر تیزی پھیل رہی ہے کہ حال ہی میں انڈیا میں بھی ایک ہائی کورٹ نے ہم جنسوں کی شادی کو جائز قرار دیا ہے۔ جب انسانوں نے اپنے خاندانی نظام کے بارے کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ سے رہنمائی لینے کی بجائے خود اُصول وضوابط وضع کرنے شروع کیے تو اولڈز ہوم (Olds Home)' بے بی ڈے کیئر سنٹر (Baby Day Care Centres)' دار الأمان' یتیم خانے وغیرہ جیسے ادارے وجود میں آنا شروع ہو گئے۔یعنی ماں باپ اولڈ ہوم میں' بچے کیئر سنٹر میں' بچیاں دار الأمان میں اور خود مینٹل ہاسپٹل (Mental Hospital) میں داخل ہو جائیں۔آج ان اداروں کو انسانی فلاح و بہبود کا علم سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ کسی معاشرے کی بنیادوں کے کھوکھلا ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

مغرب کے کئی ایک ممالک میں جب بچے کو سکول داخل کروایا جاتا ہے تو داخلہ فارم میں صرف ماں کے نام کے اندراج کا خانہ ہوتا ہے کیونکہ باپ کا تو پتہ ہی نہیں کہ کون ہے لہذا ہر جگہ ماں کی ولدیت کے ساتھ ہی بچے کی پہچان ممکن ہوتی ہے۔ بچے جوان ہونے پر بوڑھے والدین کو گھر سے نکال دیتے ہیں۔ شادی کا رواج تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ جب ایک شخص کی خواہش نفس بغیر شادی کیہ پوری ہو رہی ہو اور اس کے مذہب و قانون میں کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو تو اسے خاندان بنانے کے جھنجٹ میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔کہا جاتا ہے کہ مغرب میں اب شادی وہی لوگ کرتے ہیں جنہیں اولاد کی خواہش ہے۔ یہ مغربی خاندانی نظام ہی کی برکات ہیں کہ اب تو بچے بھی کرائے پر پیدا ہونے لگے ہیں۔ خود بیوی صاحبہ حمل و وضع حمل کی تکلیف برداشت کرنے کے قابل نہیں ہیں لہٰذا ایک دوسری عورت کو کچھ رقم دی جاتی ہے

تا کہ وہ میاں بیوی کے نطفے کو اپنے رحم میں رکھ کر ان کے لیے بچہ جنے اور اسے بے بی ٹیسٹ ٹیوب کا (Baby Test Tube) نام دیا جاتا ہے۔ میڈیا بڑے فخر سے بتلاتا ہے کہ سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ نانی اپنی نواسی کو جنم دے رہی ہے۔ نعوذ باللہ من ذلك

کئی ایک مغربی ممالک میں اس بارے میں قانون سازی ہوئی ہے کہ والدین کے لیے اپنی اولاد پر ہاتھ اٹھانا جائز نہیں ہے اور اگر کبھی وہ ایسا کر لیں تو انہیں جیل اور جرمانہ بھی ہوسکتا ہے۔ حقوق نسواں کے نام پر عورتوں پر وہ ذمہ داریاں بھی عائد کی جارہی ہیں جو مردوں کی تھیں۔ عورت کے گھر میں کام کاج کی بجائے نوکری کے لیے دربدر ٹھوکریں کھانے اور مردوں کی ہوس کا نشانہ بننے کو آزادی نسواں کا نام دیا جاتا ہے۔ فری سیکس (Free Sex) معاشرے کے قیام کے باوجود زنا بالجبر کے واقعات میں آئے روز اضافہ ہورہا ہے۔ قریبی محرمات یعنی بیٹی، بہن وغیرہ کے ساتھ جبری زنا کے حادثات کی شرح تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ فیشن کے نام پر عورتوں کو سخت سردی کے موسم میں بھی ممکن حد تک ننگا رہنے کی فکر عام کی جارہی ہے۔ سٹار ٹی۔وی کے ذریعے گھریلو سیاست کے داؤ پیچ سکھائے جا رہے ہیں تاکہ ساس بہو کے جھگڑوں کو خاندانی انتشار وافتراق کی انتہاء تک پہنچانے کے طریقے سجھائے جائیں۔

برصغیر میں مضبوط خاندانی نظام موجود تھا۔ خاندان اور برادری کی روایات سے انحراف کوئی آسان کام نہ تھا۔ نصف صدی قبل جونظام رائج تھا، آج اس میں وہ دم خم باقی نہیں رہا۔ یہ بات درست ہے کہ ہمارے معاشرے اور خاندانی نظام میں بہت سی غیر اسلامی اور فرسودہ رسومات رائج تھی۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے خاندانی نظام میں اُخوت و بھائی چارے، باہمی تعاون، خیر خواہی، بزرگوں کے احترام اور مالی واخلاقی تعاون سمیت بہت سی شاندار روایات بھی پائی جاتی ہیں۔

اسلام ہر علاقے اور قوم کی روایات کا احترام سکھاتا ہے، البتہ اس تہذیب میں موجود اسلامی تعلیمات اور اُصولوں سے متصادم روایات کی اصلاح بھی ضروری سمجھتا ہے۔ کسی معاشرے کی روایات سے غلط عقیدے اور غلط رویوں کو نکال دیا جائے تو اسلام اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ عصر حاضر، جس میں خاندانی اقدار تیزی سے تبدیل ہورہی ہیں، اگر یہ تبدیلی اسلامی تعلیمات اور سوچ کے زیراثر ہوتی تو یقیناً ہم اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہوتے جبکہ اقدار میں یہ تبدیلی زیادہ تر میڈیا کے زیراثر ہورہی ہے۔ ہمارا میڈیا اسلامی معاشرے کی نہیں بلکہ مادہ پرست اور خودغرض مغرب کی سوچ کی نمائندگی اور عکاسی کررہا ہے۔ نتیجے کے طور پر مغرب اور سرمایہ دار معاشرے کی خرابیاں آہستہ آہستہ ہمارے معاشرے میں سرایت کررہی ہیں اور اعلیٰ خاندانی روایات کا حامل ہمارا معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے جو نہ تو روایتی مثالی معاشرہ رہا اور نہ ہی اسلام کے زرّیں اُصول اس میں نظر آتے ہیں۔

شہری آبادی کی حالت زیادہ قابل رحم ہے۔ جہاں مختلف علاقوں کے لوگ آ کر آباد ہورہے ہیں۔ جن کی حالت یہ ہے کہ لوگ اپنے ہمسائے کے نام تک سے بے خبر ہوتے ہیں۔ ایسے میں کسی مضبوط عقیدے اور عمدہ تربیت کے بغیر انسانی ہمدردی یا اسلامی بھائی چارے کی فضا کا پیدا ہونا مشکل ہے۔ ایسے ماحول میں برائیاں جلدی اور آسانی سے پھیلتی

ہیں۔ دیہات یا خاندانی کلچر میں ایک آدمی کو کسی غیر اخلاقی کام کرنے کی جلد جرات نہیں ہوتی۔ اس کے دل میں خاندان، برادری، محلّہ دار یا بزرگ شخصیات کا خوف اور حیا ہوتا ہے۔ وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتا جس کی وجہ سے مذکورہ بالا شخصیات میں سے کوئی اسے ہدفِ تنقید بنائے۔ یہ معاشرتی دباؤ اسے بہت حد تک برائیوں سے روکے رکھتا ہے۔

جدید دور میں آزادی اور حقوق کے دل فریب اور پُرفتن نعرے کی آغوش میں مادر پدر آزاد معاشرہ تشکیل پا رہا ہے جس میں ایک طرف کسی قسم کی قدغن نہ ہونے کی وجہ سے گناہ اور غیر اخلاقی سرگرمیاں معاشرے کو گھن کی طرح چاٹ رہی ہیں اور دوسری طرف خاندانی نظام کے حصے بخرے ہو رہے ہیں۔ خاندانوں میں رائج عمدہ روایات دم توڑ رہی ہیں۔ صلہ رحمی، باہمی تعاون، غم خواری اور انسانی ہمدردی کا وجود عنقا ہوتا جا رہا ہے۔ ان حالات میں جب اسلامی اُصولوں کو بھی نظر انداز کیا جاتا ہے تو اس سے تیزی سے بگڑتے ہوئے معاشرے کی ابتری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس پس منظر میں پوری دنیا کے لیے بالعموم اور اسلامی معاشروں کے لیے بالخصوص اس بات کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے کہ دنیا کو خاندانی نظام کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے روشناس کروایا جائے تا کہ بھٹکتی دنیا کی کشتی کو کسی کنارے لگایا جا سکے۔ اسلامی معاشرے جس طرح مغرب کی تقلید میں دوڑے چلے جا رہے ہیں' ان کی بھی صحیح راستے کی طرف رہنمائی ایک بنیادی شرعی فریضہ ہے۔ یہ مقالہ اسی آسمانی رہنمائی کو پیش کرنے کی ایک علمی و تحقیقی کاوش ہے۔

پہلے باب میں اسلام کے تصور خاندان پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دیگر معاشروں کے ساتھ ساتھ اسلام کے خاندانی نظام کے خدوخال کو واضح کیا ہے۔ اسلام میں ایک خاندان کے وجود کی بنیاد نکاح ہے۔ دوسرے باب میں نکاح کے ارکان، شرائط اور مقاصد کو واضح کیا گیا ہے جس سے اسلام کے خاندانی نظام کا امتیاز نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔ اس کے ساتھ طلاق اور خلع کے احکام بھی بیان کیے ہیں، کیونکہ اسلام ایک دفعہ نکاح منعقد ہونے کے بعد کسی خاندان کو جبرا قائم رکھنے اور معاشرے میں باہمی لڑائی جھگڑے کے ذریعے فساد پھیلانے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا بلکہ پرامن طریقے سے اس خاندانی یونٹ کو الگ کر دیتا ہے۔

خاندان کے وجود میں آنے کے بعد اہم مسئلہ اس کے افراد کے درمیان باہمی حقوق وفرائض کا تعین کرنا ہے۔ چنانچہ تیسرے باب میں میاں بیوی چوتھے میں اولاد اور پانچویں میں والدین کے حقوق وفرائض بیان کیے گئے ہیں۔ ان ابواب میں محض حقوق وفرائض ہی بیان نہیں کیے گئے بلکہ خاندان کے ارکان کی اہمیت اور حیثیت کو واضح کیا گیا ہے۔ یہ تفصیلات ہی دراصل متوازن خاندانی نظام کی روح ہیں۔ نکاح کے ذریعے صرف دو افراد ہی نہیں ملتے بلکہ دو خاندان ایک دوسرے کے ساتھ جڑتے ہیں۔ ان خاندانوں میں قریب ترین رشتے بہن، بھائی، چچا، پھوپھی اور ماموں خالہ وغیرہ ہیں، چھٹے باب کو ان رشتہ داروں کے حقوق وفرائض کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ ایک انسان اپنی ذات سے باہر بتدریج پوری دنیا کے ساتھ منسلک ہے۔ محرم رشتوں کے علاوہ خاندان اور برادری کے دیگر افراد کے ساتھ بھی اس کا تعلق بڑا گہرا ہوتا ہے۔ اسی طرح انسانی ضروریات اور تقاضے حقوق وفرائض کی فہرستوں سے بالا ہیں۔ خاندانی حسن کو دوبالا کرنے کے لیے شریعت کی عمومی تعلیمات موجود ہیں۔ صلہ رحمی کے عنوان سے ان تعلیمات کو چھٹے باب کی زینت بنایا گیا ہے۔ اسی

طرح ایک خاندان سے متعلق جمیع پہلوؤں کو وحی کی روشنی میں پیش کرنے کی ایک علمی کوشش کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اس کوشش کو قبول فرمائے اور امت کے لیے نفع مند بنائے۔آمین

آخر میں، میں اپنے نگران مقالہ جناب پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد اختر کا خصوصی طور پر شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی کمال مہربانی اور شفقت سے میری رہنمائی فرمائی اور اللہ کی توفیق اور ان کے لطف و کرم سے آج میں یہ مقالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

علاوہ ازیں میں شعبہ علوم اسلامی کی چیئر پرسن محترمہ پروفیسر ڈاکٹر ریحانہ فردوس صاحبہ کا بالخصوص، جبکہ کلیہ کے دیگر تمام معزز اساتذہ کرام اور اپنے والدِ محترم حافظ عبدالرحمٰن مدنی کا شکر گزار ہوں جن کی رہنمائی و تعاون مجھے قدم قدم پر میسر رہا، بالخصوص مجلس التحقیق الاسلامی کے تمام اراکین کا جنہوں نے لائبریری سے استفادہ کا موقع دیا اور ممکن حد تک تمام کتب مہیا کیں۔اللہ تعالی اِن سب حضرات کے تعاون پر انہیں اَجرِ عظیم عطا فرمائے۔آمین!

حافظ حسین ازہر

ISD/ISL/KU-10706/2004

# فہرستِ مضامین


❑ مقدمہ

❑ **باب اوّل**: اسلام میں خاندان کا تصور

| | |
|---|---|
| خاندان کی تعریف | ۳ |
| خاندانی نظام کی تاریخ وپس منظر | ۱۸ |
| خاندانی نظام کا ارتقاء واستحکام | ۲۷ |
| خاندان کے عناصر ترکیبی | ۳۱ |

❑ **باب دوم**: نکاح وطلاق ۴۰

**فصل اول**

| | |
|---|---|
| اسلام میں نکاح کی قانونی حیثیت | ۴۲ |
| نکاح کا مقصد اور ضرورت | ۴۸ |
| نکاح کا اسلامی طریقہ | ۵۹ |

**فصل دوم**

| | |
|---|---|
| نکاح کے آداب اور شرائط وضوابط | ۷۰ |
| نکاح میں ولی کی حیثیت | ۷۱ |
| ولی کیلئے شرائط | ۸۷ |
| نکاح میں فریقین (لڑکی اور لڑکے) کی رضا مندی لازمی ہے | ۸۹ |
| فریقین کے طرف سے ایجاب وقبول لازمی ہے | ۹۰ |
| خاوند کے لئے مہر دینا لازمی ہے | ۹۰ |
| نکاح کے وقت دو عادل گواہوں کی موجودگی ضروری ہے | ۹۱ |
| اِعلانِ نکاح ضروری ہے | ۹۲ |

| | | |
|---|---|---|
| فصل سوم | تعدد ازواج اسلام کی نظر میں | ۹۹ |
| | تعدد ازواج کی حکمتیں | ۱۰۷ |
| | تعدد ازواج کے آداب وشرائط | ۱۱۱ |
| | بلا استطاعت تعدد ازواج کی ممانعت | ۱۱۳ |
| | اسلام اور مغرب، تعدد ازواج کے پس منظر میں | ۱۱۶ |
| فصل چہارم | اسلام کا قانون طلاق | ۱۲۵ |
| | طلاق کے آداب وشرائط | ۱۳۳ |
| | خلع کی اہمیت وضرورت | ۱۳۸ |
| | بلاوجہ طلاق کی ممانعت | ۱۴۴ |
| **❑ باب سوم:** | **زوجین کے حقوق وفرائض** | ۱۵۱ |
| فصل اول | خاوند کے بیوی پر حقوق | ۱۵۳ |
| | خاوند کے جسمانی وطبعی حقوق | ۱۵۴ |
| | خاوند کے دینی واخلاقی حقوق | ۱۵۶ |
| | خاوند کی اطاعت اور اس کی عصمت کی حفاظت | ۱۵۸ |
| | مال واولاد کی نگرانی | ۱۶۲ |
| فصل دوم | بیوی کے خاوند پر حقوق | ۱۶۶ |
| | بیوی کے طبعی حقوق | ۱۶۶ |
| | بیوی کے اخلاقی وتمدنی حقوق | ۱۶۷ |
| | بیوی کے معاشی حقوق | ۱۷۲ |
| | بیوی کے تعلیمی حقوق | ۱۷۵ |
| فصل سوم | اسلامی حقوق زوجین کا غیر اسلامی حقوق زوجین سے تقابل | ۱۸۰ |

| | | |
|---|---|---|
| **باب چهارم:** | اولاد کے حقوق وفرائض | ۱۹۶ |
| **فصل اول** | حقوق اولاد کی اخلاقی ضرورت واہمیت | ۱۹۸ |
| | حقوق اولاد کی دینی ضرورت وفرضیت | ۲۰۶ |
| **فصل دوم** | کفالت اور حضانت کے حقوق | ۲۱۲ |
| | تعلیم وتربیت کے حقوق | ۲۱۶ |
| **باب پنجم:** | والدین کے حقوق وفرائض | ۲۳۵ |
| **فصل اول** | والدین کی اطاعت | ۲۳۷ |
| | خلاف دین معاملات اور اطاعت والدین | ۲۴۰ |
| | والدین کی خدمت | ۲۴۵ |
| **فصل دوم** | والدین کے معاشی حقوق | ۲۵۱ |
| | والدین کا حق مشاورت | ۲۵۹ |
| | بعداز وفات والدین کے حقوق | ۲۶۶ |
| **باب ششم:** | عزیز واقارب کے حقوق وفرائض | ۲۷۳ |
| **فصل اول** | والد کے رشتہ داروں کا تعین | ۲۷۵ |
| | ددھیال سے میل جول کے آداب | ۲۸۳ |
| | والدہ کے رشتہ داروں کا تعین | ۲۸۹ |
| | ننھیال سے میل جول کے آداب | ۲۹۴ |
| **فصل دوم** | اسلام میں صلہ رحمی کی اہمیت | ۳۰۲ |
| | خاندان کی جڑیں اور شاخیں | ۳۰۲ |
| | قطع رحمی کی مذمت | ۳۱۴ |

| | | |
|---|---|---|
| فصل سوم | خاندانی روایات کی پاسداری | ۳۲۲ |
| | عصر حاضر میں خلاف شرع خاندانی روایات | ۳۲۸ |
| | خوشی اور غمی میں تعاون وشراکت | ۳۳۷ |
| | اجتماعی میل جول کے شرائط وضوابط | ۳۴۳ |
| فصل چہارم | خاندان اور معاشرہ | ۳۵۳ |
| | خاندان معاشرے کا بنیادی یونٹ | ۳۵۳ |
| | اسلامی معاشرہ میں خاندان کا کردار | ۳۵۶ |
| ❑ اختتامیہ: | | ۳۶۱ |
| ❑ مصادر ومراجع | | ۳۶۲ |

# باب اول

## اسلام میں خاندان کا تصور

- خاندان کی تعریف
- خاندانی نظام کی تاریخ و پس منظر
- خاندانی نظام کا ارتقاء واستحکام
- خاندان کے عناصر ترکیبی

# خاندان کی تعریف

## لغوی تعریف

خاندان اُردو زبان کا لفظ ہے جسے عربی میں "الاسرۃ" انگریزی میں '' فیملی'' (Family)اورفارسی زبان میں ''خانوادہ'' کہا جاتا ہے جو عُرف عام میں کنبہ،قبیلہ، برادری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[1]

"الاسر ۃ "خاندان کے لئے مستعمل عربی لفظ ہے جس کا مادہ ''اس ر'' ہے، اور اگر ان حروف کو ملا کر ایک لفظ کی شکل دی جائے تو"اسر "بنتا ہے جو کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔البتہ''اسرۃ'' خاندان کو ہی کہا جاتا ہے۔

لسان العرب میں مادۃ''اس ر'' کے تحت لکھا ہے:

والأسرة الحصداء والبيض المكلل والرماح [2]

''اسر''مختلف حرکات کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے گویا یہ مختلف حرکات کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ جیسے اَسَرَ،اُسر، اسر یا اسے لمبا کر کے اور کھینچ کر پڑھا جاتا ہے جیسے"اسیر ، اسار ، اسیرۃ" یہ "الحبس والامساك"یعنی یہ گرفتار کرنے اور قید کرنے کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔[3]

اور اَسَرَ پوشیدہ بات اور سرگوشی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔قرآن کریم میں ہے:

﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا﴾ [4]

''اُسر، یہ سب تمام اور کل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے "وجاء واباسرهم "[5]

"الأسر ''سختی ،مضبوطی اور پختگی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور تخلیق کی پختگی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہ القاموس المحیط میں ہے "الأسر" الشد والعصب وشدة الخلق والخلق "[6]

اورقرآن مجید میں ہے:

﴿نَّحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ﴾[7]

أی رکبنا أعضاء هم واحکمنا خلقها وتركيبها بحيث يشد بعضها بعضا ويقوى بعضها بعضا [8]

''یعنی ہم نے اس کے اعضاء کو مرتب کیا اور اس کی تخلیق کو مضبوط کیا اور بعض کو بعض سے طاقت دی۔''

بسید نے اپنے گھوڑے کی تعریف میں ایک شعر پڑھا ہے جو مذکورہ بالا معنی کی وضاحت کرتا ہے۔

ساهم الوجه شديد أسره
مخبط الحارك محبوك الكفل [9]

لسان العرب میں ہے:

کہا جاتا ہے"وأسر الشئی یاسره أسرا واسارا واساراً شدة ورسطه یقال (ماأحسن ما أسرقتبه) واسر

الحیوان ونحوہ قیدہ وأسر فلانا اخذہ اسیرا "

ابن فارس، اسیر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سمی الأسیر أسیرا لأنه یوثق . . . عادۃ . . . وکانوا یشدونه بالقد وھو الأسار فسمی کل أسیر وإن لم یؤسر أسیرا "[10]

لسان العرب میں ہے:

"والأسر" احتباس البول وأسر بوله أسرا احتبس والاسم الأَسر والأُسر، وفي حدیث أبی الدرداء أن رجلا قال له إن أبی أخذہ الأسر یعنی احتباس البول " [11]

مذکورہ بالا عبارات کا مقصود یہ ہے کہ "الأسر "مادے اور اصل کے اعتبار سے مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

① خاندان ② قیدی ③ کسی چیز کو پوشیدہ رکھنا ④ مضبوطی اور پختگی ⑤ ترتیب و تنظیم

مذکورہ تمام معانی میں سے ہمارا مقصود خاندان ہے جس کے لئے ''الاسرۃ'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں بھی یہ مادہ استعمال ہوا ہے۔

﴿فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا﴾ [12]

''کہ ایک فریق کو تم قتل کرتے ہو اور ایک کو تم قیدی بنا لیتے ہو۔''

﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا﴾ [13]

''اور وہ مساکین، یتامیٰ اور قیدیوں سے محبت کرتے ہوئے ان کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ﴾ [14]

''نبی کریم ﷺ کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ ان کا خون بہا دیا جائے۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى﴾ [15]

''اے نبی ﷺ، تم لوگوں کے قبضہ میں جو قیدی ہیں ان سے کہو''

﴿وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ﴾ [16]

''اور جب وہ لڑائی میں پکڑے ہوئے تمہارے پاس آتے ہیں، تو ان کی رہائی کے لئے فدیہ کا لین دین کرتے ہو، حالانکہ انہیں ان کے گھروں سے نکالنا ہی سرے سے تم پر حرام تھا۔''

## "الأسرۃ " کے مترادفات

### العائلہ

''العائلہ'' اسم فاعل بمعنی مفعول ہے اور عائلہ عربی میں کہا جاتا ہے

"من یعولھم الشخص من یضمھم بیت الرجل وینفق علیھم من زوجه وأقارب ''[17]

یعنی آدمی جن کی طرف لوٹ کر جاتا ہے اور ان سے ملاقات کرتا ہے اور اپنے عزیز و اقارب میں سے جن پر خرچ کرتا ہے اسے عائلہ کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم اوراحادیث رسول ﷺ میں ''الاسرۃ'' کا مترادف 'أھل' استعمال ہوا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

قرآن کریم اوراحادیث رسول ﷺ میں ''اسرۃ'' کا لفظ استعمال نہیں ہوا اوراس کے مفہوم کی جو لفظ عکاسی کرتا ہے وہ 'اہل' کا لفظ ہے جوقرآن کریم میں بار ہا دفعہ استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ رَأَى نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا﴾ [18]

''جب کہ اس نے ایک آگ دیکھی اوراپنے گھر والوں سے کہا کہ ذرا ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔''

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ [19]

''اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیتِ نبی ﷺ سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔''

﴿قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ [20]

''اے نوح علیہ السلام، وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے، وہ ایک بگڑا ہوا کام ہے۔''

﴿فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ﴾ [21]

''بس تو کچھ رات رہے اپنے اہل وعیال کو لے کر نکل جا''

﴿إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ﴾ [22]

''ہم تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو بچالیں گے، سوائے تمہاری بیوی کے''

﴿فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ﴾ [23]

''آخر کار ہم نے لوط علیہ السلام اوراس کے گھر والوں بجز اس کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی، بچا کر نکال دیا۔''

## توضیحات

پہلی آیت کریمہ میں لفظ 'اہل' اسرۃ کے مفہوم کو اس طرح سے ادا کر رہا ہے کہ انسانوں کے گروہ اور جماعت اوراجتماع کی جو وجہ ہے یا تو وہ دین ہوسکتا ہے یا گھر یا خاندان یا علاقہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر شریک، ان کے خاندان کے افراد تھے۔

دوسری آیت کریمہ میں صراحتاً ذکر ہے کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات آپ ﷺ کا خاندان ہیں اور آپ ﷺ کا مسکن بھی واحد اورایک ہی تھا۔

تیسری آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ آپ کا بیٹا آپ کے خاندان سے نہیں کیونکہ اس کے عمل غیر صالح ہیں۔

چوتھی آیت کریمہ میں حضرت لوط علیہ السلام کو خطاب ہے کہ اپنے اہل کو رات کے ایک حصے میں لے چلو جو خاندان کے مفہوم کو عیاں کررہا ہے۔

جبکہ پانچویں اورچھٹی آیت کریمہ میں خطاب ہے کہ ہم نے دین کی بنیاد پر جمع ہونے والے خاندان کو نجات دی۔[24]

گویا تمام آیات اسرۃ کا مفہوم ظاہر کررہی ہیں۔

موسوعة الفقهيه الكويتيه، میں ''اسرۃ'' کی تعریف اس طرح سے کی گئی ہے کہ "أسرة الإنسان عشيرته ورهطه

الأدنون مأخوذ من الأسر وهو القوة سموا بذلك لأنه يتقوى بهم والأسرة عشرة الرجل وأهل بيته "۲۵

انسانی خاندان، اس کی آل اولاد اور باپ کی طرف سے قریبی رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے اور اسرۃ 'اسر' سے ماخوذ ہے اور اُسر قوت کو کہا جاتا ہے اور اس کا یہ نام اس لیے پڑا کہ انسان اپنی آل اولاد کے ذریعے قوت محسوس کرتا ہے، اور آدمی کے اپنے گھر والوں کی گزر بسر کے انتظام کو اسرہ کہتے ہیں۔

## ابوجعفر النحاس کے ہاں خاندان کی تعریف

"الأسرة أقارب الرجل من قبل أبيه "

''کہ باپ کی طرف سے قریبی رشتہ داروں کو اسرۃ اور خاندان سے موسوم کیا جاتا ہے۔'' ۲٦

## ابن عابدین کے ہاں خاندان کی تعریف

"أهله زوجته وقالا يعنى صاحبى أبى حنيفة كل من فى عياله ونفقته غير مماليكه" لقوله تعالى ﴿فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِيْنَ﴾ ۲۷

ابن عابدین کے ہاں کسی شخص کا خاندان، اس کی بیوی اور گھر کے افراد ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے ہاں کسی شخص کی کفالت وحضانت میں سوائے غلاموں کے جتنے بھی افراد شامل ہیں وہ تمام ایک خاندان اور اسرۃ ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ ہم نے ان کو اور اس کے تمام خاندان کو نجات دی۔

انگریزی زبان میں خاندان کو فیملی (Family) کہا جاتا ہے English dictionary میں اس کی توضیح اس طرح سے کی گئی ہے:

"Family can take the singular or plural form of the verb (1)A family is a group of people who are related to each other, especially parents and their children.

2. When people talk about their family, they sometimes mean their ancestors.Her family came to Los Angeles at the turn of the century.۲۸

گورڈن مارشل نے ایک خاندان کی تعریف اس طرح سے کی ہے:

An intimate domestic group made up of people related to one another by bonds of blood, sexual mating or legal ties. It has been a very resilient social unit that has survived and adapted through time.

ایک قریبی گھریلو گروہ جو خونی رشتے، جنسی رفاقت یا قانونی بندھن کی بناء پر ایک دوسرے سے مربوط ہونے کی اساس پر وجود میں آیا ہو۔ یہ ایک بہت لچک دار سماجی اکائی رہا ہے جو زمانے کے مختلف ادوار میں ہم آہنگ ہوکر باقی رہا ہے۔ ۲۹

## اسلام میں خاندان کی اہمیت

اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک خاندان اگرچہ ایک مرد اور عورت کے درمیان نکاح کے عقد اور بندھن اور پھر ان کے بچوں سے بھی

وجود میں آتا ہے لیکن اس میں شوہر کے والدین اور خونی رشتے کے غیر شادی شدہ عزیز بھی شامل ہو کر ایک وسیع خاندان کو تشکیل دیتے ہیں۔ پھر اسلامی شریعت کے خصائص میں سے ہے کہ اسلام نسب و نسل کی حفاظت کو شریعت اسلامیہ کے عمومی مقاصد میں سے شمار کرتا ہے۔[30] یعنی اسلام نے نسل انسانی کی بقا کے لیے شادی کا حکم دیا ہے اور اس کی حفاظت کے لیے اور نسب کو اختلاط سے محفوظ رکھنے کے لیے زنا کو حرام قرار دیا ہے۔

قرآن کریم میں نکاح کا حکم اس طرح سے ہے:

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾[31]

''اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں نکاح کر دیا کرو۔ اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت وسعت والا، جاننے والا ہے۔''

گویا اللہ تعالیٰ خاندان اور نسب کی حفاظت کا اتنا اہتمام کروانا چاہتے ہیں کہ آزاد تو آزاد غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کو اتنی اہمیت دی کہ ان کے آقاؤں اور مالکوں کو اپنے کلام کے ذریعے حکم فرمایا کہ نسب، خاندان میں ان کے ذریعے بھی بگاڑ آ سکتا ہے۔ لہٰذا ان کا بھی بندوبست کیا جائے اور نسب و نسل کی حفاظت کے لیے چار تک نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتَامٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ [32]

''اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں، دو دو، تین تین یا چار چار سے نکاح کر سکتے ہو اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ سب عورتوں سے یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (کافی ہے)۔''

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء» [33]

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی استطاعت رکھتا ہو تو وہ ضرور شادی کرے۔ شادی نظر کو خوب جھکانے والی اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جو شخص شادی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے تو یہ روزے اس کی شہوت کو ختم کر دیں گے۔''

اسی طرح ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«النكاح من سنتي فمن لم يعمل بسنتي فليس مني» [34]

''کہ نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا وہ مجھ سے نہیں۔''

مزید برآں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إذا تزوج العبد فقد استكمل نصف الدين فليتق الله في ما بقي» [35]

''جب بندہ شادی کر لیتا ہے تو اپنا آدھا دین مکمل کر لیتا ہے لہٰذا اسے چاہیئے کہ اپنے آدھے دین کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔''

اسی طرح فرمان نبوی ﷺ ہے:

«ثلاثة حق الله عونهم المجاهد فی سبیل الله والمکاتب الذی یرید الاداء والناکح الذی یرید العفاف»۳۶

''تین بندوں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ ایک تو اس مجاہد کی جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے، دوسرا اس غلام کی جو (آزادی کے لئے) طے شدہ رقم ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور تیسرے اس شخص کی جو پاکدامنی کی خاطر نکاح کرتا ہے۔''

## زنا کی حرمت

پھر خاندان، کنبے اور معاشرے کو حسب ونسب کی حفاظت اور جنسی بے راہروی سے روکنے کے لیے زنا کو حرام قرار دے دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّ سَاءَ سَبِيْلًا﴾۳۷

''اور تم زنا کے قریب بھی نہ جاؤ بلا شبہ یہ بے حیائی اور بُرا راستہ ہے۔''

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾۳۸

''زنا کرنے والے مردوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اگر تم اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو پھر اللہ کے دین کے لیے ان دونوں (کو سزا دینے) کے معاملے میں کوئی نرمی تمہارے آڑے نہ آئے اور انہیں سزا دیتے وقت اہل ایمان کے ایک گروہ کو حاضر کرلو۔ (تا کہ ان کی سزا دیکھ کر یہ بھی عبرت حاصل کریں)۔''

واضح رہے کہ اگر زنا کاری کے مرتکب مرد وزن، شادی شدہ ہوں تو ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں پتھر مار مار کر قتل (رجم) کر دیا جائے۔۳۹ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے خاندان اور نسب کی حفاظت کے لیے نکاح کو رواج دیا تا کہ زنا کا سد باب ہو سکے، نکاح کرنے کے لئے محرم عورتوں کے علاوہ کسی بھی قانون کا انتخاب کیا جا سکتا ہے وہ محرم خواتین اس آیت میں بیان کی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْ أَرْضَعْنَكُمْ.........الخ﴾۴۰

''تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جنہوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہو۔ ان بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا تعلق زن وشو ہو چکا ہو، (ورنہ اگر (صرف نکاح ہوا ہو اور) تعلق زن وشو نہ ہوا ہو تو (انہیں چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں) تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب سے ہوں اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو۔ مگر جو پہلے ہو گیا ہو، سو ہو گیا۔ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہوں۔''

قرآن کریم میں نکاح کو ایک مقدس تعلق قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَ

اللهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ أَخْدَانٍ ﴾[41]

''ان کے ماسوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال کے ذریعے سے حاصل کرنا تمہارے لیے حلال قرار دیا گیا ہے، بشرطیکہ حصار نکاح میں ان کو محفوظ کرو۔ نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو........... لہٰذا ان کے سرپرستوں کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کرلو اور معروف طریقے سے ان کو مہر ادا کردو تاکہ وہ حصار نکاح میں محفوظ (محصنات) ہوکر رہیں۔ آزاد شہوت رانی نہ کرتی پھریں اور نہ چوری چھپے آشنائی کریں۔''

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں کسی بھی قسم کے غیر قانونی اور خفیہ جنسی تعلقات سختی سے منع کئے گئے ہیں۔ نئی نسل کی تربیت اور عورتوں کے حقوق کا تحفظ ایسے دو پہلو ہیں جن پر اسلام کے معاشرتی نظام میں بہت زور دیا گیا ہے۔ اسلام غیر قانونی وصل وصحبت کو ایک ایسا اذیت ناک وسیلہ سمجھتا ہے جو بچوں کو ایک مشکوک حسب ونسب عطا کرتا ہے۔ اس صورت میں بچے کی پیدائش کے بعد معاشرے میں تمام ذمہ داری عورت پر آتی ہے۔ جن سے توقع کی جاتی ہے کہ بحیثیت اکیلی ماں ایسے بچوں کی پرورش کرے گی۔ پھر ایسے بچے مستقبل میں جاکر اپنے غیر مستحکم تعلقات شروع کرتے ہیں اور پھر اس طرح کا ایک چکر چلتا رہتا ہے۔ اسلام ایک مرد اور عورت کے تمام جنسی تعلقات کو اسکے اپنے نکاح کے ساتھی تک محدود کرتا ہے اور ایسے تعلقات کو خود اپنے خاندان کے بہت قریبی رشتہ داروں کے درمیان ممنوع قرار دیتا ہے۔ اسکے نظام میں تمام تعلقات کی بنیاد تقویٰ اور خدا ترسی ہے۔ خاندان سے باہر غلط طریقے سے تکمیل خواہشات کے تمام رابطوں پر پابندی لگانے کیلیئے اسلام، پاکدامنی، حجاب، نگاہوں کو نیچا رکھنا اور روزے رکھنے پر زور دیتا ہے۔ اسلام میں خاندان کو جذباتی امداد، تحفظ اور اشتراک عمل کا ایسا مرکز سمجھا جاتا ہے جہاں آنیوالی نسلوں میں درست دینی علوم اور اعلیٰ اقدار راسخ کی جاتی ہیں۔

اس بات میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کہ خاندان میں قیادت اور سرپرستی مردوں کو سونپی گئی ہے۔

﴿أَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ [42]

لیکن یہ خاندان کے افراد کی معاشی امداد کے ساتھ ساتھ اضافی ذمہ داریاں ہیں نہ کہ وسیع اختیارات کا مطلق العنان منبع ومصدر۔ اسی طرح یہ حقیقت تسلیم کرنے کے باوجود کہ عورتوں کا دائرہ کار گھر کے کاموں اور بچوں کی نگہداشت ہی ہے۔

﴿قَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ [43]

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عورتیں خاندان کی ساخت میں ایک گھٹیا اکائی یا کم درجے کے وجود ہیں اللہ تعالیٰ کی نظر میں مردوں اور عورتوں کے حقوق برابر ہیں مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ بڑائی سے پیدا کرنے کا مقصد اس پر اضافی ذمہ داریاں ڈالنا ہے نہ کہ انہیں اضافی حقوق سے نوازنا ہے۔ خاندان کو ایک چھوٹے درجے کی جمہوریت سمجھنا چاہیئے۔ تاکہ یہ جمہوریت جو ملک کے سیاسی نظام میں بڑے درجے پر اپنا درست عکس دکھا سکے۔ مردوں کے قوام ہونے کا مرتبہ انہیں ایک جابر، ظالم اور منہ زور ڈکٹیٹر کے مترادف بن جانے کے لیے نہیں دیا گیا کہ اپنے خاندان کی عورتوں سے بلا کسی چوں چراں کے فرمان برداری کا مطالبہ کریں۔

خاندان کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے اور انہیں تنزلی سے نکالنے میں خاوند اور بیوی کا بہت بڑا کردار شامل ہے۔ خاندانی نظام اس وقت ہی صحیح راہ پر چلے گا جب خاندان کے بنیادی اور اساسی افراد اور ارکان میں سے ہر ایک اپنے حقوق وفرائض کا خیال کرے گا اور یہ بات بھی یاد رہے کہ ایک رکن خاندان کے حقوق جہاں پر ختم ہوتے ہیں وہاں سے دوسرے کے حقوق کا آغاز ہوتا ہے۔ اس حوالے سے

دو آیات کریمہ مقالہ نگار کے ذہن میں ہیں جن کا ذکر کرنا ناگزیر سمجھتا ہوں ان میں سے ایک کا تعلق مردوں سے اور ایک کا تعلق عورتوں سے ہے اور دونوں گروہوں سے مل کر خاندان کی اساس مستحکم، مضبوط قرار پاتی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

① ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا﴾ [۴۴]

''ابن جریر طبری''اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ الرجال أهل قيام على نسائهم، فى تأديبهنّ والأخذ على أيديهن فيما يجب عليهن لله و لأنفسهم۔ بما فضل الله بعضهم على بعض يعنى بما فضل الله به الرجال على ازواجهم من سوقهم اليهن محورهن وانفاقهم عليهن اموالهم و كفايتهم اياهن مؤنهن و ذلك تفضيل الله تبارك و تعالىٰ اياهم عليهن و لذلك صاروا قواما عليهن نافذى الأمر عليهن فيما جعل الله اليهم من امورهن" [۴۵]

''مردوں کا عورتوں پر حاکم ہونے کا مطلب ہے کہ مرد اپنی بیویوں کو ادب و تأدیب سکھلانے اور اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی کرانے اور اپنی اطاعت و فرمانبرداری کرانے میں ان پر حق رکھتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے یعنی مردوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیویوں پر اس لیے فضیلت سے نوازا ہے کہ تمام تر ذمہ داریاں خواہ وہ نفقہ اور سکنیٰ کی ہوں خواہ وہ ان کے مہر کو ادا کرنے اور ان کی حفاظت کی ہوں وہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے حصہ میں ڈالی ہیں۔''

مزید لکھتے ہیں:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ يعنى أمراء، عليها أن تطيعه فيما أمرها الله به من طاعته، أن تكون محسنة الى أهله حافظة لماله و فضله عليها بنفقته و سعيه" [۴۶]

''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ، کا مطلب یہ ہے کہ مرد اپنی عورتوں پر امراء ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اپنے مردوں کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم کیا ہے اور خاوندوں کے گھر اور مال کی حفاظت کریں اور اللہ تعالیٰ نے مردوں کو نفقہ و خرچہ اور اس میں محنت کی وجہ سے فضیلت دی ہے۔''

مزید یہ کہ ضحاک کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ لقول الرجل قائم على المرأة يأمرها بطاعة الله فإن آيت فله أن يضربها ضربا غير مبرح وله عليها الفضل لنفقته و سعيه" [۴۷]

''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ '' کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر نگران اور نگہبان مقرر کیا گیا ہے کہ وہ ان کو اللہ کی اطاعت کا حکم دے اگر وہ اس سے انکار و اعراض کریں تو مرد ان کو مارے، لیکن شدید مار کٹائی سے اجتناب کرے اور مرد کو عورت پر خرچ اور ذمہ داری و محنت کی بنیاد پر فضیلت دی گئی ہے۔''

مذکورہ بالا روایات کا مطلب یہ نہیں کہ مرد عورتوں کو جس طرح چاہے ذلیل کرتا رہے اور مارتا رہے جس طرح تفسیر طبری میں مذکورہ بالا آیت کے شان نزول کا ذکر ہوا:

"ان رجلا لطم امرأته، فأتت النبیﷺ، فأراد أن يقصها منه، فأنزل الله:﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا

فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ﴾ فدعاہ النبیﷺ فتلاھا علیہ ، وقال: أردت أمراً وأراد الله غیرہ"۴۸

''انصار کے ایک آدمی کی اپنی بیوی سے چپقلش ہوگئی تو ان دونوں کے کلام بلند ہونے لگے تو مرد نے اپنے بیوی کو تھپڑ لگایا تو وہ عورت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے خاوند کے عمل کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے خاوند کو بلایا اور اس کو ''اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ'' والی آیت سنائی تو انصاری نے کہا میں نے امر کا قصد کیا لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے علاوہ ہے۔''

◉ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ﴾ أی الرجل قیم علی المرأة ای ھورئیسھا و کبیرھا والحاکم علیھا و مؤدبھا اذا (اعوجت بما فضل الله بعضھم علی بعض) ای لأن الرجال افضل من النساء والرجل خیر من المرأة ولھذا کانت النبوة مختصة بالرجال و کذلك الملك الاعظم لقولہ ﷺ لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأة"۴۹

''اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ' کا مطلب ہے کہ آدمی اپنی بیوی کا رئیس، نگہباں اور سرپرست ہے اور وہ اس کو ادب سکھلانے والا ہے جب وہ ٹیڑھا پن اختیار کرے۔ اس لیے کہ اللہ نے بعض کو ان کے بعض پر افضیلت سے نوازا ہے اور مرد عورتوں سے افضل ہیں اور آدمی اپنے بیوی سے بہتر ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت کو مردوں سے خاص کیا ہے اور اسی طرح اعلیٰ و اشرف بادشاہت اور حکمران مردوں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''وہ قوم کبھی فلاح و کامیابی کی منازل طے نہیں کرسکتی جنھوں نے اپنے معاملات کا والی عورت کو بنا لیا۔''

◉ امام بیضاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ﴾ یقومون علیھن قیام الولاة علی الرعیة و علل ذلك بأمرین وھبی و کسبی فقال ﴿کفضل الله بعضھم علی بعض﴾ بسبب تفضیلہ تعالیٰ الرجال علی النساء بکمال العقل و حسن التدبیر و مزید القوة فی الاعمال والطاعات ولذلك خصوا بالنبوة والإمامة والولایة واقامة الشعائر والشھادة فی مجامع القضایا ووجوب الجھاد والجمعة و نحوھا التعصیب و زیادة السھم فی المیراث والاستبداد بالفراق"۵۰

''الرجال قوامون سے مراد یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اولی الامر کی مانند حکمران ہیں۔ اس کے دو اسباب ہیں: وہبی اور کسبی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے [فضل الله بعضھم علی بعض] مردوں کو، کمال عقل، حسن تدبیر اور اعمال وطاعات میں قوت کی زیادتی کی بنا پر عورتوں پر فضیلت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت، امانت، ولایت، شعائر اللہ کے قیام، جھگڑوں میں فیصلوں، جہاد اور نماز جمعہ جیسے امور مردوں کو خاص کیا گیا ہے۔ اسی طرح مردوں کو وراثت میں سے عورتوں سے زیادہ حصہ ملتا ہے۔''

◉ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ﴾ مسلطون علی أدب النساء ﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ﴾ الرجال بالعقل والقسمة فی الغنائم والمیراث ﴿عَلٰی بَعْضٍ﴾ یعنی النساء "۵۱

''اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ'' کی مراد یہ ہے کہ مرد عورتوں کو ادب وتأدیب سکھلانے کے لیے ان پر مسلط کئے گئے ہیں۔ اور

''بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ'' کی تفسیر یہ ہے کہ مرد عقل وخرد اور غنائم کی تقسیم اور وراثت کی تقسیم میں عورتوں سے افضل ہیں اور ''عَلٰی بَعْضٍ'' سے مراد عورتیں ہیں۔''

تفسیر الکشاف میں ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ﴾ یقومون علیھن آمرین ناھین، کما یقوم الولاۃ علی الرعا یا وسموا قواما لذلك والضمیر فی ﴿بعضھم﴾ للرجال والنساء جمیعا یعنی انما کانوا مسیطرین علیھن بسبب تفضیل اللہ بعضھم وھم الرجال علی بعض و ھم النساء وفیہ دلیل علی ان الولایۃ انما تستحق بالفضل، لا بالتغلب والاستطالۃ والقھر وقد ذکروا فی فضل الرجال: العقل، والحزم، والعزم، والقوۃ، والکتابۃ، فی الغالب، والفروسیۃ، والرمی، ان منھم الانبیاء والعلماء وفیھم الامامۃ الکبریٰ والصغریٰ والجھاد والأذان والخطبۃ والاعتکاف و تکبیرات التشریق عند ابی حنیفۃ، والشھادۃ فی الحدود والقصاص و زیادہ الھم والتعصیب فی المیراث والحمالۃ والقسامۃ والولایۃ فی النکاح والطلاق والرجعۃ وعدد الازواج والیھم الانتساب وھم اصحاب اللحی العمائم ﴿بما انفقوا﴾ وبسبب ما أخرجوا فی نکاحھن من اموالھم فی المھور والنفقات'' [۵۲]

''اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ'' کا مطلب یہ ہے کہ مرد، عورتوں کو دانشمندانہ طریقے سے حکم دینے کے لیے ان پر والی اورنگہبان مقرر کئے گئے ہیں جیسے رعایا اور عوام پر حکمران منتخب اور مقرر کئے جاتے ہیں۔ اسی لیے ان کا نام ''قوام'' رکھتے ہیں اور مذکورہ آیت کریمہ میں جو ضمیر ہے وہ مرد اور عورتیں دونوں کو شامل ہے۔ یعنی وہ دونوں قوم اور عوام کے معمار ہیں لیکن دونوں میں سے مردوں کو افضلیت سے نوازا گیا ہے اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حکمرانی اور سربراہی کا حق فضیلت کی بنیاد پر ہوگا، نہ کہ قہر واغلبیت کی بنیاد پر اور یہ بات عیاں ہے کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں اور یہ فضیلت مردوں کو اس لیے دی گئی ہے کہ وہ عقل وخرد، فہم وفراست، عزم و ہمت، طاقت وقوت، جذبہ وحوصلہ اور گھڑ سواری ونیزہ بازی کے اعتبار سے ایک بلند مقام رکھتا ہے اور مردوں میں سے ہی انبیاء ورُسل مبعوث ہوئے اور امامت کبریٰ وصغریٰ مردوں کو ہی سونپی گئی اور یہ احکام جہاد، اذان، خطبہ، اعتکاف، تکبیریں جو ایام تشریق میں کہی جاتی ہیں اور حدود میں گواہیاں، قصاص، حصص کی زیادتی اور وراثت میں سے عصبہ بن کر حصہ لینا اور حمالہ، قسامہ اور نکاح وطلاق اور مرجوع کرنے کا حق مردوں کے پاس ہی ہے اور تعدد ازواج کا حق مردوں کو ہی حاصل ہے۔ اور نسب نامے انہیں کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور وہ عقل وفہم کی وجہ سے قیادت وامارت اور سیادت کا حق رکھتے ہیں۔''

## اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ'' کی تفسیر کا ماحصل

مذکورہ بالا آیت مبارکہ کی بے شمار تفاسیر کی گئیں جن میں سے بعض تفسیر بالماثور اور بعض تفسیر بالرائے ہیں ان تمام کو اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو ان سے جو چیز حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ''خاندانی نظام'' اگر ترقی وکامرانی اور فوز وفلاح سے آراستہ ہوسکتا ہے اور تنزلی وپستی سے کنارہ کش ہوسکتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ خاندانی نظام کی امارت اور قیادت وسیادت مردوں کے ہاتھ میں دینا ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قوی قرار دیا ہے اور خاندان، کنبے، قبیلے، معاشرے اور دفاع دین اور فروغ دین کے لیے انہیں جہاد وقتال کا درس دیا ہے اور عورتوں کا جہاد، حج کو قرار دیا اور مردوں کو ان کی عقل وفراست اور تدبر وفکر کے لحاظ سے بھی افضلیت کا درجہ حاصل ہے کیونکہ یہ معاملہ فہمی سے کام لیتے ہوئے خاندانی روایات اور خاندانی نظام کی بقا واستحکام کے لیے تمام قسم کے خاندانی انقطاع کو صرف نظر

کرتے ہوئے خاندان کو یکجا کرتے ہیں۔ اس طرح خاندان ایک پاور بن کر نمایاں ہوتا ہے اس سے اسلامی خاندان کی مثبت روایات کو بھی فروغ ملتا ہے، گویا خاندانی نظام کی تعمیر و ترقی میں مردوں کا کردار سربراہ اور ذمہ دار کا ہے۔

## خاندان کی دوسری کڑی عورت اور اس کا دائرہ کار

اسلام کے خاندانی نظام میں عورت کو غیر معمولی حیثیت حاصل ہے ماں کی گود اور اس کی تربیت کو بچے کی پہلی درس گاہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب ماں اپنے بچے کی تربیت بطریق احسن سرانجام دیتی ہے تو اس سے ہی خاندان کی اصلاح کا سسٹم شروع ہو جاتا ہے اور اعلیٰ و ارفع اور تعلیم یافتہ خاندان کے لیے ایسی حیادار، تعلیم یافتہ، عقل وفہم اور بصیرت کی حامل خواتین کی ضرورت ہے جن خواتین کے لیے اسلام نے ایک دائرہ کار مقرر کیا ہے کہ وہ اپنے گھروں کو مرکز ومحور خیال کرتے ہوئے ٹھہری رہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ﴾ ۵۳

''اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو۔''

## لفظ قرن اہل لغت کے ہاں

آیت مذکورہ میں لفظ ''قرن'' استعمال ہوا ہے بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ ''قرن'' ''قرار'' سے ماخوذ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ''وقار'' سے مأخوذ ہے۔ جیسے کہ لسان العرب میں امام فرّاء رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ وقار سے مأخوذ ہے۔

گویا اس کو ''وقار'' سے مأخوذ مانا جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ ''سکون سے رہو'' اور اگر اسے ''قرار'' سے مأخوذ مانا جائے تو اس کا مطلب ہوگا ''ٹک کر رہو'' دونوں صورتوں میں آیت کا منشا یہ ہے کہ عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر ہے، اگر وہ اپنے دائرہ عمل کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے شب و روز، لیل ونہار بسر کرے گی، تو خاندان اور نسب ناموں کی تباہی ہوگی۔ لہٰذا اسے اپنے دائرہ کار میں اطمینان کے ساتھ رہ کر اپنے فرائض سرانجام دینے چاہئیں۔ ۵۴

ابوبکر الجصاص ''وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ'' کی تشریح اس طرح سے کرتے ہیں:

"وفیه الدلالة علی ان النساء مامورات بلزوم البیوت منهیات عن الخروج" ۵۵

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورتیں اپنے گھروں سے چمٹے رہنے پر مامور ہیں اور ان کو گھر سے باہر نکلنے سے روک دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کو اپنی تمام سرگرمیاں اس کے اندر ہی محدود رکھنی چاہئیں۔

عبداللہ جمال الدین آفندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"المرأة عورة" عورت نام ہی پردے کا ہے۔

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها هو الشیطان» ۵۶

''عورت نام ہی پردے کا ہے۔ جب عورت گھر سے باہر قدم رکھتی ہے تو شیطان اسے (خوبصورت کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور) اسے دیکھتا ہے۔''

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشیطان وأقرب ماتکون من وجهه ربها اذا هی فی قعربیتها»۵۷

''عورت پردے کو کہتے ہیں جب یہ اپنے گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اسے دیکھتا ہے اور عورت اپنے گھر کے اندر اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے۔''

مزید برآں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"النساء عورة فاستروها بالبیوت"

''عورتیں پردہ ہیں انہیں گھروں کے اندر رکھو۔''

اسی طرح فرمان نبوی ﷺ ہے:

«والمرأة راعیة علی أهل بیت زوجها وولده وهی مسئولة عنهم»

عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور ان سے متعلق ان سے باز پُرس ہوگی۔ ۵۸

ایک اور مقام پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته: الامام راع و مسئول عن رعیته والرجل راع فی أهله وهو مسئول عن رعیته والمرأة راعیة فی بیت زوجها و مسئولة عن رعیتها والخادم راع فی مال سیده و مسئول عن رعیته"۔ ۵۹

''تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک جواب دہ ہے۔ امام اور امیر ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر کا ذمہ دار ہے اس سے اس کے گھر کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور عورت اپنے افراد گھر کی ذمہ دار ہے اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا اور خادم اپنے آقا و مالک کے مال کا ذمہ دار ہے تو اسے، اس مال کا حساب دینا ہوگا۔''

◉ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَبیُوتُهِنَّ خَیرٌلَّهُنَّ اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔

عورت پر گھریلو ذمہ داری اور خاندانی سسٹم کی ذمہ داری کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ شریعت اس کو اولاد کے سن شعور کو پہنچنے تک ان کی پرورش اور نگہداشت کے لیے مردوں سے زیادہ اہل اور موزوں سمجھتی ہے۔ ایک صحابی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اس بیوی سے ان کا ایک بچہ تھا اور وہ بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن بچے کی ماں نے نبی کریم ﷺ سے ان کے خلاف شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «انت أحق به مالم تنکحی» تم ہی اس کی زیادہ حق دار ہو جب تک کہ نکاح ثانی نہ کرلو۔ ۶۰

مکاشفۃ القلوب میں ہے:

«جهاد المرأة حسن الشغل لزوجها»۶۱

''عورتوں کا جہاد اپنے شوہروں کی خدمت ہے۔''

مذکورہ بالا سنن ابی داؤد کی روایت کی شرح کے ضمن میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فیه دلیل علی ان الام اولیٰ بالولد من الاب مالم یحصل مانع من ذلك بالنكاح .......... مالم تنکحی

وھو مجمع علی ذلك..........“

”یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ماں، باپ سے زیادہ بچے کی حق دار ہے جب تک کہ حقیقی رکاوٹ پیدا نہ ہوجائے۔ مثلاً ماں کا دوسرا نکاح کرلینا، ایسا مسئلہ ہے۔ جس پر اجماع ہے۔“

اسلام نے ایک مثالی بیوی کے اوصاف نہایت جامع اور مختصر الفاظ میں ہمارے سامنے رکھے ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کا فرمان ہے

«ما استفادالمؤمن بعد تقوی الله عزوجل خيرًاله من زوجة الصالحة إن أمرها أطاعته وإن نظر إليها سرته وإن أقسم عليها أبرته وإن غاب عنها نصحت فی نفسها و ماله» [۶۲]

”مومن کے لیے تقویٰ حاصل ہونے کے بعد سب سے بڑی بھلائی، نیک بیوی ہے۔ جب وہ اسے حکم دے تو اطاعت کرے۔ جب اس کی طرف دیکھے تو وہ خوش کردے اور اگر وہ اس کی طرف سے کوئی قسم کھا بیٹھے تو اسے پورا کرے اور اگر شوہر گھر میں موجود نہ ہو تو اپنی اور شوہر کے مال کی حفاظت کرے۔“

عورت کو چونکہ گھریلو زندگی کی منتظم بنایا گیا ہے۔ لہٰذا اس کا فرض ہے کہ خوش اسلوبی اور سلیقہ سے گھر چلائے۔ گھر کی صفائی، ستھرائی اور نظم ونسق کو برقرار رکھے۔ باپ، بھائی، شوہر اور ان میں سے ہر ایک کے کھانے، لباس، خوراک اور آسائش و راحت کا خیال کرے اور وہ تمام اہل خانہ کے لیے سرمایہ حیات وسکون بن جائے۔

◉ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ فرائض عورت کے لیے مخصوص ہیں کہ وہ کھانے، پینے اور لباس تیار کرنے کی خدمت سرانجام دے۔ شوہر کے مال کی حفاظت کرے، بچوں کی تربیت کرے اور وہ تمام امور جو گھر کے متعلقہ ہوں انہیں بطریق احسن انجام دے۔“[۶۳]

◉ امام ابن قیم الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”قال ابن خبيب فی (الواضحة) حكم النبیﷺ بين علی بن ابی طالبؓ و بين زوجة فاطمةؓ حين اشتكيا إليه الخدمة محكم علی فاطمة بخدمة الباطنة خدمة البيت و حكم علیؓ بالخدمة الظاهرة ثم قال ابن حبيب و الخدمة الباطنة العجين والطبخ والفرش وكنس البيت و استقاء الماء وعمل البيت كله“

”ابن حبیب نے ”واضح“ میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان یہ فیصلہ فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کا کام کریں گی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر کے۔ پھر ابن حبیب کہتے ہیں کہ گھر کے کام کاج میں آٹا گوندھنا، روٹی پکانا، بستر جھاڑنا، جھاڑو دینا اور پانی پلانا شامل تھے۔“

بلاشبہ گھریلو کاموں کو حقیر سمجھنا، بچوں کی پرورش کو نظر انداز کرنا اور باہر کے اجتماعی معاملات میں حصہ لینا اور اسے ترقی خیال کرنا غلط اندازِ فکر ہے۔ اسلام نے کچھ حدود کے ساتھ اجتماعی معاملات میں حصہ لینے کا حق ضرور دیا ہے، لیکن یہ حق نہیں دیا، کہ اپنی فطری ذمہ داریوں کو حقیر سمجھیں، انسانی تہذیب وتمدن کی ترقی، دراصل یہ ہے کہ عورتیں اعلیٰ خاندان و معاشرہ قائم کرسکیں اور اعلیٰ انسانی معاشرے کے لیے ناگزیر ہے کہ عورتیں بچوں کی پرورش کا حق ادا کریں اور اعلیٰ کردار اور پاکیزہ کردار اور پاکیزہ سیرت کے انسان تیار کریں اس لیے خاندان کی اصلاح اور ترقی و رتبہ اسی چیز میں پنہاں ہے۔ یہ کام عورتوں کے سوا کوئی بطریق احسن انجام نہیں دے سکتا۔ اچھے انسان

اچھی گودوں ہی میں پروان چڑھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے اسلام کی نظر میں یہ عمل، عمل جہاد ہے اور جہاد کو رسول اللہ ﷺ نے بلند چوٹی قرار قرار دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"محضة احدا کن فی بیتها تدرك عمل المجاهدین فی سبیل الله»[۶۴]

''تمہارا محض اپنے گھروں میں بیٹھنا رہنا ہی مجاہدین فی سبیل اللہ کے اجر کو پالیتا ہے۔''

◉ فرید واجدی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''فطرت نے عورت کو خانہ داری کے کاموں اور اپنی اولاد کی پرورش کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ عمل ولادت اور رضاعت کے ایسے سخت طبعی عارضوں میں مبتلا ہوتے رہنے کی وجہ سے ان کاموں کو نہیں کرسکتی جو مرد کرسکتا ہے۔ سوسائٹی کی جو بہترین خدمت عورت ادا کرتی ہے وہ یہی ہے کہ عورت بیاہی جائے، بچے جنے اور اپنی اولاد کی تربیت کرے اور یہ ایسا بدیہی قضیہ ہے کہ جس کے ثابت کرنے کے واسطے کسی طویل بحث کی حاجت نہیں۔''[۶۵]

◉ مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عورت کا اصل میدان عمل اس کا گھر ہے۔ نہ کہ باہر، اس لیے بغیر کسی حقیقی ضرورت کے، اس کا غیر متعلق کاموں میں شرکت کے لیے نکلنا یا سیر سپاٹے، تفریح، تماشہ بینی اور پکنک کے لیے جانا اپنے حُسن و جمال اور بناؤ سنگھار کی نمائش کرتے پھرنا ناجائز ہے۔''[۶۶]

◉ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

① عورت کے اعضاء و اعصاب اور رگ و ریشہ پر نسوانیت کے جبکہ مرد کے اعضاء و اعصاب پر مردانگی کے نقوش مرقم کردیئے گئے ہیں۔

② ان کے اعضاء، اعصاب کی تربیت اس انداز سے کی گئی ہے ایک ہی نوع کی چیزیں مختلف مقامات پر رکھ دینے سے مختلف فرائض سرانجام دے سکیں۔''[۶۷]

◉ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"خیر متاع الدنیالزوجهاوافضل معلمة لولدها واو فی راعیة کشرف بتیها"[۶۸]

''شوہر کے لیے بیوی دنیا کی بہترین چیز ہے۔ اس کے بچوں کی معلّمہ ہے اور اس کے گھر کو سنبھالنے والی ہے۔''

◉ فرید واجدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''نوع انسانی کی تربیت کے لیے ہم دیکھتے ہیں کہ عورت کے ذمہ، قدرت نے ایک ایسا اہم فریضہ عائد کیا ہے جس سے مرد کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ نسل انسانی کو جنم دینے، اس کے پالنے اور پروان چڑھانے کے لیے عورت کو سلسلہ وار چار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ مسئلہ حمل، ولادت، رضاعت، تربیت اولاد، ان میں سے ہر ایک مرحلہ عورت کے لیے سخت دشوار گزار ہوتا ہے۔''[۶۹]

مذکورہ بالا دو آیات ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاۗءِ......﴾ اور ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ......﴾ اور ان کی مختلف مفسرین کے حوالے سے تفسیر اور مختلف مفکرین، دانشوروں اور علماء و محدثین کے افکار و نظریات اور تصورات کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے

کہ اسلام کے خاندانی نظام کو دو پہیوں والی گاڑی سے تعبیر کیا جائے۔ جو برابر برابر چلنے سے راہ مستقیم پر گامزن ہوتی ہے اگر ایک پہیہ کام چھوڑ جائے تو دوسرا پہیہ بھی ناکام ہو جاتا ہے اور اپنے مقاصد اور منازل کو نہیں پا سکتے۔ یہی مثال خاندان کی اساس اور جڑ، خاوند اور بیوی کی ہے۔ اگر خاوند اپنے حقوق و فرائض کی ادائیگی سے دست بردار ہو جائے اور اپنی من مانی سے زندگی بسر کرنے لگے تو بیوی جس کا دائرہ عمل اور دائرہ کار چار دیواری اور گھر ہے وہ اپنے تمام مسائل حل کرنے سے قاصر ہو جائے گی اور خاندان کا استحکام اور ترقی خطرے کا شکار ہو جائے گی۔ لہٰذا خاندان کے استحکام اور ترقی کی بقا اسی میں ہے کہ خاندان کا ہر فرد اپنے اپنے حقوق و فرائض کا خیال کرے۔

# خاندانی نظام کی تاریخ و پس منظر

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں اور مسلمہ حقیقت ہے کہ خاندانی نظام کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنا انسان کا وجود۔اس لیے کہ انسان طبعی طور پر معاشرت پسندی اور اجتماعیت کو چاہتا ہے۔عربی کا مقولہ ہے:

"إن الإنسان مدني أو إجتماعي لطبعه"۰ لے

''انسان ہمیشہ سے معاشرت اور اجتماعیت کا دلدادہ رہا ہے۔''

سوال یہ پیدا ہوتا کہ انسان اجتماعیت اور معاشرت پسند کیوں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر مختلف عناصر کو جمع کر دیا جس کی بنا پر یہ اکیلا رہنا پسند نہیں کرتا۔

مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جنس انسانیت میں خاص طور پر محبت کا عنصر رکھ دیا جس کی وجہ سے ایک انسان دوسرے انسان کے دُکھ درد میں بحیثیت انسان شریک ہوتا ہے بلکہ دوسرے کے مصائب والآم کو اپنے لیے آزمائش قرار دیتا ہے اور اسکے مقابلے کیلئے بھرپور کوشش کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ اے

''ہم نے تمہارے اندر محبت و الفت کو پیدا کر دیا ہے۔''

علاوہ ازیں ایک اور مقولہ ہے:

"كنت إنسانا محبوبا من والده و ممدوحاً من امه محبوبا من اخوته واخواته"۲ے

''میں ایسا انسان ہوں جس سے اس کا باپ محبت کرتا ہے اور اس کی ماں تعریفیں کرتی ہے اور وہ اپنے بہن، بھائیوں کی طرف سے بہت زیادہ محبت کیا جاتا ہے۔''

یعنی خاندان اور ایک معاشرے کا ہر فرد دوسرے فرد سے محبت و اُلفت رکھتا ہے اور یہی چیز ایک خاندان اور معاشرے کی فلاح و کامیابی کا ہمیشہ سے راز رہا ہے۔اسی طرح زمانہ قدیم سے افراد خاندان و معاشرہ ایک دوسرے سے مدد و تعاون کا سلوک روا رکھتے رہے ہیں اور ایک دوسرے کی حفاظت و نگرانی کو اپنا شیوہ قرار دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ۳ے

''یعنی نیکی اور تقویٰ کے اعمال میں ایک دوسرے کا تعاون کرو جبکہ گناہ و ظلم و زیادتی کے کاموں میں آپس میں تعاون کرنا جائز نہیں ہے۔''

مزید برآں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«كلكم راع و كلكم مسؤول عن رعيته» ۴ے

''(خاندان کا) ہر فرد راعی ہے اور ہر ایک مسؤل ہے اس سے اس کی رعایا کے بارے سوال کیا جائے گا۔''

خاندان کی تاریخ اس چیز کی گواہ ہے کہ ہمیشہ سے ہر خاندان کا کوئی نہ کوئی مسئول، امیر یا حکمران رہا ہے۔جس کی نگہبانی اور نگرانی میں تمام افراد خاندان زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔جس کی حجت اور برہان یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اپنے

ساتھ لے کر دریا عبور کرنے لگے تو مفسرین کے کہنے کے مطابق بنی اسرائیل کے بارہ قبائل تھے۔اسی لئے ہر قبیلے کے لیے علیحدہ علیحدہ راستہ بن گیا جن کے ذریعے تمام قبائل بنی اسرائیل نے دریا عبور کیا اور جب فرعون اور اس کا لشکر دریا پار کرنے لگا تو اللہ نے دریا کو حالت اوّل کا حکم فرما دیا جس سے فرعون غرق ہو گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ ۵؎

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا۔تو ہم نے کہا کہ آپ علیہ السلام اپنا عصا پتھر پر ماریں تو اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے تو تمام لوگوں نے اپنے مشروب کی جگہ کو جان لیا۔کھاؤ، پیئو اللہ کے رزق سے اور زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرو۔

◉ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ ،مذکورہ آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

”عن ابن عباس قال: ذلك فى التيه، ظلل عليهم الغمام و أنزل عليهم المن والسلوى و جعل لهم ثيابا لاتبلى ولا تتسخ وجعل بين ظهرانيهم حجر مربع و أمر موسىٰ فضرب بعصاه الحجر، فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا فى كل ناحية منه ثلاث عيون، لكل سبط عين ولا يرتحلون منقلة الاوجدوا ذلك الحجر معهم بالمكان الذى كان به معهم فى المنزل الأول“

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میدان تیہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل پر بادلوں نے سایہ کر دیا اور ان پر من و سلویٰ کا نزول ہوتا رہا اور ان کو ایسا لباس عطا کیا گیا جو نہ بوسیدہ ہوتا تھا اور نہ میلا اور خراب ہوتا تھا اور ان کے پیچھے ایک مربع نما پتھر تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر عصا مارا جس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے، ہر کونے پر تین چشمے تھے۔ہر ایک قبیلے کے لیے ایک چشمہ تھا جب بھی وہ چاہتے پانی پی سکتے تھے۔وہ پتھر ان کے قریب ہی تھا جس سے چشمے پھوٹتے اور جس سے پانی پیتے تھے۔

اس آیت سے اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بارہ قبائل تھے جن کے لیے بارہ چشمے پھوٹے تھے تو ان بارہ قبائل کے بارہ سردار ہوں گے جن کی نگہبانی و نگرانی میں وہ اپنی حیات و زندگی کے لمحات بسر کر رہے تھے۔

## خاندان کا آغاز و تاریخ

ہم یہ بات پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ خاندان کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنا انسانی وجود پرانا ہے۔جب اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمایا اور اسی میں سے جنس انسان کی دوسری صنف جس کو صنف نازک کا نام دیا جاتا ہے، حضرت حوا علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا تو دونوں صنفوں کا ملاپ ہوا تو خاندانوں کے خاندان سرزمین فانی پر جلوہ گر ہوتے چلے گئے جس کو قرآن مجید میں اس انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ. اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ ۶؎

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے۔اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے

سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔''

◉ مولانا مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا'' اس کی تفصیلی کیفیت ہمارے علم میں نہیں ہے۔ عام طور پر جو بات اہل تفسیر کرتے ہیں اور جو بائبل میں بھی بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کیا گیا۔ (تلمود میں اور زیادہ تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب کی تیرہویں پسلی سے پیدا کیا گیا تھا) لیکن کتاب اللہ اس بارے میں خاموش ہے اور جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ بات کو اسی طرح مجمل رہنے دیا جائے جس طرح اللہ نے اسے مجمل رکھا ہے اور اس کی تفصیلی کیفیت معلوم کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔''[77]

◉ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور یہی قول حضرت مجاہد کا بھی ہے''[78]

اور قرآن کریم بھی اس چیز کی تشریح کرتا ہے کہ پہلا انسان آدم علیہ السلام تھا جس سے دنیا میں نسل انسانی پھیلی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّىْ اَعْلَمُ مَالَاتَعْلَمُوْنَ. وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُوْنِىْ بِأَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾[79]

''پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ ''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔'' انہوں نے عرض کیا: ''کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خونریزیاں کرے گا؟ آپ کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کی تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں۔'' فرمایا: ''میں جانتا ہوں، جو کچھ تم نہیں جانتے۔'' اس کے بعد اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا ''اگر تمہارا خیال صحیح ہے کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا، تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ۔''

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [80]

''بلاشبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال، حضرت آدم علیہ السلام کی سی ہے جس کو مٹی سے پیدا کیا گیا پھر کلمہ کن کہا تو وہ ہوگیا۔''

مذکورہ آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام پہلے انسان ہیں جن کو مٹی سے پیدا کیا گیا اور پھر پوری جنس انسانی کو، انہی کے ذریعے سے زمین میں پھیلایا۔ انہوں نے دنیا میں خاندانی نظام کی بنیاد رکھی۔

◉ امام محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"عن مجاهد فى قوله "وخلق منها زوجها" قال حواء من قصيرى آدم وهو نائم فاستقيظ فقال "اثا" بالنبطية امرأة"[81]

حضرت مجاہد رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا'' کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی نچلی پسلی سے پیدا ہوئیں اس حال میں کہ وہ سو رہے تھے۔ جب وہ بیدار ہوئے تو انہیں نے کہا ''اثا'' اور عرف عام میں اسے ''عورت'' کہا جاتا ہے۔

◉ مزید حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں:

﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ یعنی حوا علیہا السلام "خلقت من آدم من ضلع من اضلاعه" ﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ سے مراد حضرت حواء علیہا السلام ہیں جسے حضرت آدم علیہ السلام کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔[۸۲]

◉ امام محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ حضرت سدی رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں:

"قال اسکن آدم الجنة ، فکان یمشی فیها و حشا لیس له زوج یسکن إلیها ، فنام نومة فاستیقظ فإذا عند رأسه امرأة قاعدة خلقها الله من ضلعه فسألها ما انت؟ قالت امرأة قال ولم خلقت؟ قالت لتسکن الی"[۸۳]

''اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت میں سکونت بخشی تو وہ بیقراری اور بے چینی کی حالت میں پھرتے رہتے تھے ان کیلئے کوئی بیوی نہ تھی جسکو وہ آرام و راحت کا ذریعہ بنائیں۔ ایک دن وہ سو گئے اور انکی نیند جب پوری ہوئی تو وہ بیدار ہوئے تو اچانک انکے سر کے قریب ایک عورت بیٹھی تھی جسکو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا فرمایا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے سوال کیا کہ تو کون ہے؟ کہا ''عورت'' حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ تجھے کس لیے پیدا کیا گیا ہے۔ حضرت حوا علیہا السلام فرماتی ہیں۔ آپ کے آرام و راحت اور سکون کیلئے مجھے پیدا کیا گیا ہے۔

الغرض حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی پیدائش سے خاندان کی تاریخ کا آغاز ہو چکا تھا، اور ان دونوں سے آج تک کے تمام انسان وجود میں آئے اور یہ بات اللہ کے فرمان ﴿وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّ نِسَاءً﴾ سے بھی مستنبط ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کے خاندان کی توسیع اور دو بیٹوں کا تذکرہ اس طرح سے کرتے ہیں:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَ قْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾[۸۴]

''اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں کو آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کا سچا واقعہ سنا جب دونوں نے قربانی کی پھر ایک (ہابیل کی) قربانی قبول ہوئی اور دوسرے (قابیل کی) قبول نہیں ہوئی (قابیل حسد سے جل گیا) کہنے لگا میں تو ضرور تیری جان لوں گا۔ ہابیل نے کہا (کیوں؟ میرا کیا قصور ہے) اللہ تو پرہیزگاروں کی قربانی قبول کرتا ہے۔''

◉ امام محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے قابیل کو حکم فرمایا کہ تو ہابیل کی بہن کے ساتھ نکاح کر لے اور ہابیل کو کہا کہ قابیل کی بہن سے نکاح کر لے تو باپ کی بات پر ہابیل تو راضی اور متفق ہو گیا لیکن قابیل نے باپ کی بات کو ٹھکرا دیا اور اس سے نفرت کی۔ اور اپنے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے شادی کرنے پر راضی ہوا اور کہنے لگا ہم تو جنت کی اولاد ہیں اور ہابیل اور اس کی بہن زمین کی اولاد ہیں لہٰذا میں اپنی بہن کا زیادہ حق دار ہوں۔''

بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ قابیل کی بہن ہابیل کی بہن سے احسن اور خوبصورت تھی۔ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی

روایت میں بھی مذکورہ بات کی تصریح موجود ہے) تو قابیل نے اپنی بہن سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا اور اس کی بہن بھی اس پر خوش تھی تو ان کے باپ آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ دونوں کے لیے یہ لائق نہیں کہ آپ میری بات کا انکار کریں۔ قابیل نے باپ کی بات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی بات منانے کی کوشش کی تو باپ نے کہا تم اللہ کے نام پر قربانی کرو جس کی قربانی اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوگئی وہ قابیل کی بہن سے نکاح کرنے کا زیادہ حق دار ہے تو قابیل کھیتی باری کا کام کرتا تھا اور اس نے نکمی کھیتی اللہ کی راہ میں پیش کی اور ہابیل بکریاں چراتا تھا اور اس کو ایک جانور سے بہت زیادہ محبت تھی تو اس نے اپنا پسندیدہ مال اللہ کی راہ میں پیش کیا تو آگ آئی اور اس نے ہابیل کی قربانی کو جلا دیا گویا وہ اللہ کے ہاں مقبول ٹھہری اور قابیل کی نکمی کھیتی اسی طرح پڑی رہی۔ قابیل یہ دیکھ کر غصے میں آ گیا اور کہنے لگا اگر تو نے میری بہن سے نکاح کیا تو میں تم کو قتل کردوں گا۔ ہابیل نے کہا:

﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ ۸۵

محل استشہاد یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ اور اس کی تفسیر میں حضرت آدم علیہ السلام کے خاندان اور ان کے خاندان سے مزید خاندانوں کا تذکرہ ہے جو دوراوّل کے خاندانوں میں شمار ہوتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے خاندان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام جن کو آدم ثانی کہا جاتا ہے ان کے خاندان کے بارے میں قرآن کریم اس طرح سے نقشہ کھینچتا ہے۔

﴿حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَا اٰمَنَ مَعَهٗ إِلَّا قَلِيْلٌ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا إِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ﴾ ۸۶

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے (نوح علیہ السلام کو) حکم دیا کہ ہر قسم (کے جانوروں) میں سے جوڑا جوڑا (یعنی) دو (دو جانور۔ ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ) لے لو اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہو (کہ ہلاک ہوجائے گا) اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہو، اس کو کشتی میں سوار کرلو اور ان کے ساتھ ایمان بہت کم ہی لوگ لائے تھے (نوح علیہ السلام نے) کہا خدا کا نام لے کر (کہ اُسی کے نام سے) اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے۔ اس میں سوار ہوجاؤ۔ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے اور وہ ان کو لے کر (طوفان کی) لہروں میں چلنے لگی۔ (لہریں کیا تھیں) گویا پہاڑ (تھے) اس وقت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کہا کہ ہمارے ساتھ سوار ہوجا اور کافروں میں شامل نہ ہو اس نے کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا وہ مجھے بچالے گا انہوں نے کہا کہ آج خدا کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں۔ (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر جس پر اللہ کا حکم ہوا۔ اتنے میں دونوں کے درمیان لہر حائل ہوئی اور وہ ڈوب کر رہ گیا۔

## خاندان ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کے بارے میں قرآن میں ہے:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ۸۷

''اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں بلند کررہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ اے اللہ ہماری دعا قبول فرما لے بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

دوسرے مقام پر ہے:

﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ مَا أُنْزِلَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَ إِسْمَاعِيْلَ وَ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوْتِيَ

مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ﴾۸۸

''(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے ہم اللہ پر اور جو ہم پر اور ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولادوں پر اور موسیٰ علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوا ایمان لاتے ہیں۔''

## خاندان ابراہیمی علیہ السلام احادیث کی روشنی میں

صحیح بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کے لیے مکہ گئے، مگر وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بیوی سے پوچھا کہ تمہاری زندگی کیسی گزر رہی ہے؟ تو اس نے (بجائے شکر ادا کرنے کے) کہا: نحن بشر نحن في ضيق و شدة فشكت إليه۔ ہمارا بہت بُرا حال ہے۔ ہم تو بڑی تنگ دستی اور مصیبت میں مبتلا ہیں۔''

گویا خوب شکوہ و شکایت کی، اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ''اچھا جب تمہارا خاوند آئے تو اسے میری طرف سے سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل لو۔''

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر واپس آئے تو ان کی بیوی نے انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بتایا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام فرمانے لگے کہ وہ میرے والد تھے اور مجھے یہ وصیت کر گئے تھے کہ میں تمہیں طلاق دے دوں چنانچہ انہوں نے اسے طلاق دے دی۔۸۹

صحیح بخاری ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ ''حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک عرصہ بعد پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ملنے آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پھر ملاقات نہ ہوئی۔ البتہ ان کی نئی بیوی ملی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے سوال کیا آپ کی گزر بسر کیسی ہو رہی ہے اس پر عورت نے کہا: "نحن بخير و سعة واثنت على الله عزوجل"''ہم خیر و عافیت کے ساتھ ہیں بہت خوش ہیں اور اس پر اللہ کا شکر اور حمد کی۔''

اور کہا ''الا تنزل فتطعم و تشرب'' آپ تشریف رکھیں میں آپ کے لیے کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں خیر و برکت کی دعا کرتے ہوئے فرمایا: جب تمہارا شوہر واپس آئے تو اسے میری طرف سے سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ قائم رکھ۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس آئے تو ان کی اس بیوی نے کہا کہ ہمارے ہاں ایک اچھے بزرگ آئے تھے اور اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوب تعریف کی۔ پھر اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ وہ آپ کے لیے یہ وصیت کر گئے ہیں کہ آپ اپنے دروازے کی چوکھٹ سلامت رکھنا اس پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ وہ میرے والد صاحب تھے اور مجھے حکم فرما گئے ہیں کہ میں تمہیں اپنے نکاح میں برقرار رکھوں۔۹۰

## خاندان شعیب و موسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يَا مُوْسٰى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ لَكَ...... الخ﴾۹۱

''اور ایک شخص شہر کی پرلی طرف سے دوڑتا ہوا آیا (اور) بولا کہ موسیٰ علیہ السلام (شہر کے) رئیس تمہارے بارے میں صلاحیں کرتے ہیں کہ تم کو

مار ڈالیں لہٰذا تم یہاں سے نکل جاؤ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔موسیٰ علیہ السلام وہاں سے ڈرتے ڈرتے نکل کھڑے ہوئے کہ دیکھیں (کیا ہوتا ہے) (اور) دعا کرنے لگے کہ اے اللہ مجھے ظالم لوگوں سے نجات عطا فرما، اور جب مدین کی طرف رخ کیا تو کہنے لگے۔امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھا رستہ بتائے گا اور جب مدین کے پانی (کے مقام) پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ جمع ہو رہے ہیں۔اور اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان کی ایک طرف دو عورتیں (اپنی بکریوں کو) روکے کھڑی ہیں۔موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تمہارا کیا کام ہے۔وہ بولیں کہ جب تک چرواہے (اپنے چارپایوں کو) لے نہ جائیں ہم پانی نہیں پلا سکتے اور ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے بکریوں کو پانی پلایا پھر سائے کی طرف چلے گئے اور کہنے لگے۔پروردگار میں اس کا محتاج ہوں کہ تو مجھ پر اپنی نعمت نازل فرمائے۔(تھوڑی دیر کے بعد) ان میں سے ایک عورت جو شرماتی اور لجاتی ہوئی چلی آئی اور موسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگی تم کو میرے والد صاحب طلب فرما رہے ہیں کہ تم نے ہمارے لیے پانی پلایا تھا۔اس کی تم کو اجرت دیں۔جب وہ ان کے پاس گئے اور ان سے (اپنا) ماجرا بیان کیا تو انہوں نے کہا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔تم ظالم لوگوں سے بچ آئے ہو۔ایک لڑکی بولی ابا جان ان کو ملازمت پر رکھ لیں کیونکہ یہ بہتر ملازم ہیں جو توانا اور امانتدار ہیں۔انہوں نے (موسیٰ علیہ السلام سے) کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کو تم سے بیاہ دوں اس (عہد) پر کہ تم آٹھ برس میری خدمت کرو اور اگر دس سال پورے کر دو تو وہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے اور میں تم کو تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہتا تم مجھے انشاء اللہ نیک لوگوں میں پاؤ گے۔موسیٰ نے کہا کہ مجھ میں اور آپ میں یہ (عہد پختہ ہوا) میں جونسی مدت (چاہوں) پوری کر لوں۔ پھر مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو اور ہم جو معاہدہ کرتے ہیں۔خدا اس کا گواہ ہے۔جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنے گھر والوں کو لے چلے تو طور کی طرف سے آگ دکھائی دی تو اپنے گھر والوں سے کہنے لگے کہ (تم یہاں) ٹھہرو مجھے آگ نظر آتی ہے۔شاید میں وہاں سے (رستے کا ) کچھ پتہ لوں یا آگ کا انگارا لے آؤں تاکہ تم تاپو۔جب اس کے پاس پہنچے تو میدان کے دائیں کنارے سے ایک مبارک جگہ (ایک درخت میں) سے آواز آئی کہ موسیٰ میں تو خدائے رب العالمین ہوں۔

## حضرت یعقوب و یوسف علیہما السلام کا خاندان

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ﴾ ۹۲

''یہ اس وقت کا ذکر ہے جب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا''ابا جان میں نے خواب دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے ہیں اور سورج اور چاند ہیں اور وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔''

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان

### ① شجرۂ نسب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق قریش کے ایک معزز قبیلے سے تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب یہ ہے، محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر۔۹۳

### ② آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویاں تھیں جن کے نام یہ ہیں: حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا، سودۃ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا، عائشہ بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہا، حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہا، زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا، ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا، زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، جویریۃ بنت الحارث رضی اللہ عنہا، ام حبیبۃ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا، صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا، میمونۃ بنت الحارث رضی اللہ عنہا۔

## ③ آپ ﷺ کی اولاد

آپ ﷺ کی ساری کی ساری اولاد سوائے ابراہیم علیہ السلام کے، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوئی جن کی تفصیل اس طرح سے ہے۔ آپ ﷺ کے تین بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں

① قاسم

② عبداللہ (طیب، طاہر)

③ ابراہیم (حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے)

## آپ ﷺ کی بیٹیاں

① زینب رضی اللہ عنہا

② رقیہ رضی اللہ عنہا

③ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا

④ فاطمہ رضی اللہ عنہا

الغرض خاندان کی تاریخ گواہ ہے کہ خاندانوں کا سلسلہ انبیاء کرام سے شروع ہوا اور تمام انبیاء مستحکم خاندانی نظام کے تحت زندگی بسر فرماتے رہے۔ حضرت آدم علیہ السلام تمام انبیاء و رُسل کے باپ ہیں اور آج تک تمام خاندانوں کی نسبت انہی کی طرف ہوتی ہے۔

## مشہور مستشرق اینگلز کے ہاں خاندان کی تاریخ

مشہور مستشرق اینگلز (Engels Friedrich) کا کہنا ہے ''اوّلین دور میں خاندان کا آغاز دائروں کے محدود ہونے سے ہوا، پہلے آغاز قبیلے کے اندر ہوا جس کے اندر دو متضاد رشتے داروں اور بعد میں دور دراز کے رشتے داروں میں بُعد پیدا ہوتا چلا گیا، حتیٰ کہ شادیوں کے ذریعے جڑے ہوئے افراد خانہ بھی الگ ہونے لگے، آخر میں شادی کے بندھن میں بندھے ہوئے افراد کا جوڑا رہ گیا یہ ایک ایسا مالیکیول ہے جس کے بکھرنے سے خاندان بذات خود بکھر جاتا ہے۔''[94]

## اسلام اور تصورِ خاندان

اسلام خاندان کا ایک وسیع ترین تصور رکھتا ہے ایک مسلم خاندان میں صرف میاں بیوی اور بچے ہی شامل نہیں ہوتے بلکہ دادا دادی، نانا نانی، چچا، پھوپھیاں، ماموں، خالائیں وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں۔ اسلام خاندان کا ایک ایسا تصور پیش کرتا ہے جو حقوق و فرائض، خلوص و محبت اور ایثار و قربانی کے اعلیٰ ترین قلبی احساسات اور جذبات کی مضبوط ڈور سے بندھا ہوتا ہے۔ اسلام خاندان سے بننے والے معاشرے کے جملہ معاملات کی اساس، اخلاق کو بناتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ [95]

''لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت

اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

اسلامی معاشرت کا بنیادی ادارہ خاندان ہے۔ جس کی بہتری اور بھلائی، ابتری یا بربادی پر معاشرے کی حالت کا انحصار ہوتا ہے۔ اسلام نے خاندان کی طرف خصوصی توجہ دی ہے تا کہ اس ادارے کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا جائے اور ایک مضبوط، صالح اور فلاحی معاشرے کا قیام وجود میں آئے جو انفرادی و اجتماعی حقوق و فرائض کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرے۔

اسلام ایک فرد کو بھی اہمیت دیتا ہے اور ایک خاندان کو خاندانوں کے باہمی اشتراک سے پیدا ہونے والے قبیلے، برادری کو بھی اور قبائل یا برادریوں سے تشکیل پانے والی قوم یا اُمت کو بھی۔ اسلام، معاشرے کے ہر ادارے کے حقوق کا تحفظ اور فرائض کا تعین کرتا ہے۔ یوں اسلامی معاشرے میں ہر یونٹ کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہوتی ہے۔ انسانی زندگی فرد سے شروع ہو کر درجہ بدرجہ پھیلتی چلی جاتی ہے اور اس طرح سے ایک امت وجود میں آتی ہے۔

# خاندانی نظام کا ارتقاء واستحکام

خاندانی نظام کی مضبوطی اوراس کے استحکام کے لیےقرآنی قوانین معاشرت اورحدود وتعزیرات کا نفاذ ضروری ہے۔

◉ مولانا مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''نوع انسانی کی بقا اور انسانی تمدن کا قیام دونوں اس بات پر منحصر ہیں کہ ہر عورت اور مرد محض لطف اور لذت کے لیے ملنے اور پھر الگ ہوجانے میں آزاد نہ ہوں بلکہ ہر جوڑے کا باہمی تعلق ایک ایسے مستقل اور پائیدار عہد وفا پر استوار ہو، جو معاشرے میں معلوم اورمعروف بھی ہو اور جسے معاشرے کی ضمانت بھی حاصل ہو۔ اس کے بغیر نسل انسانی ایک دن کے لیے بھی نہیں چل سکتی ایک انسان کا بچہ اپنی زندگی اور اپنی نشو ونما کے لیے کئی برس کے دردمندانہ نگہداشت اور تربیت کا محتاج ہوتا ہے اور تنہا عورت اس بار کو اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوسکتی۔ جب تک کے مرد اس کا ساتھ نہ دے جو اس بچہ کے وجود میں آنے کا سبب بنا ہو۔ اس طرح اس معاہدے کے بغیر انسانی تمدن بھی برقرار نہیں رہ سکتا کیونکہ تمدن کی تو پیدائش یہی ایک مرد اور ایک عورت کے مل کر رہنے، ایک گھر اور خاندان وجود میں لانے اور پھر خاندانوں کے درمیان رشتے اور رابطے پیدا ہونے سے ہوتی ہے۔ اگر عورت اور مرد گھر اور خاندان کی تخلیق سے قطع نظر کر کے، محض لطف اور لذت کے لیے آزادانہ ملنے لگیں تو سارے انسان بکھر کر رہ جائیں گے۔ اجتماعی زندگی کی جڑ ہی کٹ جائے اور وہ بنیاد ہی باقی نہ رہے، جس پر تہذیب وتمدن کی یہ عمارت اٹھی ہے۔ ان وجوہ سے عورت اور مرد کا ایسا آزادانہ تعلق، جو کسی معروف ومسلم عہد وفا پر مبنی نہ ہو، انسانی فطرت کے خلاف ہے۔''[96]

خاندان بھی دوسرے معاشرتی اداروں کی ترکیبی وانتظامی تبدیلیوں سے دوچار ہو کے رہے، اس ارتقاء میں استحکام اور عدم استحکام ہی سے اس کا تعین ہوتا رہتا ہے۔ ایک مستحکم خاندان کی بنیاد مرد وعورت کا تعلق ہے اس سے بچہ وہ سکون حاصل کرتا ہے جو وہ ماں کی گود میں بیٹھ کر یا بہن بھائیوں کی معیت میں کھانے اور کھیلنے میں محسوس کرتا ہے، بچے کے لیے پہلا اور آخری سہارا ماں باپ ہوتے ہیں حتی کہ وہ بڑا ہو کر آزاد اور خود مختار ہوجاتا ہے۔ اس وقت وہ بوڑھے والدین اور چھوٹے بہن بھائیوں کا سہارا بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خاندان کا آغاز وارتقاء ایک ایسا مسلسل عمل ہے جس میں ہر فرد دوسرے کا سہارا بن جاتا ہے۔[97]

انسان نے بالکل آغاز میں محسوس کر لیا تھا کہ اس کی زندگی کا انحصار خاندان پر ہے۔ تمدن کے ابتدائی درجے سے لے کر دور حاضر تک خاندان کی ابتدائی اور بنیادی حیثیت نہیں بدلی۔ علماء معاشرت کا کہنا ہے کہ ''اچھے معاشرے کا دارومدار مستحکم خاندان پر ہے۔'' تاریخ انسانی پر نظر رکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ تہذیبوں اور تمدنوں کے زوال کا باعث ہی خاندان کا انتشار ہے۔ رومی تہذیب، اسی کے سبب زوال کا شکار ہوئی اور دور حاضر کے متمدن اور مہذب معاشرے اسی انتشار کا شکار ہیں جو انجام کار تباہی تک پہنچا دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خاندان ایک ایسا ادارہ ہے جو انسانی رویے اور طرز عمل کی تشکیل کرتا ہے۔ خاندان ہی وہ ادارہ ہے۔ جس کے ذریعے معاشرتی تربیت ہوتی ہے اور خاندان ہی وہ ادارہ ہے جو فرد کو اپنے فرائض کا احساس دلاتا اور اسے فرق مراتب کا شعور بخشتا ہے اگر خاندان کا استحکام ختم ہوجائے تو انسانی طرز عمل معاشرتی فرائض کا شعور اور افراد معاشرہ کے مراتب کا تعین سب کچھ ختم ہوجائے۔ ان

قدروں کا بحران وفقدان معاشرتی بحران پر منتج ہوتا ہے۔ جسے قومی ہلاکت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جدید امریکی مصنفین، خاندانی انتشار کے اس پہلو سے سخت پریشان ہیں۔ وہ اپنی تحریروں میں جابجا اس ہلاکت خیز رجحان کا ذکر کرتے ہیں، ان کے خیال میں عصر حاضر کا معاشرہ زوال پذیر ہے کیونکہ اس کا خاندانی نظم منتشر ہورہا ہے۔ ولیم ایف اگبرن (William F. Ogburn) اپنے مضمون ''امریکی خاندان کا زوال'' میں اس مسئلہ پر بڑی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ خاندان ایک معاشرتی ادارے کے لحاظ سے زوال پذیر ہے۔ یہ نتیجہ ہے مسلسل اور کثیر تحقیقات کا، ہم میں سے بہت سے لوگ اندازہ نہیں کرسکتے کہ خاندان روبہ زوال ہے یا اس میں کوئی تبدیلی ہورہی ہے کیونکہ ہم خاندان سے متعلق اسی طرح سوچنے کے عادی ہیں، جیسے ہم پتھر کے زمانے کے متعلق سوچتے ہیں پھر کچھ حصہ ایسا بھی ہے، جو فطرت اور ساخت اشیاء میں لازمی طور پر غیر متبدل رہتا ہے۔ جیسے معاشرے کی بنیاد، ورنہ بذات خود تہذیب کا وجود نہ ہوتا۔ اور پھر جب دن بدن معمولی تبدیلیاں ہوتی ہیں تو ہم انہیں محسوس نہیں کرتے، یہ اس وقت ہوسکتا ہے، جب ہم طویل غیر حاضری کے بعد لوٹیں، تو اس وقت اس وقوع پذیر عظیم تبدیلی کو ان لوگوں سے زیادہ بہتر دیکھ سکیں گے جو کہیں دور نہیں گئے۔''[۹۸]

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تہذیب حاضر کا انسان، خاندان کے استحکام کو شدت سے محسوس کرتا ہے اور خاندانی انتشار کو مصیبت سمجھ رہا ہے جس سے نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، خاندانی استحکام اچھی معاشرت کے لیے ناگزیر ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مستحکم خاندان ہی بہترین معاشرت کا سنگ بنیاد ہے۔

## خاندان کے استحکام کو زوال کا شکار کرنے والے عناصر

ڈاکٹر نسرین احسن اور حفصہ احسن نے اپنے مضمون ''خاندانی، عصری مباحث اور اسلام'' میں خاندان کے عدم استحکام اور زوال کے اسباب بیان کرتیں ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

### یکساں ذات پر زور

ایک مناسب رشتے کی تلاش کے وقت لوگ اکثر یکساں ذات کے شخص کو تلاش کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یا تو شادی بالکل ہی نہیں ہو پاتی یا ہو بھی جائے تو میاں، بیوی باہم غیر موزوں جوڑا ہوتے ہیں۔ غیر موزوں جوڑوں کے درمیان یہ شادیاں یا تو پھر طلاق پر اختتام پذیر ہوتی ہیں یا پھر الفت اور احترام سے خالی بالکل بدمزہ شادیاں ثابت ہوتی ہیں۔ ایسے حالات میں عورتیں آزادی کے ان نعروں کا آسانی سے شکار ہوجاتی ہیں۔ اس طرح خاندانی زندگی بکھر کر رہ جاتی ہے۔

### مادہ پرستی

مادہ پرست خاندان یا تو ان لڑکیوں کو تلاش کرتے ہیں، جو بہت زیادہ جہیز لاسکیں یا وہ ایسے خاندان کو تلاش کرتے ہیں جو ان کے بیٹوں کو کوئی کاروبار مہیا کریں گے یا بیرون ملک نوکری دلائیں گے۔ اس وجہ سے وہ دینی سوچ ومزاج کی ان تمام لڑکیوں کو تلاش کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ جو اگرچہ اخلاق میں بہت اچھی ہوتی ہیں لیکن کسی دولت کی مالک نہیں ہوتیں جو کرائے کی مکانوں میں رہتی ہیں اور جو بھاری بھرکم جہیز کی استطاعت نہیں رکھتیں۔ دوسری جانب لڑکی کے والدین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کی بیٹی ایسے شخص سے

شادی کرے۔ جس کا بڑا کاروبار یا بڑی اچھی نوکری اور پُرکشش تنخواہ ہو، اب بذات خود وہ تنخواہ یا کاروبار کیسے ہیں؟ انہیں جاننے کا تکلف بہت کم ہی کیا جاتا ہے، دین و مذہب کو، کوئی ترجیح نہیں دیتا۔

## شکل وصورت ہی معیار

اس میں شکل وصورت کا معیار بھی شامل ہے۔ دولہا کے خاندان والوں کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکی دراز قد، گوری چٹی، انتہائی خوبصورت اور دبلی پتلی سمارٹ ہو، اسے مختلف قسموں کے کھانے پکانے آتے ہوں اور وہ بغیر کسی اعتراض کے مکمل طور پر فرمانبردار بھی ہو وغیرہ۔ یہ فطری بات ہے کہ آج کے دور میں اکثر لڑکیاں ایسی کسی شادی کو قبول نہیں کریں گی جو ایک طرح پڑھا پڑھایا گیا ''غلامی کا معاہدہ'' ہو۔ اس لیے ان لڑکیوں کو ٹھکرا دیا جاتا ہے جن کا اپنا کوئی ذہن اور سوچ ہو۔

## علاقائی اختلاف

خاندانی زندگی کے مسائل کے حوالے سے پاکستان میں اگرچہ صورت حال ہر جگہ ایک جیسی نہیں ہے۔لیکن مختلف علاقوں میں کئی نامناسب روایات پائی جاتی ہیں۔قتل غیرت، شک کی بنا پر قتل، ونی، سوارا، کاروباری بیٹیوں کو بیچنا،عورتوں کی خرید وفروخت وغیرہ ایسی ہی مثالیں ہیں۔[99]

## اسلام کا خاندانی نظام علماء کی نظر میں

اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ دین اسلام ہر ایک کو ہر زمانے میں ہر قسم کی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ خواہ اس کا تعلق سیاست وسیادت سے ہو،خواہ اس کا تعلق معیشت واقتصاد سے ہو،خواہ اس کا تعلق تمدن ومعاشرت سے ہو،خواہ اس کا تعلق لین دین اور معاملات سے ہو، خواہ اس کا تعلق احکام سے ہو، گویا ہر فیلڈ میں اسلام مکمل رہنمائی مہیا کرتا ہے۔ اسلام کی خصوصیات میں سے، اس کا خاندانی نظام بھی ہے جس کی مثال کسی اور مذہب وملت میں نہیں ملتی۔ ذیل میں عصر حاضر کے مختلف علماء کرام کے ''اسلام کے خاندانی نظام'' پر کئے گئے تبصرے نقل کئے جاتے ہیں۔

◉ مولانا عبدالجبار شاکر ﷫ لکھتے ہیں:

''اسلام کے حسنات وبرکات میں سے ایک نمایاں خوبی، اس کا خاندانی نظام ہے۔ آج روئے ارضی پر جتنے مذاہب اور تہذیبیں پائی جاتی ہیں، ان میں صرف اسلام ایک ایسا دین ہے، جو مسلمانوں کو ایک خاندانی نظام میں پُرو دیتا ہے۔ یورپ، امریکہ اور سکنڈے نیوین ممالک میں خاندانی نظام بہت تیزی سے روبہ زوال ہوا ہے۔ ان معاشروں میں شادی سے پہلے ناجائز تعلقات استوار کرنے کی آزادی نے انہیں ایک حیوان بنا کر رکھ دیا ہے۔ ہم جنس پرستی ایک وبا کی طرح پھیل رہی ہے اور اسے بعض ممالک میں قانونی شکلیں دی جارہی ہیں۔ باقاعدہ شادی اور نکاح کے دو سال کے دوران میں طلاق دینے یا حاصل کرنے کی شرح بتدریج بڑھتی چلی جارہی ہے، کسی معاشرتی یا اخلاقی بندھن کے بغیر ازدواجی تعلق کے جوڑوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ ایک خاص تعداد ایسے بچوں کی ہے جن کو اپنی ولدیت معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ حاصل نہیں ہے۔

دین وشریعت میں آج سے چودہ سو سال قبل جو معاشرتی ضوابط اور خاندانی اقدار ملت اسلامیہ کو دیئے گئے وہ کسی نعمت سے کم

نہیں۔علاوہ ازیں حقوق زوجین کا ایک مستقل ضابطہ ہے۔شادی اور نکاح کے ایک پاکیزہ نظام نے اس ملت کو ایک امتیاز اور اختصاص عطا کر رکھا ہے۔ والدین اور بچوں کے دوران ایک روحانی تعلق قائم کر رکھا ہے۔ خاندانی نظام کے تمام دائروں میں احترام اور پاکیزگی جھلکتی ہے۔نکاح نظام عفت وعصمت کے حصار میں پناہ گزین ہونے کا نام ہے۔ زوجیت ایک عہد وفا ہے جس میں میاں بیوی کے درمیان ایک پائیدار محبت کے حوالے سے، ایک مثبت، مستحکم خاندانی نظام تیار ہوتا ہے۔اس گھریلو سلطنت میں عورت کو خصوصی اختیار اور حقوق حاصل ہیں جس کے باعث وہ مرد کی عزت وآبرو کی محافظ اور اس کی اولاد کی تربیت کی ضامن ہے۔ یوں مرد اور عورت کے باہمی تعلق کو شرعی اور قانونی انداز میں مربوط کر دیا گیا ہے۔

اسلام میں عورت کو کتنا بلند مقام اور درجہ دیا گیا ہے، وہ ایک بیٹی، بہن، بیوی اور ماں کے روپ میں کس تقدس کی حق دار ہے۔مختلف مراحل حیات میں اس کو کیا حقوق حاصل ہیں اور ان مواقع پر اسے کیا فرائض ادا کرنے ہیں۔ اس کی تفصیلات کتاب وسنت میں موجود ہیں، اس ضمن میں قرآن کریم کی آیات بینات اور احادیث مبارکہ کے ذخیرہ میں واضح اور دوٹوک تعلیمات ملتی ہیں۔حضور ﷺ نے اپنی سنت ثابتہ کے ذریعے خاندانی نظام کے اس نقشے کو اسلامی ریاست اور مسلم سوسائٹی میں واضح کر دیا ہے۔اور خاندانی نظام کے خدوخال، اسلامی معاشرت کا طرۂ امتیاز بن گئے ہیں۔''[۱۰۰]

# خاندان کے عناصر ترکیبی

ڈاکٹر خالد علوی رحمہ اللہ ''اسلام کا معاشرتی نظام'' میں خاندان کے عناصر ترکیبی کے ضمن میں رقمطراز ہیں:

''خاندان کے اجزاء ترکیبی، مرد و عورت، اولاد، والدین اور دیگر رشتہ دار ہیں۔ ان سے متعلق جو امور زیر بحث آتے ہیں وہ یہ ہیں۔ عورت کی حیثیت، نکاح و طلاق، تربیت اولاد، حقوق والدین، صلہ رحمی اور خاندان کی ہم آہنگی۔''[۱۰۱]

## عورت کی حیثیت

خاندان میں عورت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن خاندانی ارتقاء کے ساتھ ان کے مقام میں بھی فرق پڑتا ہے۔ بعض معاشروں میں اسے سیادت تو حاصل رہی، مگر وہ مرد کی معاونت اور خادمہ کی حیثیت سے معروف رہی۔ پدرشری معاشرے کو اساس قرار دیتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ مقابلہ میں اسے ہمیشہ کمزور سمجھا جاتا رہا ہے۔ ہندو، یہودی، عیسائی، ایرانی، یونانی، رومی اور ایام جاہلیت کے عرب معاشروں میں اس کی حالت ناگفتہ بہ رہی ہے۔ اسلامی معاشرے میں اسے بلند مقام دیا گیا اور ذلت و پستی سے نکال کر اسے انسانی معیار تک لایا گیا۔

## نکاح و تعلق

خاندان کا نمایاں جزء دراصل مرد و عورت کا تعلق ہے اسی تعلق سے خاندان کی عددی قوت بڑھتی ہے۔ اسی کے سبب اسے استحکام نصیب ہوتا ہے جبکہ یہ تعلق فرد کی انفرادی حاجت کی تسکین بھی ہے اور اجتماعی فلاح کا ذریعہ بھی۔

ماہرین عمرانیات نے اس تعلق کی تین اقسام بیان کی ہیں، جنہیں نکاح اور جنسی روابط پر تحقیقات کرنے والوں کی زبان میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

① تعدد ازواج یا چندزنی (Polygyny)

② یک زوجگی (Monogamy)

③ چندشوہری (Polygynyk)

## تربیت اولاد

خاندان میں مرد اور عورت کے تعلق کے بعد سب سے زیادہ اہم امر، بچوں کی تربیت اور بزرگوں کی نگہداشت ہے۔ ابتدائی اور زرعی معاشروں میں بچے چونکہ معاشی معاون ہوتے تھے اس لیے ان کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ ہر خاندان اولاد کی افزائش کے سبب معزز سمجھا جاتا تھا۔ گو بعض معاشروں میں بچیوں کو ناپسند کیا جاتا تھا اور عرب کے چند جاہل قبائل لڑکیوں کو زندہ درگور کردیتے تھے۔ لیکن اسلام نے بچوں اور بچیوں کی تربیت کو عبادت اور احسان سے تعبیر کیا۔

## خاندانی ہم آہنگی

ایک اچھے خاندان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے تمام فرائض ادا کرے اور اس کے عناصر ترکیبی مکمل ہوں ۔ خاندانی ہم آہنگی کے معنی ہی یہ ہیں کہ مرد عورت کے تعلقات مستحکم ہوں ۔ سربراہ خاندان اس طرح کا ہو کہ اس کا ہر فرد، خواہ وہ زرعی معاشرے کا ہو یا صنعتی کا، اس کے فیصلوں کا پابند ہو۔ معاشرتی استحکام کی بنیاد خاندانی ہم آہنگی ہے۔ جس معاشرے کے خاندانی نظام میں عورت و مرد کے تعلقات پر کوئی پابندی نہ ہو، بچے خاندان کا لازمی جز نہ ہوں اور بزرگوں کا احترام نہ ہو، وہ معاشرہ جنسی بے راہ روی اور مجرمانہ تغافل کا شکار، شفقت و رحم سے عاری اور انسانی ہمدردی سے خالی ہو جاتا ہے۔ علماء معاشرہ کے مطابق خاندانی ہم آہنگی، فرد کے جذباتی تحفظ کا باعث بنتی ہے۔ دور حاضر کے معاشرتی انتشار کا سبب یہی خاندانی بدنظمی ہے۔ جنسی تعلقات میں غیر ذمہ داری، طلاق کی کثرت، ضبط تولید اور بوڑھوں سے عدم التفات وہ برائیاں ہیں۔ جنہوں نے استحکام و سکون کو ختم کر دیا ہے اور دور حاضر کا انسان اکثر و بیشتر اخلاقی خوبیوں سے عاری دکھائی دیتا ہے۔[۱۰۲]

ایک کنبے اور خاندان کے بنیادی عناصر کو، ایک دوسرے رُخ سے دیکھا جائے تو ان کو اس طرح سے بیان کیا جا سکتا ہے۔

## گھر کے اندر پختہ تعلقات

اسلام میں تمام خاندانی تعلقات کی بنیاد خدا پرستی اور تقویٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''لوگو، اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے اور اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔''[۱۰۳]

## خاندان معاشرتی اقدار سے تعلق

معاشرہ خاندان کی اہمیت پر جتنا زیادہ زور دے گا، لوگ اتنا ہی زیادہ اپنے خاندانوں کو بنانے اور برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے۔ اگر معاشرہ بذات خود فاسد ہے، جس میں جنسی بے راہ روی بڑی حد تک پھیلی ہوئی ہے تو یہ کہنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ کوئی شخص بھی اپنے کندھوں پر ایسی کسی ذمہ داری کا بوجھ ڈالنا قبول نہیں کرے گا جس کا تقاضا ایک خاندانی زندگی کرتی ہے۔

## مغربی نظریات بمقابلہ اسلامی فکر

مغربی سوچ کا تعمیری مکتب فکر، اسلام کے تصور خاندان کے کافی قریب ہے۔ اس مکتب فکر کے چند نمائندہ لوگوں کے خاندان کی اہمیت کے متعلق افکار کچھ یوں ہیں۔

◉ جارج پیٹر مرڈاک (George Peter Murdock) اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خاندان، فرد اور معاشرہ دونوں کے لیے چار اہم خدمات سرانجام دیتا ہے ان میں سے پہلی یہ ہے کہ خاندان، شادی شدہ جوڑے کو جنسی اطمینان مہیا کرتا ہے اور اسے شادی سے باہر ممنوع اور محدود کر دیتا ہے۔

دوسری خدمت یہ ہے کہ پیدائش اولاد سے معاشرے کے افراد میں اضافہ ہوتا ہے۔

تیسری خدمت یہ ہے کہ یہ نئی نسل کو خاص سماجی قدروں اور روایات پر مبنی رفاقت سکھا تا ہے اور آخری یہ کہ خاندان نئی نسل کو معاشی معاملات میں تعاون کرنا سکھا تا ہے۔

◉ ٹالکوٹ پارسن (Talcott Parson) کا نظریہ انہی اصولوں کے قریب پایا جاتا ہے۔ ابتدائی رفاقت سازی یعنی بچے کو اس کی عمر کے ابتدائی تشکیلی برسوں میں معاشرے میں اشتراک عمل سکھانا، ٹالکوٹ کے نزدیک خاندان کے اہم وظائف میں سے ایک ہے۔ جس سے زندگی نہ صرف معاشرے کے کلچر کے دائرے میں آجاتی ہے بلکہ بچے کی شخصیت کی موثر ساخت وجود میں آتی ہے۔ خاندان کا دوسرا بڑا وظیفہ بڑی عمر کی شخصیات کو استحکام مہیا کرنا ہے۔ جہاں شادی شدہ جوڑے، ایک دوسرے کو جذباتی امداد فراہم کرتے ہیں اور روزمرہ زندگی کے دباؤ کے مقابلے میں مخالف مؤثر قوت بن کر زندگی کو توازن عطا کرتے ہیں۔

◉ برگٹ (Brigitte) اور پیٹر برگر (Peter Berger) بھی بچے کی فلاح، اخلاقی قدروں، معاشی کامیابی اور مذہبی عناصر کو خاندانی نظام زندگی کی برکات کا مرہون منت سمجھتے ہیں۔

◉ فران اینسلے (Fran Ansley)

یہ سمجھتی ہے کہ بڑی عمر کے افراد کا استحکام، اس کے سوا کچھ نہیں کہ بیوی اپنے شوہر کے مروجہ نظام کے خلاف مایوسیوں اور اس کے اثرات کو جذب کرنے کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔

◉ ڈیوڈ کوپر (David Cooper)

(مغرب میں مثبت سوچ کے حاملین کی تعداد بہت کم ہے جبکہ اکثر لوگ موجودہ تباہ حال معاشرے کی فکر کر کے ہم خیال ہی ہے) نے خاندان کو ایک فرد کی جکڑ بندی کا نظریاتی آلہ قرار دیا ہے جس میں لوگ اس بات کے سوا کچھ نہیں سیکھتے کہ ہر حال میں کیسے اطاعت گزار اور تابع فرمان رہنا ہے۔

◉ کرسٹائن ڈلفی (Christine Delphy) اور ڈیانا لیونرڈ (Diana Leonard) اس بات پر زور دیتی ہے کہ خاندان آبائی روابط کو برقرار رکھنے میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے جس کے اثرات وسیع سطح پر معاشرے میں بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک محنت کی تقسیم عورت کے لیے ایک جابرانہ رسم اور قانون ہے۔ کیونکہ سربراہ خانہ ہمیشہ مرد ہی ہوتا ہے، عورتوں کو ان کے کاموں کا معاوضہ کبھی نہیں ملتا، اگر عورتیں گھر سے باہر نوکری کریں تو انہیں گھر کے کام کی دوہری ڈیوٹی بھی دینی پڑتی ہے اور گھر کا مرد بطور سربراہ گھر کے دوسرے افراد پر ایسے اختیارات سے لطف اندوز ہوتا ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا۔

◉ چیشائر کالہون (Cheshire Calhoun) یہ کہہ کر شادی کو بالکل ٹھکرا دیتی ہے چونکہ آبائی روایتی شادیوں کے اندر خاندانی زندگی، عورت کے لیے مصائب سے بھری ہوئی ہے اس لیے انہیں کسی متبادل نفسی تعلق اور روابط کے لیے آزاد ہونا چاہیئے۔

◉ لاوارا ایم پرڈی (Laura M. Purdy) ماں بننے کے چلن کو مکمل طور پر مسترد کرتی ہے کیونکہ یہ عورت کو مزید دبانے اور خاندان کے ساتھ باندھ کر رکھنے کا ایک وسیلہ ہے۔ وہ کہتی ہے کہ بچے پیدا کرنے کے عمل کا بائیکاٹ کرنا چاہیئے، تاکہ تمام مردوں کو علم ہوجائے کہ حقوق نسواں کی تحریک کے رہنما اور قائدین عورت کو مکمل آزاد کروانے کے اپنے مطالبے میں بہت سنجیدہ ہیں۔"[۱۰۴]

یاد رہے کہ مذکورہ نظریات، تصورات اور افکار غیر فطری اور غیر حقیقی ہیں۔ روایتی تصورات، جنسی امتیاز کے ازدواجی کردار پر زور دیتے

ہیں جس میں کچھ کام شوہر کے لیے ہوتے ہیں اور کچھ کام بیوی کے لیے جدید نظریات مشترکہ ازدواجی کردار کا مؤقف اختیار کرتے ہیں جن کے مطابق نہ صرف بیویاں خود کو آزاد ثابت کرنے کے لیے گھر سے باہر نوکری کرتی ہیں بلکہ شوہر بھی لازماً گھر کے کام میں مشغول رہتے ہیں۔ جبکہ اسلام مرد وزن کا دائرہ کار متعین کرتا ہے۔ عورت کو گھریلو زندگی سے سرفراز کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ 105

''عورتیں گھروں میں ٹھہری رہیں''

اور مردوں پر معاشی واقتصادی اور دیگر ذمہ داریاں سونپتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ 106

''مرد عورتوں کے نگہبان ہیں''

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ 107

''جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں ذرائع اکتساب رزق تھام لو۔''

الغرض اسلام کا خاندانی سسٹم ایسا منظم ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی بھی معاشرے میں نہیں ملتی۔

⊙..........⊙..........⊙

# حوالہ جات

(۱) ابن منظور، افریقی:لسان العرب ،دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۸ء :۲۲۳/۴، الخرافی، عبدالمحسن عبد اللہ ،الموسوعة الأسرة، اللجتة الاستشارية العليا ، كويت ، الطبعة الأولى، ١٤٢٤هـ- ٢٠٠٣ء:۸۰/۱،کیرانوی، مولانا وحید الز مان: القاموس الاصطلاحی، ، دار الاشاعت ، کراچی، س ن:۵۳، فیروز الدین،مولوی، فیروز اللغات فارسی، فیروز سنز، لاہور،۱۹۷۳ء:۳۸۹/۱، علی حسن، پروفیسر، آیئنہ اردو لغت، خالد بک ڈپو، لاہور،۲۰۰۴ء:۲۶

(۲) لسان العرب:۷۶/۳

(۳) الخرافی، عبدالمحسن عبد اللہ ،الموسوعة الأسرة، اللجتة الإستشارية العليا ، كويت ، الطبعة الأولى، ١٤٢٤هـ- ٢٠٠٣ء:۸۰

(۴) التحریم:۳،القاموس الوحید: مادہ اُسر

(۵) کیرانوی، مولانا وحید الز مان: القاموس الوحید، ، إدارہ اسلامیات، لاھور، ۱۹۹۰ء مادہ اُسر

(۶) الفیروزآبادی، مجدالدين محمد بن يعقوب :القاموس المحيط، تحقيق:محمدنعيم العرقسوی، مؤسسة الرسالة، الطبعة الرابعة ، ١٤١٥هـ ١٩٩٤ء مادہ اُسر

(۷) الد ھر:۲۸

(۸) الطبرانی ،ابی القاسم سلیمان بن احمد ،وزارة الاوقاف ، عراق ،۱۴۰۰ھ-۱۹۸۰ء، موسوعة الأسر ہ:۸۰/۲

(۹) الطبرانی ،ابی القاسم سلیمان بن احمد ،وزارة الاوقاف ، عراق ، ۱۴۰۰ھ-۱۹۸۰ء، المعجم الکبیر:۲۶۷/۱

(۱۰) ابن فارس، أبو الحسن أحمد: معجم مقاييس اللغة ، تحقيق: عبدالسلام هارون، دار الفكر:۱۰۷/۱

(۱۱) لسان العرب 'اسر ':۷۷/۳

(۱۲) الأحزاب:۲۶

(۱۳) الدھر:۸

(۱۴) الإنفال:۶۷

(۱۵) الإنفال:۷۰

(۱۶) البقرة:۸۵

(۱۷) معجم لغة الفقهاء:۲۹۹/۱

(۱۸) طه:۱۰

(۱۹) الأحزاب:۳۳

(۲۰) هود:۴۶

(۲۱) هود:۸۱

(۲۲) العنكبوت:۳۳

(۲۳) الأعراف:۸۳

(۲۴) موسوعةالأسرة :۱/۳_۸۲

(۲۵) وزارة الأوقاف والشوؤن الاسلاميه ، كويت موسوعةالفقهيه الكويتيه ،۱۴۱۸ھ– ۱۹۹۷ء:۲۲۳/۴، تاج العروس:۱۳/۳

(۲۶) الزبيدى، محمدمرتضى :تاج العروس، دار الفكر، بيروت، ١٩٩٤ء:۱۳/۳،*موسوعة الفقهيه* :۲۲۳/۴

(۲۷) الدر المختار شرح تنوير الأبصار فى الفقه الحنفى مع حاشية ابن عابدين، دار الفكر، بيروت ، الطبعة الثانية ، ١٣٨٦ هـ:۴۵۲/۵ ،*الشعراء*:۲۶

(۲۸) New student's dictionary P:226.

(۲۹) *خالدرحمٰن، سلیم منصور، عورت خاندان اور ہمارا معاشرہ، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈی، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء:۴۷*

(۳۰) احمد حسن : جامع الاصول، مطبع مجتبائى ، لاهور طبع اول، ١٩٨٦ء:۱۲۱

(۳۱) النور:۳۲

(۳۲) النساء:۳

(۳۳) البخارى، محمد بن اسماعيل، صحيح البخارى، مكتبه دار السلام، رياض ، ١٩٩٧ء كتاب النكاح، باب قول النبىﷺ من استطاع منكم الباءة فليتزوج لأنه من لم يستطع الباءة فليصم:۱۹۰۵

(۳۴) ابن ماجه، ابو عبد الله بن يزيد القزوينى:سنن ابن ماجه، دار الفكر، بيروت،*كتاب النكاح*، باب ما جاء فى فضل النكاح:۱۸۴۶

(۳۵) الهيثمى، نو رالدين على بن أبى بكر :مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، تصوير دار الكتاب العربى، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٤٠٢ هـ:۱۷۸/۲

(۳۶) سنن الترمذى، ابو عيسى محمد بن عيسى:جامع الترمذى، دار السلام، الرياض ، الطبعة الاولى، ١٤١٧ هـ،*كتاب فضائل الجهادعن رسول الله ﷺ*، باب ما جاء فى المجاهد والناكح والمكاتب وعون الله:۱۶۵۵

(۳۷) بنی اسرائیل:۳۲

(۳۸) النور:۲

(۳۹) مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح المسلم، مکتبہ دار السلام، ریاض، ۱۹۹۷ء ،:۶۹۸

(۴۰) النساء:۲۳۔۲۴

(۴۱) النساء:۲۴۔۲۵

(۴۲) النساء:۳۴

(۴۳) الاحزاب:۳۳

(۴۴) النساء:۳۴

(۴۵) الطبری، ابی جعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آي القرآن (تفسیر طبری)، دار السلام، القاهره، ۱٤۲۹ه-۲۰۰۸م:۵۹/۴

(۴۶) تفسیر الطبری:۶۰/۴

(۴۷) تفسیر طبری:۶۰/۴

(۴۸) تفسیر الطبری:۶۰/۴

(۴۹) ابن کثیر، ابو الفداء، اسماعیل دمشقی: تفسیر ابن کثیر، المکتبة المؤسسة الریان، الطبعة الاولیٰ، ۱٤۱٦ ھـ:۶۴۱/۱، *صحیح بخاری، کتاب النکاح*، باب قول الله تعالی الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض:۴۴۲۵

(۵۰) البیضا وی، ناصر الدین ابو الخیر، تفسیر البیضاوی، وزارة تعلیم، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء:۳۴

(۵۱) الحمیدی، عبد العزیز بن عبد الله، تفسیر ابن عباس، جامعة أم القریٰ، مکة مکرمة، س ن:۳۴

(۵۲) زمخشری، ابی القاسم محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون التاویل (تفسیر الکشاف)، انتشارات آفتاب، ایران:۵۲۳/۱

(۵۳) الاحزاب:۳۳

(۵۴) صحیح بخاری بحاشیة السندی ۵۷/۳، *لسان العرب* ۸۲/۵

(۵۵) صحیح بخاری بحاشیة السندی ۵۷/۳، اسدالغابه فی معرفة الصحابه ۳۹۹/۵-۴۰۰

(۵۶) سنن ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی کراهیةالدخول:۱۰۹۳، *عورت قرآن وسنت اور تاریخ کے آئینے میں*:۲۴۸

(۵۷) ابن خزیمه السلمی، محمد بن اسحاق بن خزیمه: صحیح ابن خزیمة، تحقیق: محمد الأعظمی، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱٤۰۰ھـ، باب جماع أبواب صلاة النساء فی

الجماعة:۱۶۸۵/۳، صحیح ابن حبان کتاب الحضر والإباحة، باب ذکر الأمر للمرأة بلزوم قعربیتها لأن ذلك خير لها عند الله جل وعلا:۵۵۷۰/۷

(۵۸) صحیح بخاری، کتاب الأحکام، باب قول الله تعالى أطيعوالله وأطيعو الرسول وأولى الأمر منكم:۸۱۳۸

(۵۹) صحیح بخاری، کتاب الأحکام،باب قول الله تعالى أطيعوالله وأطيعو الرسول وأولى الأمر منكم:۸۱۳۸

(۶۰) سنن أبو داؤد، سليمان بن أشعث السجستانی:سنن ابو داود، المكتبة الاثریه، باکستان، الطبعة الثانية، ۱۳۹۹ ھ، کتاب الطلاق،باب من أحق بالولد:۲۲۷۶

(۶۱) الغزالی ، ابو حامد، مكاشفة القلوب، دار الكتب العليمة، بیروت،۱۹۹۲ء:۲۶۳

(۶۲) سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب النظر إلى المرأة إذا أراد أن يتزوجها:۵۷۱۸

(۶۳) Standard Jewish Encyclopaedia:962

(۶۴) البیهقی، أبی بکر أحمد بن حسین، الجامع شعب الإيمان، دار الكتب العلمية، بيروت، ۱٤۱۰ھ ـ ۱۹۹۰ء الطبعة الأولىٰ

(۶۵) کرم شاہ، محمد،ضیاء القرآن،ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور،۱۹۸۲ء،۳۲۳/۱

(۶۶) اصلاحی، امین احسن، اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۱۷ھ - ۱۹۹۶ء:۱۱۲

(۶۷) علم الفرائض والمواريث في الشريعة الإسلامية والقانون السعودی:۸

(۶۸) شاه ولى الله ، حجة الله البالغة، إدارة الطباعة االمنيرية، القاهره،۱۹۳۲ء:۵۱۶/۲ـ۵۳۰

(۶۹) فرید وجدی آفندی، مترجم: ابوالکلام آزاد، مسلمان عورت، المکتبہ الاثریہ، سانگلہ ہل، س ن:۱۲

(۷۰) موسوعه الاسرة:۳۳/۳

(۷۱) الروم:۲۱

(۷۲) موسوعة الأسرة:۳۵/۳

(۷۳) المائده:۲

(۷۴) صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القرى والمدن:۸۹۳

(۷۵) البقره:۶۰

(۷۶) النساء:۱

(۷۷) ابوالاعلیٰ مودودی،تفہیم القرآن،ترجمان القرآن، لاہور،۱۹۷۳ء:۳۱۹/۱

(۷۸) جامع البيان فی تاویل القرآن:۵۶۵/۳

(۷۹) البقره:۳۰ تا۳۶

(۸۰) آل عمران:۵۹

(۸۱) جامع البیان فی تاویل القرآن: ۵۶۶/۳
(۸۲) جامع البیان فی تاویل القرآن: ۵۶۶/۳
(۸۳) جامع البیان فی تأویل القرآن:۵۶۶/۳
(۸۴) المائدہ:۲۷
(۸۵) جامع البیان فی تأویل القرآن: ۵۲۹/۴
(۸۶) ھود:۴۰-۴۲
(۸۷) البقرہ:۱۲۷
(۸۸) آل عمران:۸۴
(۸۹) صحیح البخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، باب قول اللہ واتخذ اللہ إبراھیم خلیلا:۳۳۶۴
(۹۰) صحیح البخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، باب قول اللہ واتخذ اللہ إبراھیم خلیلا: ۳۳۶۵
(۹۱) القصص:۲۰تا۳۰
(۹۲) یوسف:۴
(۹۳) المبارکفوری، صفی الرحمن، مکتبہ سلفیہ، لاھور، الرحیق المختوم:۴۸
(۹۴) عورت خاندان اور ہمارا معاشرہ:۱۳۹
(۹۵) الحجرات:۱۳
(۹۶) تفہیم القرآن، ۳۱۹/۳-۳۴۳
(۹۷) Benson-Religion in Contemporary Cultures, Ch:10,P :777
(۹۸) New Yark Magazine,P:611
(۹۹) عورت، خاندان اور ہمارا معاشرہ:۶۹-۷۰
(۱۰۰) نظام الأسرۃ:۳۰-۳۵
(۱۰۱) اسلام کا معاشرتی نظام:۸۷
(۱۰۲) خالدعلوی، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل اردو بازار، لاہور: ۸۷-۹۰
(۱۰۳) النساء:۱
(۱۰۴) عورت، خاندان اور ہمارا معاشرہ'': ۵۲، ۵۳، ۵۴
(۱۰۵) الأحزاب:۳۳
(۱۰۶) النساء:۳۴
(۱۰۷) الجمعہ:۱۰

# باب دوم

# نکاح وطلاق

# فصل اول

اسلام میں نکاح کی قانونی حیثیت

نکاح کا مقصداور ضرورت

نکاح کا اسلامی طریقہ

# اسلام میں نکاح کی قانونی حیثیت

چونکہ اسلام کی رو سے خاندان کی تشکیل ایک خاص شرعی رسم سے ہوتی ہے جو انسان کی دوصنفوں (مرد وزن) کے مابین انجام پاتی ہے۔جنہیں نکاح کے بعد'زوجین' کہا جاتا ہے۔لہٰذا سب سے پہلے نکاح کی قانونی حیثیت کی وضاحت ضروری ہے۔

نکاح کا مروجہ سیکولر تصور صرف ایک'سماجی معاہدہ' کا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں برطانوی سامراج کے رائج کردہ قانونی و عدالتی نظام کے تحت دوسو سال سے عدالتیں فیصلہ کرتی رہی ہیں اور وہ فیصلے نظائر کی صورت میں ہمارے ہاں موجود ہیں۔اس لئے ان دوسو سال پر محیط اکثر عدالتی فیصلوں کی روشنی میں عام ذہن یہ پایا جاتا ہے کہ نکاح مرد اور عورت کے درمیان صرف ایک آزادانہ معاہدہ کا نام ہے حالانکہ اسلام اور دیگر الہامی مذاہب اس تصور کو قطعاً قبول نہیں کرتے۔ اسلام میں نکاح کو دو خاندانوں کا اجتماع قرار دیا گیا ہے اور نکاح خاندان میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب بھی باوجود اپنی رسوم نکاح مختلف ہونے کے خاندان کی اہمیت پر متفق ہیں۔[1]

حتیٰ کہ سیکولرزم بھی یہ تسلیم کرتا ہے کہ اسے مختلف مذاہب کی رسومات (یعنی بچہ کی ولادت، نکاح وطلاق اور موت و حیات وغیرہ کی رسومات شامل ہیں) میں زیادہ دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔

## نکاح اور معاہدہ میں فرق

نکاح کا اسلامی تصور اور سماجی معاہدہ دو مختلف تصورات ہیں۔جن کا فرق سمجھنے کے لئے درج ذیل نکات پیش خدمت ہیں۔

- تمام امت کا اجماع ہے کہ نکاح ایک''سماجی معاہدہ''نہیں بلکہ ایک شرعی حکم ہے لہٰذا نکاح کی جملہ تفصیلات اور ان کی شرعی حیثیت اسلام واضح کرتا ہے۔نکاح کے امر شرعی ہونے پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے جیسا کہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

وأجمع المسلمون على ان النكاح مشروع[2]

''تمام مسلمانوں کا نکاح کے شرعی امر ہونے پر اجماع ہے۔''

اجماع ایک قانونی اصطلاح ہے جس سے اختلاف کی چنداں گنجائش نہیں ہے۔

- نکاح مختلف صورتوں میں واجب،سنت یا مستحب ہے جبکہ معاہدہ ایک اختیاری معاملہ ہے
- تمام علماء عظام اور ائمہ کرام''نکاح''کے امر شرعی ہونے پر تو متفق ہیں البتہ اس کے وجوب، استحباب،اباحت اور سنت ہونے کے حوالے سے مختلف نقطہ ہائے نظر رکھتے ہیں۔احناف کے نزدیک نکاح سنت مؤکدہ ہے،شافعیہ کے نزدیک نکاح مباح اور امام شوکانی رحمہ اللہ کی وضاحت کے مطابق محدثین کا ایک گروہ، نکاح کے استحباب اور ایک وجوب کا قائل ہے۔[3]
- نکاح نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«وأرقد وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني»[4]

''میں سوتا بھی ہوں، میں نے عورتوں سے نکاح بھی کئے ہیں، پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔''

اور آپ ﷺ نے فرمایا: چار چیزیں تمام انبیاء کی سنت ہیں ؛شرم،عطر لگانا،مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔[5]

◉ اسی طرح امام شوکانی رحمہ اللہ (م ۱۲۵۵ھ ) رقمطراز ہیں:

"ویجب علی من خشی الوقوع فی المعصیه"[6]

''نکاح کرنا، ہراس شخص پر واجب ہے جسے معصیت کے ارتکاب کا خوف ہو۔''

علاوہ ازیں سید امیر علی رحمہ اللہ، سورۃ نور کی آیت ۳۲ کے تحت، نکاح کے حکم کے بارے میں اس انداز سے بحث کرتے ہیں:

''واضح ہو کہ أنکحوا صیغہ امر ہے اور وہ کبھی وجوب کے لئے ہوتا ہے اور یہ اصل ہے اور کبھی استحباب کے لئے جبکہ قرینہ ہو۔ پس یہاں کلام ہے کہ یہ حکم کس قسم کا ہے۔ بعض نے کہا کہ واجب ہے اور بعض نے کہا کہ مستحب ہے اور بعض نے بہت ہی نزول کیا کہ یہ امر مباح ہے۔ شیخ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا کہ ایک جماعت علماء کا مذہب ہے کہ نکاح واجب ہے ہر ایسے شخص پر جو نکاح کی قدرت رکھتا ہو۔ اقوال قدرت میں سے یہ کہ مہر کی اور نان نفقہ کی اور حقوق ادا کرنے کی قدرت ہو تو واجب ہے اور دلیل ان کی ظاہر قولہ علیہ السلام یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج۔ الحدیث ''یعنی اے گروہ شباب جو تم میں سے قدرت رکھتا ہو وہ تزوج کرلے کیونکہ نکاح خوب ڈھانپنے والا نظر کا اور بڑھ کر محفوظ کرنے والا فرج کا ہے اور جس کو استطاعت نہ ہو تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے یہی اس کے لئے خصی ہونا ہے''۔[7]

◉ نکاح کی بنیاد اجر وثواب پر ہے جبکہ معاہدہ کی بنیاد متاع دنیوی پر ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نکاح نہ صرف انبیاء کی سنت ہے بلکہ اس پر اجر و ثواب بھی ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے

"وفی بضع أحدکم صدقة ، قالوا: یارسول اللهﷺ یأتی أحدنا شهوته ویکون له فیها أجر ، قال: أرء یتم لو وضعها فی حرام أکان علیه فیه وزر فکذلك إذا وضعها فی الحلال کان له أجر"[8]

◉ نکاح کے آداب میں مرد و زن دونوں کو خاندان (قلعہ بنانے) میں شریک کار رکھا گیا ہے جس کا مقصد محض جنس پرستی نہیں۔ بلکہ خاندانی قلعہ کی تعمیر ہے گویا اگرچہ جنسی تسکین کا حصول ایک لازمی امر ہے لیکن مقصد بہرحال خاندان کی تشکیل ہے جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔

◉ مرد و زن کے درمیان 'نکاح' کا تعلق قائم کرنے کے لئے مرد کو 'محصنین' (قلعہ میں لانے والے) اور عورت کو 'محصنت' (قلعہ بند) کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔

◉ نکاح کو قلعہ (حصن ) سے تعبیر کرکے اسلام کے خاندانی تصور کی بنیاد واضح کی گئی ہے۔

◉ نکاح کو قلعہ قرار دے کر تاکیداً غیر مسافحین یا غیر مسافحة کے الفاظ سے مرد و زن دونوں کو نہ صرف جنس پر اکتفا کرنے کے ارادہ سے منع کر دیا گیا بلکہ اس کی وہ بنیاد بھی ختم کر دی جو معاشقہ کے بعد نکاح کرنے کی صورت میں خرابی کا باعث ہوتی ہے۔ لہٰذا عربی زبان کا لفظ 'خدن' جس کی جمع 'اخدان' قرآنی استعمال کے مطابق عاشق ومعشوق کے لئے مستعمل ہے۔

◉ قرآن مجید میں عورت کے لئے تین مقامات پر لفظ "مُحْصِنٰتٍ" استعمال ہوا ہے اور تینوں جگہ اس سے مختلف معانی مراد ہیں سورۃ المائدہ میں ''آزاد بے خاوند عورت'' سورہ نساء آیت پچیس میں ''لونڈی بے خاوند'' جبکہ سورہ نساء ہی کے شروع میں ''شادی شدہ عورت'' کے لئے مستعمل ہے۔

الغرض شادی سے پہلے یا بعد عورت آزاد ہو یا لونڈی، اس کے لئے لفظ محصنت (قلعہ بند) کا استعمال یہ بتاتا ہے کہ اسلام میں عورت (شریف زادی) ہر حال میں خاندان کی حفاظت میں رہتی ہے۔ شادی سے پہلے والدین کی حفاظت میں جبکہ بعد میں خاوند کی حفاظت میں۔ لہذا جو عورت اس طرح حفاظت میں نہ ہو وہ آوارگی کے زمرے میں آتی ہے اور آوارہ عورتوں کے شرعی احکام علیحدہ ہیں۔ مثلاً ان کے نکاح مومنوں سے حرام ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [9]

''آوارہ عورتیں مومنوں پر حرام ہیں۔''

جبکہ اس کے برعکس مغرب اپنی پوری سائنسی اور ٹیکنیکل ترقی کے باوجود 'وحی' کی روشنی سے محرومی کے باعث اب تک انسان کو عام جانور باور کرتے ہوئے نکاح کا مقصد صرف جنسی تسکین ہی قرار دیتا ہے۔ حالانکہ انسان کی نفسیات جانور سے قطعاً مختلف ہے۔ عام جانوروں کا نہ صرف جنسی تعلق وقتی ہوتا ہے بلکہ بچوں سے محبت بھی محدود وقت کے لئے ہوتی ہے جبکہ دو انسانوں کی بذریعہ نکاح مستقل طور پر باہمی وابستگی، ارادتاً رفیق حیات بننا، باہمی تعاون، اولاد و والدین اور اعزہ واقارب سے تعلق اور خاندانی رشتوں میں منسلک ہونا وغیرہ، یہ وہ اوصاف ہیں جن سے معاہدہ اور نکاح کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔

- عارضی یا مدت مخصوصہ کے لئے نکاح کرنا حرام ہے جبکہ معاہدہ ہوسکتا ہے۔

چونکہ نکاح کا مقصد خاندان کی تشکیل ہے لہذا مدت مخصوصہ کے لئے نکاح کرنا، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"أن النبیﷺنهی عن المتعة و عن لحوم الحمر الأهلية زمن خيبر" [10]

''بے شک نبی ﷺ نے خیبر کے زمانہ میں متعہ اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا۔''

اسی طرح ربیع بن سبرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

"أنه كان مع رسول اللهﷺفقال يأيها الناس إنی قد كنت آذنت لكم فی الاستمتاع من النساء وإن الله قد حرم ذلك إلی يوم القيمه فمن كان عنده منهن شیء فليخل سبيله ولاتأخذوا مما آتيتموهن شيئا" [11]

''کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ نے فرمایا: اے لوگو، میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کی اجازت دی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے۔ اب جس کے پاس ایسی کوئی عورت ہو، اسے چاہیے کہ اسکا راستہ چھوڑ دے۔ اور جو کچھ انہیں دیا ہے ان سے واپس نہ لو۔''

- نکاح میں مخالف جنس کا ہونا شرط ہے جبکہ معاہدہ میں ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَتَأْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُوْنَ﴾ [12]

''کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہاری بیویوں میں تمہارے رب نے تمہارے لئے جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھوڑ دیتے ہو بلکہ تم لوگ تو حد سے ہی گزر گئے ہو۔''

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ ۱۳؎

''جو عورتیں تمہیں پسند آئیں، ان میں سے دو دو، تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو، لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔''

مذکورہ بالا دونوں آیات میں ہم جنس سے تعلق نکاح کی مذمت کی گئی ہے اور مخالف جنس سے نکاح کی ترغیب دی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا اس فطری قانون کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے اس سے برعکس معاملہ غیر فطری ہے لہٰذا انہی دنوں امریکہ میں ایسے بل کا مسودہ تیار کر لیا گیا ہے کہ نکاح لازماً دو مختلف جنسوں کے مابین ہی ہونا چاہئے۔ یہ بل جلد ہی سینٹ سے پاس کروا لیا جائے گا۔۱۴؎

◉ نکاح صرف غیر محرم سے ہو سکتا ہے جبکہ معاہدہ اس قید سے مبرا ہے

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ ۱۵؎

''تم پر حرام کی گئی تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہے۔ ان بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا تعلق زن وشو ہو چکا ہو۔ ورنہ اگر (صرف نکاح ہوا ہو اور) تعلق زن وشو نہ ہوا ہو تو (انہیں چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں) تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب سے ہوں، اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو، مگر جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

اس آیت کا ماحاصل یہ ہے کہ نکاح کوئی عام معاہدہ نہیں جو صرف فریقین کی رضا مندی کے بعد استوار کیا جا سکتا ہو اگر ایسا ہوتا تو ماں اور بیٹے، باپ اور بیٹی کے درمیان بھی جائز ہوتا حالانکہ ایسا کسی مذہب میں بھی جائز نہیں۔ اسلام میں سترہ رشتے ایسے ہیں جن کا آپس میں نکاح حرام ہے۔۱۶؎

◉ خفیہ نکاح کرنا منع ہے جبکہ معاہدہ خفیہ بھی ہو سکتا ہے۔

موطا امام مالک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ درج ہے:

" ان عمرؓ بن الخطاب أتى بنكاح لم يشهد عليه إلا رجل وامرأةفقال هذا نكاح السر ولا اجيزه ولو كنت تقدمت فيه لرجمت" ۱۷؎

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسا نکاح لایا گیا جس پر صرف ایک مرد اور ایک عورت گواہ تھے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ خفیہ نکاح ہے، میں اس کی اجازت نہیں دوں گا، اگر تو اسے میرے پاس نہ لاتا تو میں تجھے رجم کر دیتا۔''

اور اسی طرح ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا اپنے نکاح کا واقعہ بیان کرتی ہیں:

"فجعلت جويريات لنا يضربن بالدف ويند بن من قتل من آبائي يوم بدر إذ قالت احداهن: وفينا نبي يعلم ما في غد فقال: دعي هذه وقولي بالذي كنت تقولين" ۱۸؎

''چھوٹی چھوٹی بچیاں دف بجانے لگیں اور بدر کے دن شہید ہونے والے آباؤ اجداد کی تعریف کرنے لگیں۔ اچانک ایک بچی نے کہا: ہم

میں ایسا نی ہے جو کل کی بات بھی جانتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو۔اور جو تم پہلے کہہ رہی تھیں وہی کہو۔''

اسی طرح سورہ مائدہ میں نکاح کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہے:

﴿مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمٰنِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ۱۹

''اور محفوظ عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں بشرطیکہ تم انکو مہر ادا کر کے نکاح میں لاؤ ان کے محافظ بنو، نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو یا چوری چھپے آشنائیاں کرو۔اور جو کسی نے ایمان کی روش پر چلنے سے انکار کیا تو اسکا سارا کارنامۂ زندگی ضائع ہو جائیگا اور وہ آخرت میں دیوالیہ ہو گا۔''

اسی آیت کی تفسیر میں ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جہاں تک 'متخذی أخدان' کا تعلق ہے۔تو یہ وہ مرد وعورت ہیں جو پوشیدہ دوستی لگانیوالے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔'' ۲۰

مزید برآں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«فصل بين الحلال والحرام الدف والصوت في النكاح» ۲۱

''حلال اور حرام نکاح میں فرق، اعلان کرنا اور دف بجانا ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے بیان کرتی ہیں:

«اعلنوا هذا النكاح» اس نکاح کا اعلان کیا کرو۔ ۲۲

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''نکاح کا اعلان کرو اور شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔'' ۲۳

◉ نکاح میں ترجیحاً فریقین (مرد وعورت) کا مسلمان ہونا ضروری ہے جبکہ معاہدہ میں ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔

اسلامی شریعت میں نکاح کے لئے ترجیحاً فریقین (مرد وعورت) کا مسلمان ہونا ضروری ہے البتہ مسلمان مرد کتابی عورت سے نکاح کر سکتا ہے جبکہ مسلمان عورت کا نکاح صرف مسلمان مرد سے ہی ہوسکتا ہے، کتابی مرد سے نہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ ۲۴

''یعنی تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں ایک مومن لونڈی مشرک شریف زادی سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو۔اور اپنی عورتوں کے نکاح مشرک مردوں سے کبھی نہ کرنا، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ایک مومن غلام مشرک شریف سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو۔ یہ لوگ تمہیں آگ کیطرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے تم کو جنت اور مغفرت کیطرف بلاتا ہے۔اور وہ اپنے احکام واضح طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے، توقع ہے کہ وہ سبق لیں گے اور نصیحت قبول کریں گے۔''

◉ نکاح اور معاہدہ کی شرائط مختلف ہونا۔نکاح میں مرد وعورت کے مابین شرائط میں برابری ضروری نہیں، جبکہ معاہدہ برابری کی سطح پر ہوتا ہے۔

- نکاح میں عورت کے لئے ولی مرشد کا ہونا شرط ہے جبکہ معاہدہ میں نہیں۔
- مہر صرف مرد پر لازم ہے اور نکاح کے بعد بیوی کا نان نفقہ اور گھریلو اخراجات بھی اس کے ذمہ ہیں جبکہ معاہدہ میں ایسا نہیں۔
- نکاح کے لئے دو عادل گواہوں کی موجودگی ضروری ہے جبکہ معاہدہ میں ایسا نہیں۔
- نکاح میں کفو (Status) بڑی اہمیت رکھتا ہے جبکہ معاہدہ میں نہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نکاح محض معاہدہ نہیں کہ جس طرح پسند ہوا طے کر لیا، بلکہ یہ ایک شرعی حکم ہے۔ جس کے ایک ایک جز کی شرعی طور پر تفصیل اور وضاحت موجود ہے۔ جنہیں ملحوظ خاطر رکھے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

# نکاح کا مقصد اور ضرورت

انسانی فطرت ہے کہ دنیا کا کوئی بھی ادارہ یا فرد جب کسی کام کا آغاز کرتا ہے تو اس کے اغراض ومقاصد کا تعین کرتا ہے مزید برآں اسکی حکمتوں، فوائد وثمرات، خامیوں اور خوبیوں الغرض مستقبل کے تمام نتائج کو مدنظر رکھتے ہوئے ابتدا کرتا ہے تاکہ پیش آمدہ خطرات سے بچا جاسکے اور اس کام کو احسن انداز سے پایہ تکمیل تک پہنچایا جاسکے۔ فریقین کا عقد نکاح میں آنا بھی چونکہ ایک اہم ادارہ (خاندان) کی بنیاد بنتا ہے لہٰذا نکاح کے مقاصد کا جاننا بھی ازحد ضروری ہے اسی لئے نکاح کے بہت سارے مقاصد میں سے چندایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

## دین وایمان کی اکملیت

نکاح کا بنیادی مقصد تکمیل ایمان ہے۔ گویا شادی کرنا عبادت ہے جس سے انسان اپنے نصف دین کو مکمل کرتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إذاتزوج العبد فقد استكمل (كمل)نصف الإيمان فليتق الله فى النصف الباقى»[٢٥]

''جب بندہ شادی کرلیتا ہے تو اس کا نصف ایمان مکمل ہوجاتا ہے، پس باقی نصف ایمان کے بارے میں اسے اللہ سے ڈرنا چاہیے۔''

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«من رزقه الله امرا ء ة صالحة فقد أعانه الله على شطر دينه فليتق الله فى الشطر الثانى»[٢٦]

''جسے اللہ کریم نیک بیوی عطا کردے تو اس نے اسے نصف دین پر مدد دی اسے چاہیے کہ باقی نصف میں بھی اللہ سے ڈرے۔''

صاحب فیض القدیر اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ (اللہ نے) تقوی کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے شادی کرنے کے ساتھ نصف تقوی حاصل ہوجاتا ہے اور باقی نصف اس کے علاوہ ہے۔

ابوحاتم فرماتے ہیں کہ آدمی اپنے بطن اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت پر کاربند ہوتا ہے۔ اور شادی ونکاح سے میاں، بیوی ان دونوں کی حفاظت کرسکتے ہیں۔[٢٧]

## افراد گھر کی تربیت

بسا اوقات نکاح کا مقصد گھر کے افراد کی تعلیم وتربیت اور ادب وتأدیب ہوتا ہے۔

جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد میں اپنے باپ کی شہادت کے بعد ایک بیوہ عورت سے شادی کرنے کی وجہ بیان کی ہے۔ جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے مختلف مقامات پر ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

عن جابر بن عبد الله رضى الله عنه قال هلك أبى وترك سبع بنات اوتسع بنات فتزوجت امرأة ثيبا فقال لى رسول الله ﷺ تزوجت ياجابر فقلت نعم فقال: أبكراً أم ثيباً قلت بل ثيباً قال: فهلا جارية تلاعبها وتلاعبك وتضاحكها وتضاحكك قال فقلت له أن عبدالله هلك وترك بنات وانى كرهت ان

اجيئهن بمثلهن فتزوجت امرأة تقوم عليهن وتصلحهن فقال بارك الله لك أو قال خيراً"۲۸

''حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ میرے باپ فوت ہوگئے اور سات یا نو بیٹیاں پیچھے چھوڑ گئے ۔تو میں نے (مناسب سمجھتے ہوئے) بیوہ عورت سے شادی کر لی تو مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے جابر تو نے شادی کر لی ہے میں نے کہا ہاں! آپ ﷺ نے پوچھا کنواری سے یا ثیبہ سے؟ کہا ثیبہ سے۔فرمایا: تو نے کنواری سے کیوں نہیں شادی کی تو اس کے ساتھ کھیلتا اور وہ تیرے ساتھ کھیلتی اور تو اس سے ہنستا اور وہ تیرے ساتھ ہنستی مسکراتی ۔حضرت جابر ؓ نے جواب دیا (میرے والد) عبداللہ فوت ہوگئے اور اپنی بیٹیاں چھوڑ گئے ۔میں نے پسند نہیں کیا کہ میں ان کی طرح کی عورت سے شادی کروں ۔اس لیے میں نے اس عورت سے شادی کی ہے جو ان کی حفاظت کرے۔اور اصلاح کرے تو فرمایا: اللہ تعالی آپ کے لیے برکت کرے یا فرمایا: اچھی بات ہے۔

یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے ''دلائل النبوۃ'' میں ہے کہ حضرت جابر ؓ نے فرمایا کہ میرے باپ جنگ احد میں شہید ہوگئے تھے ان کی سات بیٹیاں تھیں میں نے ثیبہ عورت سے اس لیے شادی کی ہے تا کہ وہ ان (میری بہنوں) کی کنگھی کرے، ان کی حفاظت کرے اور ان کے کپڑے دھوئے ۔تو آپ ؓ نے فرمایا آپ نے بہت اچھا کیا۔۲۹

گویا گھر کے ممبران کی حفاظت ونگہبانی اور تعلیم وتأدیب بھی مقاصد نکاح میں سے ایک ہے۔

## سنت رسول ﷺ پر عمل

نکاح کا دوسرا بنیادی مقصد رسول اللہ ﷺ کی سنت مطہرہ پر عمل پیرا ہونا ہے۔امت مسلمہ تو درکنار غیر مسلموں کے ہاں بھی رسول اللہ ﷺ کی حیثیت مسلم ہے اور نبی اکرم کی حیات طیبہ ہمارے لیے ماڈل اور نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے تو بعض لوگ شادی ونکاح کی خواہش نہ رکھتے ہوئے بھی اس لیے نکاح کر لیتے ہیں کہ یہ حضور نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔

مقصد نکاح کی وضاحت، نبی کریم ﷺ کے الفاظ میں اس طرح ہے:

"عن أنسؓ أن نفراً من اصحاب النبی ﷺ سألوا أزواج النبی ﷺ عن عمله فی السر فقال بعضهم لاأتزوج النساء وقال بعضهم لا آكل اللحم وقال بعضهم لا أنام على فراش فحمد الله وأثنى عليه فقال مابال أقوام قالوا كذاوكذا لكنی أصلی وأنام وأصوم وأفطر وأتزوج النساء فمن رغب عنی سنتی فليس منی"۳۰

''حضرت انس ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کے صحابہ کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات سے نبی کریم ﷺ کے خفیہ اعمال کے بارے میں سوال کیا ان میں بعض نے کہا میں شادی نہیں کروں گا اور بعض نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور کسی نے کہا کہ میں آج کے بعد آرام نہیں کروں گا تو آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا میں نماز بھی پڑھتا ہوں ،سوتا بھی ہوں اور روزہ رکھتا بھی ہوں ،افطار بھی کرتا ہوں میں نے عورتوں سے شادی بھی کی ہے (خبردار) جس نے میری سنت سے روگردانی کی تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

اسی طرح حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چار چیزیں انبیاء کی سنت ہیں:

① حنا (مہندی) ② عطر ③ مسواک ④ نکاح۳۱

## جنسی خواہشات وآلودگی ،جنسی ہیجان اور شیطانی خیالات وافعال سے تحفظ

بلا شبہ جنسی خواہش، تمام خواہشات انسانیہ پر حاوی ہے جو کہ فرد سے تکمیل وتسکین کا تقاضا کرتی ہے اور اگر اسے اسباب تسکین مہیا نہ

کیے جائیں تو وہ نہ صرف فرد کو شدید قلق واضطراب میں مبتلا کر دیتی ہے بلکہ بسا اوقات ہلاکت کی اتھاہ گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے پر مجبور کر دیتی ہے۔اور اس کی تکمیل کا فطری اور عمدہ ترین ذریعہ نکاح ہے جس سے حواس خمسہ کی افزائش کے ساتھ ساتھ نظر حرام سے بچ جاتی ہے اور دل حلال پر قانع ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"إن المرأة تقبل فی صورة شیطان وتدبر فی صورة شیطان فإذا أبصر أحدکم امرأة فلیأت أهله فإن ذلك یرد ما فی نفسه"۳۲

''عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے جب تم میں سے کسی کو ایسی عورت نظر آئے جو اسے اچھی لگے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے اہل کے پاس آئے۔ یہ عمل اس چیز کو ختم کر دے گا جو اس کے نفس میں ہے۔''

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿نِسَاءُ كُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ﴾ ۳۳

''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تمہیں اختیار ہے جس طرح چاہو، اپنی کھیتی میں جاؤ، مگر اپنے مستقبل کی فکر کرو۔''

مذکورہ مضمون کی مؤید، یہ حدیث ملاحظہ فرمائیے:

"إذا أحدکم اعجبته المرأة فوقعت فی قلبه فلیعمد إلی امرأته فلیواقعها فإن ذلك یرد مافی نفسه"۳۴

''آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت خوبصورت اور اچھی محسوس ہو آپ کے دل میں خواہش پیدا ہو تو آپ اپنی بیوی کے پاس جائیں اور اس سے اپنی خواہش پوری کریں پس یہ عمل اس چیز کو ختم کر دے گا جس کی آپ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی ہے۔''

الغرض مسلم نوجوانوں کے لئے جنسی خواہش کی تسکین کا واحد ذریعہ نکاح ہے جو کہ خاندان ومعاشرہ کی بقا کا ضامن بھی ہے اور جنسی خواہش کی تکمیل بھی اس کا بنیادی مقصد ہے۔

## تکاثر اسرہ وامت

نکاح کا ایک بڑا مقصد کثرت نسل ہے شادی عمدہ اولاد کا بہترین ذریعہ ہے اس سے نسل زیادہ ہوتی ہے زندگی کا تسلسل رہتا ہے ان اسباب کی محافظت بھی ہوتی ہے جن کی سرپرستی اسلام نے بڑے عمدہ طریقے سے کی ہے۔

امت محمدیہ قیامت کے دن سب امتوں سے بڑی ہوگی اور اس پر ہمارے پیغمبر فخر کریں گے ہمارے لیے یہی حکم ہے کہ امت میں اضافے کی فکر کریں ایسی عورتوں سے شادی کریں جن سے بکثرت نسل پھیلے بلکہ مرد کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں گی اور سب سے اولاد ہو تو مرد کی نسل کس قدر زیادہ ہوگی کم از کم چار گنا زیادہ بنسبت اس شخص کے جس کی صرف ایک ہی بیوی ہو۔

نکاح کے اس مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جاء رجل إلی النبی ﷺ فقال أنی أصبت إمرأة ذات حسب وجمال وإنها لاتلد أفأتزوجها؟ قال لا ثم أتاه الثانیة فنهاه ثم أتاه الثالثة فقال تزوجوالودود الولود فانی مکاثر بکم الأمم"۳۵

''ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا 'ایک خوبصورت اور حسب ونسب والی عورت ہے لیکن اس کے ہاں اولاد نہیں ہوتی کیا میں اس سے نکاح کرلوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''نہ کرو'' پھر وہ دوسری مرتبہ حاضر ہوا آپ ﷺ نے فرمایا ''نہ کرو'' پھر وہ تیسری

مرتبہ (اجازت لینے) حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''محبت کرنے والی اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورت سے شادی کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ألنكاح من سنتي فمن لم يعمل بسنتي فليس مني وتزوجوا فإني مكاثر بكم الأمم:ومن كان ذا طول فلينكح ومن لم يجد فعليه بالصيام فان الصوم له وجاء''۳۶

''نکاح کرنا میری سنت ہے جس شخص نے میری سنت پر عمل نہ کیا وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر نہیں اور تم شادیاں کرو میں (قیامت کے دن) دوسری امتوں پر تمہاری کثرت کی وجہ سے فخر کروں گا اور جو شخص تم میں سے کشادگی والا ہو اسے چاہیے کہ وہ نکاح کرے اور جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ شخص روزے رکھے بے شک روزہ اس کے لیے ڈھال ہے۔''

کثرت نسل میں وہ عمومی مصالح اور خصوصی منافع ہیں جن پر اقوام بہت حرص رکھتی ہیں کہ ان کی افرادی قوت زیادہ ہو اس طرح کہ جن کے بچوں کی تعداد زیادہ ہو اور ان کی نسل کثیر ہو انہیں بطورِ حوصلہ افزائی انعامات دیئے جاتے ہیں۔

قدیم قول ہے کہ عزت زیادہ والے کے لیے ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو توڑنے والی کوئی چیز اس پر غالب نہ آسکی۔

ایک دفعہ احنف بن قیس سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے یزید ان کے سامنے بیٹھا تھا وہ اس کی طرف نظر تعجب ڈال رہا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا آپ اس لڑکے کے بارے میں کیا کہتے ہیں وہ ان کا ارادہ سمجھ گئے بولے اے امیر المؤمنین یہ ہمارے پشتوں کے ستون ہیں ہمارے دلوں کا پھل اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں انہی کی وجہ سے ہم دشمن پر حملہ کرتے ہیں اور یہ ہمارے بعد ہمارے جانشین ہیں آپ ان کے لیے نرم زمین اور سایہ دار آسمان بن جائیں اگر وہ آپ سے کچھ مانگیں تو انہیں دے دیں۔ آپ سے رضا چاہیں تو ان سے راضی ہوں اپنی عطاء ان سے نہ روکیں ورنہ یہ آپ کے قرب سے اکتا جائیں گے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوالبحر! اللہ تیرا بھلا کرے، وہ ایسے ہی ہے جیسے آپ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔۳۷

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ایک آدمی کو بیک وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے اللہ تعالی قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف انداز میں مذکورہ مقصد کا تذکرہ کرتے ہیں، سورۃ النساء میں ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامٰى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾۳۸

''کہ اگر تم اس بات سے گھبراتے ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو پھر تم کو جو عورتیں پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین اور چار چار سے تم نکاح کر سکتے ہو۔''

یاد رہے کہ ''نساء'' کا لفظ جمع پر بولا جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کا حکم فرمایا۔ اور اس سے آپ ﷺ کا مقصود امت مسلمہ میں اضافہ کرنا ہے جس کی کثرت پر آپ ﷺ قیامت کے دن باقی امتوں پر فخر کریں گے۔

◉ بدائع الفوائد میں کثرت ازواج کا ایک اہم مقصد کثرت نسل بیان کیا گیا ہے:

"وأيضًا ففي التوسعة للرجل يكثر النسل الذي هو من اهم مقاصد النكاح"۳۹

اسی طرح زیادہ شادیاں کرنے سے آدمی کی نسل بڑھتی ہے جو کہ نکاح کے اہم مقاصد میں سے ہے۔

◉ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

”وأعظم المقاصد التناسل والرجل يكفي لتلقيح عدد كثير من النساء“[۴۰]

''اورنکاح کے مقاصد میں سے سب سے بڑا مقصد نسل بڑھانا ہے اور ایک مرد بہت زیادہ عورتوں کو بارآور کرنے کے لیے کافی ہے۔''

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شادی سے قبل یہ کیسے معلوم ہوگا کہ فلاں عورت کثرت نسل کا باعث بنے گی یا فلاں عورت زیادہ بچے جنے گی۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مختلف قرائن سے اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، مثلا اس عورت کے خاندان کی دوسری عورتوں کے حالات معلوم کر کے یا اس کی صحت، عمر اور کنوار پن کا اندازہ کر کے، یہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں بلاوجہ ضبط ولادت کو پسند نہیں کیا گیا جبکہ اسے قومی وملی مسئلہ بنا کر ملکی سطح پر قانونی حیثیت میں نافذ کر دینا تو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

## ◉ تحفظ مال وگھر

مال وگھر کی حفاظت نکاح کے بنیادی مقاصد میں سے ہے عورت بنیادی طور پر خاتون خانہ ہے عورت کی اصل ذمہ داری گھر کی دیکھ بھال اور بچوں کی پرورش وتربیت اور گھریلو کام کاج کو بجالانا ہے اس لیے کسی ریاست، کسی انجمن، کسی معاشرہ، کسی ایسوسی ایشن اور خود کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ گھر کو اجاڑ کر زندگی کے دوسرے شعبوں کے بناؤ سنگھار میں لگ جائے۔ اگر وہ اپنی بنیادی ذمہ داریاں ترک کر کے سیاست ومعیشت اور فلسفے کی گتھیاں سلجھانے لگ جائے اور وسیع معاشرہ کے دائرے میں اپنی جولانیاں دکھانے لگے تو اسلام کی نظر میں یہ معصیت ہے۔

قرآن واضح حکم دیتا ہے:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾[۴۱]

نکاح کرنے سے ایک طرف تو گھریلو کاموں میں نظم آتا ہے دوسری طرف اس کا بیرونی کام بھی منظم ہوتا ہے اس سے انسان کی ذمہ داری کی حد بندی ہو جاتی ہے۔ جو خاوند اور بیوی ہر ایک کے ذمہ ہے عورت گھریلو کام کاج کا خیال رکھتی ہے، اولاد کی تربیت کرتی ہے اور خاوند کے لیے ایسی اچھی فضا پیدا کرتی ہے کہ جس سے اسکی تھکاوٹ کو آرام پہنچے اور وہ چستی پائے اور ان مشقتوں سے سکون پائے جو اسے کمائی کرنے سے اور ضروریات وگھر کے اخراجات کے مہیا کرنے میں پیش آتی ہیں اسی عدل وانصاف کی حامل تقسیم کا یہ فائدہ بھی ہے کہ ہر ایک اپنے فطری کام کو اسطرح کرے گا جس سے اللہ راضی ہوگا اور لوگ اسکی تعریف بھی کریں گے اور دیگر ثمرات بھی حاصل ہوں گے۔

گویا عورت کو چاہیے کہ وہ خاوند کی عدم موجودگی میں اس کے مال وگھر کی مکمل حفاظت کرے اور کسی طرح کی خیانت کا ارتکاب نہ کرے۔ قرآن کریم میں نیک عورتوں کی دیگر خصوصیات کے ساتھ اسے بھی بیان کیا ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿فَالصَّالِحَات قَانِتَات حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ الله ...﴾[۴۲]

''پس نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمانبرداری کرنے والی ہیں اور خاوند کی عدم موجودگی میں اللہ کی حفاظت میں (مال وکوآبرو) کی حفاظت کرنے والیاں ہیں۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''اس آیت میں عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے خاوند کی اطاعت کرے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے مال وگھر اور اپنی عزت کی حفاظت کرے''۔ [43]

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

"لاتنفق امرأة شيئا من بيت زوجها إلاباذن زوجها قيل يارسول اللهﷺ ولاالطعام؟قال ذلك أفضل اموالنا" [44]

''کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی چیز خرچ نہ کرے آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ غلہ اوراناج بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ تو ہمارے ہاں افضل قسم کا مال ہے۔''

واضح رہے کہ جن روایات میں عورتوں کا اپنے خاوندوں کے مال سے صدقہ وخیرات کرنے کی فضیلت مذکور ہے۔وہ خاوند کی پیشگی اجازت اور رضامندی کے ساتھ مشروط ہیں حتی کہ عورت کا ظن غالب یہ ہو کہ خاوند کے مال سے صدقہ کرنے سے ناراض نہیں ہوگا تو عورت کو اپنے خاوند سے کسی تحریری اجازت نامے کی ضرورت نہیں بلکہ خاوند کے رویے ہی کو اس کی اجازت سمجھا جائے گا لیکن اگر اس کی طبیعت اس کے منافی ہو اور وہ اپنی اجازت کے بغیر صدقہ کرنے پر برہم ہوتا ہو تو پھر بلا اجازت صدقہ کرنا درست نہیں۔

بلکہ امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ''بیوی اور غلام کے لیے اشد ضروری ہے کہ وہ خاوند اور مالک کی اجازت سے صدقہ کریں ورنہ انہیں صدقہ کرنے پر اجر تو درکنار، روز قیامت اس کا برابر حساب دینا ہوگا۔ [45]

## راحت وسکون کا حصول

بلا شبہ راحت وسکون کے حصول کا فطری طریقہ نکاح ہے، جس سے روحانی وجسمانی اضطراب سے نجات ملتی ہے اور نہ صرف نظر حرام کی طرف جھانکنے سے بچ جاتی ہے بلکہ دل حلال پر قانع بھی ہو جاتا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [46]

''اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہارے نفسوں سے جوڑے بنائے تا کہ تم ان کے ساتھ سکون وراحت حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت بنادی بے شک اس میں اس قوم کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں۔''

مذکورہ آیت نکاح کے ذریعہ راحت وسکون ہونے پر واضح دلیل ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"حبب إلى النساء والطيب وجعلت قرةعيني لي في الصلوٰة" [47]

''(میرے دل میں) عورتوں اور خوشبو کی محبت ڈالی گئی ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''

## عفت وعصمت اور پاکدامنی

بلا شبہ ہر ایک سلیم الفطرت شخص عفت وعصمت اور پاکدامنی کو پسند کرتا ہے اور اس کا مکمل حصول تو نکاح کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے اسی لئے مقاصد نکاح میں اس (عفت وعصمت) کو ممتاز مقام حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ مرد کی عزت گوارا نہیں کرتی کہ اس کی بیوی کسی

اورمرد کے ساتھ بھی مزے لے لے کر باتیں کرے کسی اور کے حسن و جمال کے تذکرے کرے ۔یا کسی بھی طرح کی دلچسپی کا مظاہرہ کرے یا غیر محرموں کے سامنے اپنے حسن کا اظہار کرے۔ ویسے بھی اسلامی تعلیمات کی رو سے عورت کا اپنے خاوند کے علاوہ کسی اور کے سامنے بناؤ سنگھار کر کے آنا درست نہیں ہاں غیر محرم سے ضرورت کے موقع پر سنجیدگی سے بات کی جا سکتی ہے۔لہٰذا ایک سمجھدار خاتون وہی ہے جو اپنی تمام دلچسپیوں کا محور اپنے شوہر کو بنالے اوراس کے ساتھ تمام قسم کی پیار بھری باتیں کرے، اسی کے سامنے اپنے حسن و جمال کا مظاہرہ کرے اور کبھی اپنے بارے میں شک کا موقع پیدا نہ ہونے دے۔

شادی سے پہلے اگر آپ کسی اور میں دلچسپی لیتی تھیں، شادی کرنا چاہتی تھیں،لیکن خدانخواستہ ایسا ممکن نہ ہوا تو اب موجودہ شخص کو بحیثیت شوہر آپ تسلیم کر لینے کے بعد پہلے شخص کو بھول جائیں، اس کا تذکرہ اپنے شوہر سے نہ کریں اس طرح جب آپ اپنی عفت وعصمت کا خیال رکھیں گی تو آپ کے شوہر کے دل میں آپ کی محبت قائم رہے گی اور جب اس میں شک دیں گی تو شوہر کے محبت بھرے دل میں میل آجائے گی ۔قرآن وسنت کی تعلیمات بھی یہی ہیں ارشاد ہوتا ہے :

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ﴾ ۴۸

''اور آپ اہل ایمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ نظریں جھکا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔''

آیت مذکورہ میں مردوں اور عورتوں کو غض بصر کا حکم دیا گیا ہے افراد معاشرہ کی عفت وعصمت کو محفوظ رکھنے کا یہ بہت بڑا ذریعہ اور علاج ہے گویا معاشرے کو جنسی ہیجان اور انتشار سے پاک صاف رکھنے کیلئے حجاب ایک ظاہری تدبیر ہے جبکہ غض بصر کا حکم ایک باطنی تدبیر ہے جس پر تمام مرد اور عورتیں اپنے ایمان اور تقوی کے مطابق عمل کرتے ہیں "غض بصر" کا مطلب یہ ہے کہ مرد عورتوں سے اور عورتیں مردوں سے آنکھیں نہ ملائیں نہ لڑائیں، ایک دوسرے کو تاڑیں نہ تانکیں نہ جھانکیں۔ کہا جاتا ہے کہ آنکھیں شیطان کے تیروں میں سے زہریلا تیر ہے عشق محبت کی داستانوں میں نگاہوں کے ملاپ، نگاہوں کے اشاروں، کنایوں اور نگاہوں ہی نگاہوں میں پیغام رسانی اور بول چال کی لذت کا اندازہ ہر بالغ مرد اور عورت کو ہوسکتا ہے۔نگاہوں کے اسی ملاپ کی لذت کو اللہ کے رسول ﷺ نے آنکھ کا زنا قرار دیا ہے۔اور جو عورت اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کرتی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی بہت زیادہ فضیلت بیان کی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

جوعورت پانچ وقت نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے ،اپنی شرمگاہ ( عزت وعصمت ) کی حفاظت کرے اوراپنے خاوند کی اطاعت کرے اسے (روز قیامت ) کہا جائے گا کہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے چاہے جنت میں داخل ہوجائے۔ ۴۹

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

"ولکم علیھن أن لا یوطئن فرشکم احد تکرھونه" ۴۹/ا

''تمہارا عورتوں پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے فرد کو نہ آنے دیں جسے تم پسند نہیں کرتے''

ایک اور مقام پرفرمایا:

"أیما امرأة دخلت علی قوم من لیس منھم فلیست من اللہ فی شیء ولن یدخل اللہ الجنة" ۵۰

''جس عورت نے قوم میں غیر فرد ( حرامی اولاد ) کو داخل کیا ،اس کی اللہ کو کوئی پرواہ نہیں اور اسے اللہ تعالی جنت میں ہرگز داخل نہیں کریں گے۔''

عورت کے کسی غیر سے تعلقات قائم کرنا تو درکنار اللہ کے رسول ﷺ نے تو کسی غیر محرم پر غیر ارادی نظر کے بعد ارادی نظر ڈالنے کو بھی ناجائز قرار دیا ہے آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی:

اے علی رضی اللہ عنہ! عورت پر پہلی نظر (غیر ارادی) کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا کیونکہ پہلی معاف ہے دوسری معاف نہیں۔ ۵۱

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام حیا کا مذہب ہے اور عفت وعصمت کی حفاظت کا درس دیتا ہے۔ نکاح کے ذریعے مرد وعورت اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کرتے ہیں۔ لہٰذا مقاصد نکاح میں سے بڑا مقصد عفت وعصمت کی حفاظت کرنا ہے جس کی حفاظت نکاح کے بغیر مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوتی ہے۔

## محبت ومودت سے زندگی بسر کرنا

نکاح کے سے مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دو خاندانوں کا حسد وبغض اور نفرت محبت ودوستی میں بدل جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَكَ وَبَیۡنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ﴾ ۵۲

''تجھے چاہیے کہ برائی کا بدلہ اچھائی سے دے تو تمہاری اگر کسی سے عداوت ودشمنی ہے تو وہ محبت والفت اور گہری دوستی میں بدل جائے گی۔''

مطلب یہ ہے کہ جب آپ کسی کی لختِ جگر سے نکاح کریں گے تو اس خاندان کے دل نرم ہو جائیں گے تمہارے اس اچھے عمل کی وجہ سے وہ ناچاہتے ہوئے بھی آپ سے سلام کرنے کے ساتھ مصافحہ کریں گے اور کسی سے سلام کرنا ایسا اچھا اور مستحسن عمل ہے کہ جس بارے میں رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا تدخلوا الجنة حتى تؤمنوا حتى تحابو أولا أدلكم على شيءٍ إذا فعلتموه تحاببتم أفشوا السلام بينكم" ۵۳

''تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لے آو اور تم اس وقت تک ایمان دار نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو کیا میں تمہیں ایسی چیز کی طرف راہنمائی نہ کروں جب تم اس پر عمل کرو گے تو تم آپس میں محبت کرو گے (وہ عمل یہ ہے) کہ آپس میں سلام کو عام کرو۔''

چنانچہ دو خاندانوں بلکہ دو قبائل اور دو قوموں کے روابط وتعلقات اور محبت والفت کا بڑا ذریعہ نکاح ہوا گویا نکاح کا ایک مقصد آپس میں محبت والفت سے زندگی بسر کرنا ہے۔ اور اگر دو خاندانوں میں محبت کے روابط وتعلقات ہیں تو خاوند اور بیوی کے درمیان بھی بہت زیادہ محبت ہوگی اور خاوند بیوی آپس کی محبت کی وجہ سے باآسانی زندگی بسر کر سکیں گے۔ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے بہت سے فرامین ہیں جو کتب احادیث میں مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لم تر للمتحابين مثل النكاح" ۵۴

''میاں بیوی کی آپس میں محبت سے بڑھ کر میں نے کسی کی محبت نہیں دیکھی۔''

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"انه قال لم يروا للمتحابين في الله مثل التزوج" ۵۵

''انہوں نے خاوند اور بیوی کی آپس میں محبت کے سوا کسی کی اتنی محبت نہیں دیکھی۔''

امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح مسلم کی شرط پر ہے"۵۶

صاحب حاشیہ السندی، اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"لفظ متحابين يحتمل التثنيّة والجمع والمعنى أنه إذا كان بين الإثنين محبةوفتلك المحبة لايزيد ها شيء من أنواع التعلقات بالتقربات ولايد سمها مثل تعلق النكاح فلو كان بينها نكاح مع تلك المحبة لكانت المحبة كل يوم بالزيادةالقوة"۵۷

''لفظ'' متحابین'' کو تثنیہ و جمع دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں تثنیہ اس صورت میں جب خاوند کی صرف ایک بیوی ہو۔ اور دونوں کی آپس محبت والفت اور پیار ہو اور جمع اس صورت میں کہ جب مرد کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اور مرد کی ان تمام سے اور تمام بیویوں کی خاوند سے محبت ہو۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب (بغیر نکاح کے) لڑکی اور لڑکے کی آپس میں محبت ہوگی تو اس محبت کے باعث ان کے میل جول اور روابط وتعلقات کی انواع میں سے کسی میں اضافہ نہیں ہو سکے گا اور ان کی محبت والفت اور پیار نکاح کے ذریعے پیدا ہونے والی محبت کی طرح دائمی نہیں ہوگی اور اگر ان کی محبت تعلق نکاح کے باعث ہوگی تو ایسی محبت دن بدن زیادتی، ہمیشگی، پختگی اور مضبوطی میں تبدیل ہوتی چلی جائے گی۔

مذکورہ حدیث میں "مثل التزويج" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے بارے میں امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں''اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مرد کسی اجنبی عورت کو دیکھے تو اسے شہوت آ جائے اور دل کا میلان اس عورت کی طرف ہو رہا ہو تو تعلق نکاح سے ان کی محبت مزید بڑھ جائے گی'' اور بزرگوں کا قول ہے کہ بڑی بڑی بستیوں میں رہنے والے جو عشق کرتے ہیں ان کا علاج نکاح ہے۔۵۸

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے نکاح کے ذریعے زوجین کے درمیان پیدا ہونے والی محبت والفت کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا ہے:

"والله تعالى قدجعل بين الزوجين مودة ورحمة فأحدهما يحب لنفسه مايحب للآخر"۵۹

''کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کے باعث خاوند اور بیوی کے درمیان خالص محبت و پیار اور نرم مزاجی پیدا کر دی ہے نتیجتاً ان دونوں میں سے ایک جو کچھ اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی دوسرے کے لیے پسند کرتا ہے۔''

الغرض خاوند اور بیوی کا محبت و پیار اور شفقت والفت سے زندگی گزارنا نکاح کے عظیم مقاصد میں سے ہے۔

## ◉ تبلیغ اسلام

نہ صرف نبی اکرم ﷺ بلکہ تمام انبیاء کی بعثت کا بنیادی مقصد تبلیغ اسلام تھا۔ اور اس مقصد میں کامیابی کے لئے نکاح کو بنیادی حیثیت حاصل ہے نبی کریم ﷺ کا مختلف قبائل کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی اسی مقصد کے لئے تھا، نبی کریم ﷺ کے مقاصد نکاح کی مزید وضاحت کے لئے، ان مقاصد کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

① تعلیمی مقصد ② دینی مقصد

آپ ﷺ کے تعدد ازواج کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ چند ایسی معلمات تیار ہو جائیں جو عورتوں کو شرعی مسائل کی تعلیم دیں کیونکہ عورتیں معاشرے کا نصف حصہ ہوتی ہیں اور ان پر ویسے ہی احکامات فرض ہیں جیسے مردوں پر فرض ہیں پھر عورتوں کی اکثریت ایسی تھی

جوفطرتا بعض شرعی مسائل کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے سوال کرتی تھی خاص طور پر وہ مسائل جوعورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً حیض ،نفاس، اوروظیفہء زوجیت وغیرہ اوروہ پیغمبر جوشرم وحیا کے پیکر تھے جیسا کہ کتب احادیث میں مروی ہے کہ آپ ﷺ باپردہ کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے بھلا اس سے عورتیں شرم کیوں نہ کرتیں اس لیے مجسمہ حیا کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ عورتوں کے ہر مسئلہ کا جواب مکمل صراحت سے دیتے چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ جب آپ کسی سوال کا جواب اشارہ کنایہ سے دیتے تو عورتیں آپ ﷺ کے جواب کوسمجھ نہ پاتیں۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ انصار کی ایک عورت نے حیض سے متعلق مسئلہ پوچھا تو آپ نے اس کوغسل کا مکمل طریقہ سمجھانے کے بعد فرمایا کہ خوشبولگی ہوئی روئی لیکر صاف کر لینا وہ کہنے لگی کہ میں اسکے ساتھ صفائی کیسے کروں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا اوراسے بتایا کہ اس روئی کولیکر اپنے مقام مخصوصہ پر رکھ اوراس سے صفائی کے نشانات صاف کردواور پھر میں نے صراحت سے عضومخصوصہ کی نشاندہی کر دی۔اب بتایئے شرم وحیاء کا پیکر اس قسم کی صراحت کیسے کرسکتا تھا۔

اوراسی طرح شاذونادر ہی کوئی عورت ہوگی جو ضبط نفس کر کے اورشرم وحیا کومغلوب کر کے اس قسم کے پیش آمدہ مسائل کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہا سے سوال کرتی۔اس صورت حال میں اگر آپ کی ازواج مطہرات یہ فریضہ انجام نہ دیتیں تو یقیناً خواتین کے مخصوص مسائل شرم وحیاء کی بناء پر مخفی رہ جاتے چنانچہ اسی طرح کا ایک اورواقعہ صحیحین میں بھی موجود ہے کہ

''صحابی رسول ابوطلحہ کی اہلیہ (ام سلیم) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ حق سے نہیں شرماتا مجھے بتایئے کہ جب عورت کواحتلام ہوجائے تو کیا وہ غسل کرے گی تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں جب وہ منی دیکھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہا اے ام سلیم تونے عورتوں کورسوا کر دیا تو مرے کیا عورت کوبھی احتلام ہوتا ہے؟ یہ سن کر آپ ﷺ نے ان کو یہ جواب دیا احتلام نہیں ہوتا تو پھر بچہ عورت کے مشابہ کیسے ہوتا ہے۔[٦٠]

آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ مرد وزن کے نطفہ کے باہم امتزاج سے جنین پیدا ہوتا ہے اوراسی وجہ سے بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے اوراس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:

﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾[٦١]

ہم نے مرداورعورت کومخلوط نطفہ سے پیدا کیا تا کہ اس کا امتحان لیں اورہم نے اسے سننے والا اوردیکھنے والا بنایا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''امشاج'' اختلاط کو کہتے ہیں جس کا معنی ایسی چیز ہے جس کا بعض بعض سے ملا ہوا ہے جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے'' امشاج'' عورت اورمرد کے پانی کے باہم امتزاج واختلاط کو کہتے ہیں۔

الغرض اس قسم کے سوالات جن میں شرم وحیا کا پہلو تھا ان کے جوابات کی ذمہ داری آپ کی ازواج مطہرات نے اٹھا رکھی تھی لہذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"نعم النسآء نساء الأنصار ، لم يكن يمنعهن الحياء ان يسئلن عن الدين وان يتفقهن فيه"[٦٢]

''بہترین عورتیں انصار کی ہیں، حیا انہیں دین کی سمجھ سے نہیں روک سکتا۔''

انصار کی عورتیں رات کے اندھیرے میں سیدہ عائشہ کے پاس تشریف لاتیں اوران سے دین کے بعض مسائل حیض،نفاس اور جنابت وغیرہ کے متعلق سوال کیا کرتیں گویا پیغمبر کی بیویاں عورتوں کے لیے بہترین معلمات ومربیات تھیں جن کے فیض سے ہزاروں عورتوں نے دین کا علم سیکھا۔

پھر یہ بات تو کسی سے مخفی نہیں کہ سنت مطہرہ صرف نبی اکرم ﷺ کے اقوال پر منحصر نہیں بلکہ یہ آپ کے اقوال وافعال اورتقریرات (وہ امور جو آپ کے سامنے ہوئے لیکن آپ نے خاموشی اختیار کی) سب کو شامل ہے جو شریعت اسلامیہ کا حصہ ہیں جس کی اتباع امت کے لیے ضروری ہے لہذا ان عورتوں کے علاوہ جن کو اللہ تعالی نے امہات المؤمنین اور نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ہونے کے شرف سے سرفراز فرمایا کون ایسا تھا جو ہم کو آپ ﷺ کی نجی اور خانگی زندگی سے آگاہ کرتا۔

چنانچہ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ازواج مطہرات ہی نے آپ ﷺ کی پرائیویٹ اور گھریلو زندگی کے تمام احوال واطوار اور افعال کو نقل کرنے میں اہم کردار ادا کیا اگر وہ نہ ہوتیں تو ہم شریعت کے ایک عظیم ذخیرے سے محروم ہو جاتے اور پھر انہی بیویوں میں سے بعض عظیم معلّمہ اور محدثہ بنیں جنھوں نے نبی اکرم ﷺ کی دعوت اسلام کو آگے منتقل کیا اور قوت حفظ،علمی قابلیت اور ذہانت میں مشہور ہوئیں۔

چنانچہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اگر امہات المؤمنین یہ فریضہ سرانجام نہ دیتیں تو آج سیرت نبویہ کا کوئی باب بھی ہمیں مکمل نظر نہ آتا ہر بالغ نظر تاریخ اسلام کے اوراق الٹ کر دیکھ سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو دین کی زریں خدمات انجام دیں قرآن وسنت کو جس محنت شاقہ سے پھیلایا، عالم مستورات اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے عورتیں تو درکنار، بڑے بڑے اجل صحابہ وتابعین نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے استفادہ کیا ہے۔

## ◉ دینی اورشرعی مقصد

نبی اکرم ﷺ کے تعدد ازواج کا دوسرا بڑا مقصد دینی اور شرعی تھا یہ مقصد اس قدر واضح ہے کہ ہر شخص بخوبی اس کا ادراک کرسکتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے عمل سے جاہلیت کی بعض غلط اور خلاف فطرت رسومات کا خاتمہ ہوجائے۔مثال کے طور پر منہ بولے بیٹے کی رسم جو اسلام سے قبل عربوں میں رائج تھی بلکہ ان کے دین کا حصہ بن چکی تھی، وہ وراثت،نکاح اور طلاق وغیرہ تمام معاملات میں لے پالک (منہ بولے بیٹوں) کو بالکل صلبی (حقیقی) بیٹوں کا درجہ دیتے تھے۔اور نسل درنسل سے،اس باطل رسم پر عمل پیرا تھے۔

# نکاح کا اسلامی طریقہ

اللہ تعالی نے مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے نکاح کو مشروع کیا ہے اور اس کو اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی کے طور پر بیان کیا ہے۔اور اسے نفس کے لیے قلعہ بند،نسل کی بقاء،امت کے لیے قوت قرار دیا ہے۔اور زوجین کے لیے اسے سکون وراحت،محبت ومودت کا باعث ٹھہرایا ہے اور اسے زوجین کی زندگی میں بڑا اہم اور اثر ورسوخ رکھنے والا عقد قرار دیا ہے۔تو کیوں نہ اس کے طریقے سے بھی شناسائی حاصل کر لی جائے۔اب ہم طریقہ نکاح سے قبل چند باتوں کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ دین اسلام ان چیزوں کے بغیر نکاح کو نکاح نہیں کہتا جن کا تذکرہ حسب ذیل ہے۔

## ولی کی اجازت

یاد رہے کہ لڑکے کے نکاح کے لیے ولی یا سرپرست کی شرط نہیں جبکہ لڑکی کے لیے اس کے ولی کی اجازت ضروری ہے اور ولی کی اجازت کے بغیر کیا جانے والا باطل ہے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے:

"لانکاح إلابولی مرشد أوسلطان"۶۳

''ولی مرشد یا سلطان کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔''

ایک اور روایت میں ہے:

''جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے۔''۶۴

واضح رہے کہ ولی کی موجودگی ضروری نہیں بلکہ اس کی اجازت اور رضامندی ہی کافی ہے خواہ یہ بذات خود موجودگی یا شمولیت کی صورت میں ہو یا اپنے وصی،وکیل یا کسی تحریر کی شکل میں ہو۔

## لڑکی کی رضامندی

ولی کی اجازت کے ساتھ ساتھ دلہن کی رضامندی بھی ضروری ہے اگر ولی کی اجازت اور رضامندی کے باوجود لڑکی کی رضامندی شامل نہ ہو تو اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا اگر بالفرض جبر واکراہ کے ساتھ اس کا نکاح کر بھی دیا جائے تو لڑکی عدالت کے ذریعے فسخ نکاح کا حق رکھتی ہے۔

## گواہوں کی موجودگی

نکاح کے موقع پر دلہا کے علاوہ دو نیک،عادل مسلمان گواہوں کی موجودگی ضروری ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے۔

① حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''وہ عورتیں بدکار ہیں جو اپنا نکاح بغیر دلیل (گواہ) کے کرتی ہیں۔''۶۵

② حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"لانکاح الا بولی وشاھدی عدلٍ"۶۶

''نکاح تب منعقد ہوتا ہے جب ولی اور عادل گواہ موجود ہوں۔''

## ◉ ایجاب وقبول

نکاح کے موقع پر دولہا ودلہن کا ایجاب وقبول ضروری ہے دلہن کی طرف سے رضا مندی وقبولیت کی ضمانت اس کا ولی دے گا جبکہ لڑکا بذات خود گواہوں کی موجودگی میں عقد نکاح پر رضا مندی کا اظہار کرے گا۔خواہ یہ رضامندی قولی طور پر ہو یا عملی طور پر ہو یعنی اگر نکاح کروانے والا لڑکے کو کہے کہ فلاں بنت فلاں کا نکاح ،ان گواہوں کی موجودگی میں اتنے حق مہر کے عوض میں تمہارے ساتھ کیا، کیا تمہیں قبول ہے؟ ایسے الفاظ ولی خود بھی لڑکے کو کہہ سکتا ہے کہ میں نے اپنی زیر ولایت لڑکی یا بیٹی کا نکاح تم سے کیا، کیا تمہیں منظور ہے؟ تو لڑکے کا قبول ہے کہہ دینا یا اظہار رضا مندی کے ساتھ سر ہلا کر اشارہ کر دینا نکاح کے انعقاد کے لیے کافی ہے۔البتہ سب سے مناسب صورت یہ ہے کہ لڑکا بآواز بلند'' قبول ہے'' کہہ کر رضامندی کا اظہار کرے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ام حکیم بنت قارظ رضی اللہ عنہا سے کہا، کیا تم نے اپنے نکاح کے معاملے میں مجھے مختار بنایا ہے کہ میں جس سے چاہوں تمہارا نکاح کردوں؟ تو ام حکیم نے کہا، ہاں تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا تو پھر میں نے خودتم سے نکاح کیا۔

یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ تعلیقا لائے ہیں جو کہ 'کتاب النکاح' 'باب اذا کان الولی ھو الخاطب' کے تحت نقل کی گئی ہے۔

## ◉ خطبۃ النکاح

نکاح پڑھانے والے کے لیے مستحب ہے کہ عقد سے پہلے خطبہ پڑھے اورخطبہ نکاح ایسا ہونا چاہیے جس میں اللہ تعالی کی حمد وثناء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سلام کے الفاظ موجود ہوں یعنی کم ازکم 'الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ ﷺ' کے الفاظ پر مشتمل ہونا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کل خطبة لیس فیها تشهد کالید الجذفاء" ۶۷

ہروہ خطبہ جس میں تشہد نہ ہووہ جذام والے ہاتھ کی طرح ہے۔

امام مناوی رحمہ اللہ فیض القدیر میں " کالید الجذفاء"کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کالید الجذفاء ای المقطوعة ، والجذم سرعة القطع ، یعنی ان کل خطبة لم یؤت فیها بالحمد والثناء علی الله فهی کالید المقطوعة التی لافائدة بها"۶۸

''کوڑھ والے ہاتھ سے مراد ایسا ہاتھ ہے جوکاٹ دیا گیا ہواورکوڑھ کاٹنے کی تیزی کوکہا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ ہروہ خطبہ جس میں اللہ تعالی کی حمد وثناء نہ کی جائے وہ کاٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے جس سے کوئی کام نہیں لے سکتے یعنی اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔''

ایک اور حدیث میں جو کہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کل أمر ذی بال لایبدا فیه بحمد الله فهو اقطع"۶۹

''ہروہ کام جس کی ابتداء وآغاز الحمدللہ سے نہ کیا جائے تووہ کام کٹا ہوا ہے (یعنی وہ کام ناقص اورادھورا ہے۔''

یعنی ہر قابل اعتبار کام جو الحمدللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ برکت سے خالی ہے۔اس سے خاص الحمد للہ کہنا مراد نہیں ہے بلکہ اللہ کا ذکر مقصود ہے۔تا کہ یہ مفہوم دوسری احادیث سے متفق ہوجائے افضل تو یہ ہے کہ وہ خطبہ حاجت کے مطابق خطبہ دے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع الخیر اور خواتیم عطا کیے گئے یا فواتح الخیر کہا، انہوں نے ہمیں نماز کا خطبہ اور حاجت کا خطبہ سکھایا۔

نماز کا خطبہ یہ ہے:

"التحيات لله والصلوت والطيبات السلام عليك أيها النبى ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين -أشهد أن الاإله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله"۔[1]

''تمام بدنی، زبانی، مالی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر اللہ کی رحمت، سلامتی اور اس کی برکات نازل ہوں اور ہم پر اور اللہ کے تمام نیک اور صالح بندوں پر بھی سلامتی نازل ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

حاجت کا خطبہ یہ ہے جو نکاح کے لیے پڑھنا بھی مسنون ہے۔

"إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلاهادى له وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله"

پھر قرآن کریم کی تین آیات پڑھی جائیں:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا تَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْن ،يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً وَّاتَّقُو اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا، يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوااتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾[1]

''بے شک ہر طرح کی حمد و تعریف اللہ تعالی کے لیے ہے اور ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اسی سے مدد مانگتے ہیں اسی سے معافی مانگتے ہیں اپنے نفس کی برائیوں اور برے کاموں سے اللہ تعالی ہی کی پناہ چاہتے ہیں جسے اللہ تعالی ہدایت سے نواز دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ تعالی گمراہ کر دیں اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔' اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔'

لوگو! اپنے اس رب سے ڈرتے رہو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا ہے۔ پھر اسی سے جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے (دنیا میں) بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور قریبی رشتہ داروں (کے معاملے) میں بھی اللہ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تم پر نظر رکھے ہوئے ہے۔'

'اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور بات سیدھی کیا کرو اس طرح اللہ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔'[2]

اگر خطبہ نکاح کے الفاظ پر غور کریں تو اسلام میں نکاح کے مقاصد واضح ہو جاتے ہیں، جو مقاصد ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہ خطبہ ان کی دلیل ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ بالا خطبہ مختلف روایات کا مجموعہ ہے جبکہ اکثر بیشتر روایات میں ضعف پایا جاتا ہے تاہم روایات کا مجموعہ ان کے

حسن ہونے کو متقاضی ہے۔شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے نہ صرف خطبہ سے متعلق روایات کو مجموعی طور پر صحیح قرار دیا ہے بلکہ انفرادی طور پر بھی بعض روایات پر صحت کا حکم لگایا ہے مزید تفصیل کیلئے علامہ البانی رحمہ اللہ کا کتابچہ بعنوان "خطبة الحاجة التی کان رسول اللہ یعلمها الصحابة "ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔مذکورہ خطبہ موصوف کا ثابت کردہ ''نص الخطبہ ہے۔

## ایجاب وقبول کا طریقہ

نکاح پڑھانے والا خطبہ مسنونہ پڑھنے کے بعد دلہے اور گواہوں اورلڑکی کے ولی کی موجودگی میں اس طرح کہے گا کہ میں فلاں بنت فلاں (لڑکی کا پورا نام لے) کا نکاح اس کے ولی کی اجازت ورضامندی سے فلاں بن فلاں (لڑکے کا پورا نام لے) کے ساتھ ان گواہوں کی موجودگی اور اتنے حق مہر کے عوض (جو بھی مہر مقرر کیا گیا ہو اسے بیان کرتے ہوئے) کرتا ہوں پھر لڑکے کی طرف متوجہ ہوکر پوچھے''کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟''تو دولہا کے قبول کرنے سے نکاح ہوجائے گا۔

البتہ لڑکی سے ایجاب قبول کی ضرورت نہیں کیونکہ اسکی وکالت اسکا ولی کررہاہے یادرہے کہ ایجاب وقبول کا یہی جملہ سب سے اہم اور ضروری ہے اس لیے نکاح سے پہلے کسی کاغذ پرلڑکی اورلڑکے کا پورا نام اور مہر کی تفصیل لکھ لیں تاکہ ایجاب وقبول کراتے وقت کوئی غلطی نہ ہو۔

## بغیر خطبہ کے نکاح

یادرہے کہ اگر خطبہ نہ بھی ہو تو نکاح درست ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ بنی سلیم کے ایک آدمی سے مروی ہے اس نے کہا کہ میں نے ایک عورت کے لیے پیغام نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جس نے اپنا نفس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کے لیے پیش کیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا''میں نے تمہارے پاس موجود قرآن کے عوض تیرا اس سے نکاح کردیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ نہ پڑھا۔''[۳]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں سفیان ثوری رحمہ اللہ اور دیگر علماء کرام کا قول نقل کیا ہے۔

"ان النکاح جائز بغیر خطبة"

''خطبہ کے بغیر نکاح ہوجاتا ہے اور ایسا عمل کرنا جائز ہے۔''

اس قول کو نقل کرنے کے بعد امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے نکاح میں خطبہ کی شرط لگائی ہے۔لیکن یہ قول شاذ ہے۔[۴]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے:

"وفیه أنه لا یشترط فی صحة العقد تقدم الخطبة"

''کہ نکاح اور عقد کی صحت کے لیے نکاح سے قبل خطبہ پڑھنے کی شرط نہیں لگائی (یعنی خطبہ نکاح نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں رکھتا اتنا ضرور ہے کہ یہ مندوب ہے۔''[۵]

## اس کی حکمتیں

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''دور جاہلیت میں لوگ نکاح سے پہلے خطبہ دیتے تھے اور اس سے پہلے اپنی قوم کے فخریہ قصے وغیرہ بیان کرتے۔اسے وہ اپنے مقصد اور اظہار فخر کا ذریعہ بناتے۔اس طریقہ کا اجراء بھی ایک مصلحت تھا کیونکہ خطبہ کی بنیاد تشہیر پر ہے تشہیر یہ ہے کہ نکاح کو سب لوگوں

کے سامنے لایا جائے۔نکاح میں تشہیر کے وجود کا مقصد یہ ہے کہ وہ زنا سے ممتاز ہوجائے اور خطبہ بھی اہم کاموں میں مستعمل ہوتا ہے اورنکاح کا امرعظیم ہونا اورباہم اس کا خیال رکھنا بھی مقاصد میں سے بہت بڑا مقصد ہے۔نبی کریم ﷺ نے اس کی بنیادکو باقی رکھا اوروضع کو بدل دیا اس طرح کہ دیگر مصالح کے ساتھ ایک اوربھی مصلحت کا اضافہ کردیا اوروہ یہ کہ ہرارتفاق کے ساتھ اس کا مناسب ذکر مطلوب ہے۔تاکہ اللہ کے شعائر میں سے ہرعمل کی تعظیم کی جائے۔

اوراس کی علامت وامارت ظاہر ہوں چنانچہ اس میں ذکر کی چنداقسام جیسے اللہ کی حمد،مدد حاصل کرنا،بخشش چاہنا،پناہ مانگنا،توکل کرنا،شہادت دینا اورقرآن کی آیات کومسنون کردیا اوراس قول سے اس کی مصلحت کی طرف اشارہ کیا اور ہر وہ خطبہ جس میں تشہد نہ ہو وہ کوڑھ زدہ ہاتھ کی طرح ہے۔٦ے

## ◉ ٹیلی فون پر نکاح

نکاح کی حقیقت گواہوں کی موجودگی میں اپنا ایجاب وقبول کا نام ہے اس لیے اگر کوئی شخص اپنی بیٹی یابہن کا کسی شخص سے نکاح کرنے کے لیے ٹیلی فون پراظہار رضامندی کردے اوردوسری طرف سے لڑکا یا اس کا وکیل دوعادل گواہوں کی موجودگی میں اس نکاح کوقبول کرے تو نکاح ہوجائے گا۔

لیکن واضح رہے کہ احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ لڑکا اورکم ازکم دوعادل گواہ ایک ہی مجلس میں روبروجمع ہوں۔البتہ اگرکسی مشکل کے پیش نظر ایسا کرنے میں مشقت ہوتو ٹیلی فون کے ذریعے نکاح کا ایجاب وقبول کروایا جاسکتا ہے تاہم اس کے باوجود یہ اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ ایجاب وقبول کے سلسلہ میں کوئی دھوکا بازی نہ ہو اسی طرح ٹیلی فون کے ذریعے طلاق دی جائے تو وہ مؤثر ہوجائے گی۔

## عادل گواہ کسے کہتے ہیں؟

نکاح کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ نکاح دوعادل گواہوں کی موجودگی میں ہو۔یہاں پر ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ وہ کون سی چیزیں ہیں جو کسی شخص میں پائی جائیں تو اسے عادل کہا جاسکتا ہے۔

کسی آدمی میں جب پانچ چیزیں پائی جائیں تو اسے عادل کہا جاسکتا ہے تو ایسے دوآدمیوں کا تقریب نکاح میں موجود ہونا ضروری ہے۔

### ① اسلام

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:﴿مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾٧ے

گواہ ایسے ہونے چاہیں جن کوآپ پسند کرتے ہیں آپ ان کے گواہ بننے سے راضی ہوں تو ایک مسلمان اپنے نکاح کے موقع پر غیر مسلم کوگواہ بنانا کبھی بھی پسند نہیں کرسکتا اس لیے کہ کافر کا دل خیانت،کذب اور بے ایمانی کا محل ہوتا ہے اوراس لیے بھی کافرکومسلمان گواہ بنانا پسند نہیں کرے گا کہ وہ ہمارے دین اسلام کا دشمن ہے اور اختلاف دین کی وجہ سے وہ ارکان اسلام کومسمار کرنے کی کوشش کرے گا اوراسی طرف اللہ تعالی کے اس فرمان کا اشارہ ہے:

﴿لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا﴾ ٨ے

''کہ وہ تمہاری تباہی میں فساد پھیلانے کی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑیں گے۔''

### ② بلوغت

گواہ میں دوسری چیز جو پائی جانی ضروری ہے وہ بلوغت ہے اور گواہ ایک قسم کا مسئول ہوتا ہے اور بچہ مسؤلیت کا فریضہ ادانہیں کرسکتا۔ چنانچہ گواہ کا بالغ ہونا ضروری ہے۔

### ③ عقل

نکاح وطلاق اسلام کے شعائر میں سے ہے اور یہ بہت زیادہ حساس معاملہ ہوتا ہے اوراس میں عقل کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔ اور فاتر العقل کا ضبط ہی درست نہیں ہوتا اور جو آدمی کسی چیز کو ضبط ہی نہ کرسکے اس کا گواہ بننا اور اسے گواہ بنانا فضول ہے۔

### ④ تقویٰ

گواہ کے لیے متقی اور پرہیزگار ہونا ضروری ہے وہ کبائر سے اجتناب کرتا ہو اور صغائر پر اصرار نہ کرتا ہو اوراس پر دلیل یہ ہے اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا﴾ ۷۹

''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو تم اس کی تحقیق کرلیا کرو۔''

### ⑤ مروّت اخلاق

کسی کو گواہ بنانے سے قبل اس بات کا خیال رکھیں کہ اس آدمی کے اندر اخلاقیات کا پہلو کہاں تک غالب ہے یہ عادات واطوار کے لحاظ سے کیسا ہے۔ یہ لوگوں کے ساتھ معاملہ کیسے کرتا ہے اوراس آدمی میں اسلامی تعلیمات کہاں تک سرایت کرچکی ہیں اگر ان تمام چیزوں میں اسلامی پہلو غالب ہو تو ایسا آدمی گواہ بننے کا اہل ہے۔

## عورت نکاح نہیں پڑھا سکتی

اگر اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو نکاح پڑھانا مرد کے ذمہ ہے عورت کے ذمہ نہیں اور نہ ہی عورت کا پڑھایا ہوا نکاح اسلام کی رو سے جائز ہے جیسا کہ درج ذیل دلائل سے ثابت ہے۔

① حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لاتزوج المرأة المرأة ولاتزوج المرأة فإن الزانية هی التی تزوج نفسها" ۸۰

''کوئی عورت کسی کی شادی کرے اور نہ کوئی عورت اپنا نکاح خود کرے اور جو عورت خود اپنا نکاح کرتی ہے وہ زانیہ ہے۔''

② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے بھائی کے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کے نکاح کا بندوبست کیا اور (غیر متعلقہ غیر محرم افراد سے) پردہ کی اوٹ میں ہوکر بات چیت طے کی۔ یہاں تک کہ جب عقد نکاح کے علاوہ دیگر تمام کام نمٹ گئے تو انہوں نے ایک مرد کو نکاح پڑھانے کا حکم دیا اوراس نے نکاح پڑھادیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"لیس إلی النساء نکاح" ۸۱

''عورت کی طرف سے نکاح نہیں ہوتا۔''

③ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"لاتشھد المرأة یعنی الخطبة ولاینکح"۸۲

''عورت خطبہ نہ دے اور نہ ہی نکاح کرے۔''

## نکاح کے بعد دعا

نکاح کے بعد دلہا اور دلہن کو برکت کی دعا دینی چاہیے اور ان کے لیے مسنون دعا کرنا مستحب ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم شادی کرنے والے شخص کو ان الفاظ میں خیر و برکت کی دعا دیتے تھے۔

"بارك الله لك وبارك علیك وجمع بینکما فی خیر"۸۳

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بہتری کرے اور تم پر برکت نازل فرمائے اور تم دونوں (میاں بیوی) کے درمیان بھلائی پر اتفاق پیدا فرمائے۔''

② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

''مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی مجھے میری امی لائیں تو گھر میں کچھ انصاری عورتیں تھیں۔انہوں نے کہا''خیر پر اور برکت اور اچھے نصیب پر۔''۸۴

③ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں عقیل بن ابی طالب نے بنی جعشم کی ایک عورت سے شادی کی تو انہوں نے کہا''تم میں اتفاق واتحاد ہو اور اولاد نصیب ہو''عقیل نے کہا ایسے کہو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا''اللہ تم میں اور تم پر برکت دے۔''۸۵

④ نیل الاوطار میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے نکاح کی تقریب میں شامل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو ان الفاظ میں دعا دی"الخیر والبرکة والالفة والطائر اعیون والسعةوالرزق بارك الله لکم"۸۶

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کو اس کی شادی کے موقع پر دعا دی کہ اللہ تعالیٰ اس شادی میں خیر و برکت فرمائے اور تعلق نکاح کو الفت ومحبت کا باعث بنادے اور یہ شادی دائیں طرف اڑنے والے پرندے کی طرح ہے(دور جاہلیت میں لوگ فال پکڑتے تھے کہ پرندہ اگر دائیں طرف اڑ گیا تو قسمت اچھی ہوگی اور بائیں طرف اڑ گیا تو بری قسمت اور نقصانات ہونے والے ہیں تو اس چیز کو سامنے رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو فرمایا کہ یہ دائیں طرف اڑنے والے پرندے کی طرح ہے یعنی آپ کے لیے خیر برکت کا باعث ہے۔اور وسعت ورزق کا باعث ہے اور اللہ تعالیٰ تمہاری شادی کو بابرکت بنادے۔

⑤ ایک حدیث مبارکہ میں مذکورہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

"عن ابی ھریرة رضی الله عنه أن النبیﷺکان اذا رفأ قال: بارك الله لکم وبارك علیکم وجمع بینکم فی خیر"۸۷

''سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شادی کی مبارک باد دیتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: بارك الله لکم ، وبارك علیکم وجمع بینکم فیف خیر: اللہ تمہارے لیے اور تم پر برکت ڈالے اور تمہیں خیر میں جمع کرلے۔''

⑥ حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بنی جعشم کی ایک عورت سے شادی کی تو اس کو کہا گیا کہ آپ کا جوڑا ملا رہے اور تم سے بیٹے پیدا ہوں تو کہا! کہ تم اس طرح کہو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی تھی۔کہ "بارك الله فیکم وبارك لکم"کہ اللہ تعالیٰ تم میں برکت کرے اور تم دونوں پر رحمت کا نزول فرمائے۔۸۸

# حوالہ جات

(۱) Encyclopedia of Religion & Ethics 8:463 to 471

(۲) المغنی :۶/۴۴۶،ناشر:مکتبہ جمہوریہ عربیہ،مصر

(۳) المغنی:۶/۴۴۶

(۴) تیسر الباری شرح صحیح البخاری:۵/۶۱

(۵) صحیح بخاری ، کتاب النکاح ، باب فی ترغیب النکاح:۵۰۶۳

(۶) سنن الترمذی ، کتاب النکاح ، باب ماجاء فی فضل التزویج والحث علیه:۱۰۸۰

(۷) الدررالبهية مع شرح الروضة الندية:۲/۲

(۸) تفسیر مواهب الرحمن:۶/۲۰۸

(۹) صحیح مسلم ، کتاب الزکوة ، باب بیان أن اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف:۱۰۰۶

(۱۰) النور:۳۱،۲۴

(۱۱) صحیح بخاری ، کتاب النکاح ، باب نهی رسول اللهﷺ عن نکاح المتعةآخرا:۵۱۱۵

(۱۲) صحیح مسلم ، کتاب النکاح ، باب نکاح المتعة وبیان أنه أبیح ثم نسخ :۱۴۰۶

(۱۳) الشعراء:۱۶۵

(۱۴) النساء:۳

(۱۵) روز نامہ''جنگ''لاہور جولائی ۱۹۹۷

(۱۶) النساء:۲۳

(۱۷) مواهب الرحمن:۲/۲۶۴

(۱۸) البیهقی ،أبو بکرأحمد بن الحسین : السنن الکبری مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامية ، الهند ، ١٣٤٤ هـ :۷/۱۲۶

(۱۹) صحیح بخاری ، کتاب النکاح ، باب ضرب الدف فی النکاح والولیمة:۵۱۴۷

(۲۰) المائدہ:۵

(۲۱) تفسیر الطبری:۴/۴۴۹

(۲۲) سنن الترمذی ، کتاب النکاح عن رسول الله ﷺباب ما جاء فی إعلان النکاح:۱۰۸۸، سنن ابن ماجه،کتاب النکاح ، باب إعلان النکاح:۱۸۹۶

(۲۳) سنن الترمذی، کتاب النکاح عن رسو ل اللہﷺ، باب ما جاء فی إعلان النکاح:۱۰۸۹، سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح ، باب إعلان النکاح:۱۸۹۵

(۲۴) البقرہ:۲۲۱

(۲۵) شعب الایمان: ۲/۴۶۵

(۲۶) المعجم الاوسط:۱/۵۲۲

(۲۷) فیض القدیر:۶/۱۲۸

(۲۸) صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب عون المرأۃ زوجھا فی ولدہ:۵۳۶۷

(۲۹) دلائل النبوۃ:۱۲۷۹

(۳۰) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح، لمن تاقت نفسہ إلیہ ووجد مؤنۃ:۳۴۰۳

(۳۱) مشکوۃ المصابیح بتحقیق الألبانی:۱/۱۲۲

(۳۲) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب ندب من رأی امرأۃفوقعت فی نفسہ إلی أن یأتی امرأتہ أو جاریتہ فیواقعھا:۱۴۰۳

(۳۳) البقرۃ:۲۲۳

(۳۴) صحیح مسلم:کتاب النکاح، باب ندب من رأی امرأۃ فوقعت فی نفسہ إلی أن یأتی امرأتہ أو جاریتہ فیواقعھا:۱۴۰۳

(۳۵) سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب النھی عن تزویج من لم یلد من النساء:۲۰۵۰

(۳۶) سنن ابن ما جہ، کتاب النکاح، باب ما جاء فی فضل النکاح:۱۸۳۶

(۳۷) کتاب الأمالی:۲/۴۱

(۳۸) النساء:۲

(۳۹) بدائع الفوائد:۴/۶۱

(۴۰) حجۃ اللہ البالغۃ:۲/۱۳۳

(۴۱) الاحزاب:۳۳

(۴۲) النساء: ۳۴

(۴۳) تفسیر قرطبی:۵/۱۶۲

(۴۴) سنن الترمذی، کتاب الزکاۃ، باب فی نفقۃ المرأۃ من بیت زوجھا:۶۷۰

(۴۵) النووی، محی الدین یحییٰ بن شرف:مقدمہ الامام النووی علی صحیح مسلم، دار المعرفۃ ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ ۱٤۱٥ھ: ۷/۱۱۳

(۴۶) الروم:۲۱
(۴۷) أحمد بن حنبل:مسند احمد بن حنبل ، المکتب الاسلامی ، بیروت :۱۲۶۴۴
(۴۸) النور:۳۱
(۴۹) مسند احمد:۱۲۶۴
(۴۹/۱) صحیح مسلم ، کتاب الحج ، باب حجة النبیﷺ:۱۲۱۸
(۵۰) سنن ابی داؤد ، کتاب الطلاق ، باب التغلیظ فی الانتفاء:۲۲۶۳
(۵۱) سنن ابی داؤد ، کتاب النکاح ، باب فی حق المرأة علی زوجها:۲۱۴۹
(۵۲) فصلت:۲۴
(۵۳) صحیح مسلم ، کتاب الإیمان ، باب بیان أنه لا یدخل الجنة إلا المؤمنون وأن محبة:۵۴
(۵۴) سنن ابن ماجة ، کتاب النکاح ، باب ماجاء فی فضل النکاح:۱۸۳۷
(۵۵) السنن الکبری:۷/۷۸، الحاکم النیسابوری ،أبی عبد الله محمد بن عبد الله :المدخل إلی علم الصحیح ، تحقیق:ربیع بن هادی عمیر ، مؤسسة الرسالة ، بیروت ، الطبعة الاولی ، ١٤٠٤ هـ:۲۸۵/۶
(۵۶) المستدرك حاکم:۲۸۵/۶
(۵۷) حاشیه السندی علی ابن ماجه:۱۵۴/۴
(۵۸) أنور شاہ الکشمیری ، محمد :فیض الباری علی صحیح البخاري، *خضر راہ بک ڈپو، دیوبند*،۱۹۸۰ء:۳۶۱/۷
(۵۹) ابن تیمیة ، احمد بن عبد الحلیم : مجموع الفتاوی ، جمع عبد الرحمن القاسم ، مجمع الملك فهد ، مدینة منورة ، ١٤١٦هـ۔ ١٩٩٥ء :۲۶۴/۲
(۶۰) صحیح مسلم ، کتاب العلم ، باب الحیاء فی العلم:۱۳۰
(۶۱) الدھر:۲
(۶۲) سنن ابی داؤد ، کتاب الطهارة ، باب الاغتسال من الحیض:۳۱۴
(۶۳) ابن حجر العسقلانی ، احمد بن علی:فتح الباری شرح صحیح البخاری ، دارنشر الکتب الاسلامیه ، لاهور ، ١٩٨١ء:۲۳۸/۱۱
(۶۴) سنن الترمذی ، کتاب النکاح ، باب ما جاء لا نکاح إلا بولی:۱۱۰۲، *سنن ابن ماجہ*، کتاب النکاح ، باب لا نکاح إلا بولی:۱۸۷۹
(۶۵) سنن الترمذی ، کتاب النکاح ، باب ما جاء لا نکاح إلا ببینة:۱۱۰۳
(۶۶) الدار قطنی ، علی بن عمر :سنن دار قطنی ، تصحیح:عبد الله هاشم یمانی ، دار المحاسن ، قاهره:۲۲۲/۳

(٦٧) سنن ابو داؤد، کتاب الأدب، باب فی الخطبة:۴۸۴۱،مسند أحمد:۸۳۱۳

(٦٨) المناوی ، محمد عبد الرؤف بن تاج الدین :فیض القدیرشرح جامع الصغیر ، دار المعرفة، بیروت ١٣٩١ھـ:١٨/٥

(٦٩) سنن ابن ماجة، کتاب النکاح، باب خطبة النکاح:١٨٩٤

(٧٠) الشوکانی، محمد بن علی:نیل الاوطار، دار الجیل، بیروت، ١٩٧٣ء:٦/١٠

(٧١) (١)آل عمران:١٠٢،(٢)النساء:١(٣)الاحزاب:٧١-٧٠

(٧٢) سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب خطبة النکاح:٢١١٨،سنن الترمذی، ابواب النکاح، باب ما جاء فی الخطبة النکاح:١١٠٥

(٧٣) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب السلطان ولی لقول النبیﷺ :٥١٣٥

(٧٤) فتح الباری:٢٥٢/١١

(٧٥) فتح الباری، کتاب النکاح، باب التزویج علی القرآن وبغیر صداق:٢٥٦/١١

(٧٦) مسند احمد:٣٥٩/٢

(٧٧) البقرة :٢٨٢

(٧٨) آل عمران:١٨

(٧٩) الحجرات:٦

(٨٠) سنن ابن ماجه،کتاب النکاح، باب لا نکاح إلا بولی:١٨٨٢

(٨١) فتح الباری، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح إلا بولی:٢٦٧/١١

(٨٢) ابن أبی شیبة، عبد الله بن عمر بن أبی شیبة إبراهیم بن عثمان: الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، تحقیق کمال یوسف الحوت، دار الفکر، بیروت، ١٩٨٣ء:١٥٩٦٣

(٨٣) سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب ما یقال للمتزوج:٢١٣٠، سنن الترمذی، کتاب النکاح عن رسول اللهﷺ،باب ما جاء فیما یقال للمتزوج:١٠٩١،سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب تهنئة النکاح:١٩٠٥

(٨٤) صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب تزویج النبی عائشة وقدمها المدینة:٣٨٩٤

(٨٥) سنن نسائی، کتاب النکاح، باب کیف ید علی اللرجل إذا تزوج:٣٣٧١

(٨٦) نیل الاوطار:٦/١٠، معرفة الصحابة:٢٥٢/١٢

(٨٧) سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب تهنئة النکاح:١٩٠٥

(٨٨) سنن النسائی، کتاب النکاح، باب کیف یدع للرجل إذا تزوج:٣٣٧١

# فصل دوم

## نکاح کے آداب اور شرائط وضوابط

① نکاح میں ولی کی حیثیت

② ولی کے لئے شرائط

③ نکاح میں فریقین (لڑکی اور لڑکے) کی رضامندی لازمی ہے

④ فریقین کے طرف سے ایجاب وقبول لازمی ہے

⑤ خاوند کے لئے مہر دینا لازمی ہے

⑥ نکاح کے وقت دو عادل گواہوں کی موجودگی ضروری ہے

⑦ اِعلانِ نکاح ضروری ہے

# نکاح کے آداب اور شرائط وضوابط

## ① نکاح میں ولی کی حیثیت

دنیا کا کوئی بھی ادارہ، اس وقت تک ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتا جب تک اسے کسی ماہر سربراہ کی خدمات حاصل نہ ہوں گویا سربراہ کے بغیر کسی بھی ادارہ کی ترقی وکامیابی اوراس سے نفع کی توقع رکھنا عبث ہے، بعینہ ادارہ خاندان کو آلائشوں سے پاک رکھنے اور نقصان سے بچالینے کے لئے بھی ایک سربراہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی سربراہ کو ولی کا نام دیا جاتا ہے چونکہ عورت فطرتاً جذباتی ہوتی ہے اور اس کی محبت، اس کی عقل پہ غالب ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ جذبات محبت کے سامنے ہتھیار پھینک دیتی ہے اور اپنے نفع نقصان کا خیال کئے بغیر محض جذباتی پن کی وجہ سے ماں باپ کا گھر چھوڑنے جیسا انتہائی قدم اٹھالیتی ہے اور ایک شخص کے چند میٹھے جملوں کی وجہ سے اپنا مستقبل داؤ پر لگادیتی ہے لہذا اسلام نے عورت کو پابند کردیا کہ وہ اپنے معاملات کو کامیابی سے چلانے کے لئے اپنے آپ کو کسی کی ولایت میں دے دئے، اور وہ ولی، عورت کی پسند ناپسند کا لحاظ رکھتے ہوئے، نکاح جیسے امور اپنی نگرانی میں پایہ تکمیل تک پہنچائے، الغرض نکاح میں ولی بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا جسم کے لئے روح اور گاڑی کے لئے ڈرائیور، ولی کے اسی حیثیت کو جاننے کے لئے قرآن وسنت اور ائمہ کے اقوال کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

## نکاح کے لئے ولی کی ضرورت............قرآن کی روشنی میں

قرآن کی رو سے ولی کے بغیر نکاح صرف نبی اکرم ﷺ کا خاصہ ہے۔جبکہ بقیہ تمام امت کے لئے ولی اور مہر دونوں لازمی ہیں، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[1]

''اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبی کے لئے ہبہ کردیا ہواگر نبی اسے نکاح میں لینا چاہے۔ یہ رعایت خالصتا آپ کے لئے ہے، دوسرے مومنوں کے لئے نہیں۔''

مذکورہ آیت سے واضح ہوتا ہے کہ عورت اپنے آپ کو صرف نبی اکرم ﷺ کے لئے پیش کرسکتی ہے باقی مومنوں کے لئے نہیں۔کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے نکاح کے لئے ولی اور مہر لازمی نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ تمام امت کے سب سے زیادہ قریب ہیں﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾[2]

''نبی اکرم ﷺ مومنوں پر ان کی جان سے بڑھ کر ولی ہیں۔''

چنانچہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

''کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ولی اور مہر کے بغیر کسی کے نکاح میں دے دے، ہاں یہ صرف رسول اللہ ﷺ کے

لئے خاص (جائز) ہے۔''۳

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لا نکاح إلابولی و شهود و مهر إلا ما کان من النبی»۴

''ولی، گواہوں اور مہر کے بغیر نکاح نہیں ہوتا مگر نبی ﷺ اس سے مستثنیٰ ہیں۔''

مزید برآں امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"الخامس :ألنکاح بلفظ الهبة . . . .

السادس : ألنکاح بغیر ولی . . . .

السابع :ألنکاح بغیر صداق . "۵

''اس آیت سے کافی باتیں ثابت ہوتی ہیں: پانچویں بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا نکاح ہبہ کے الفاظ کے ساتھ ہو جاتا ہے، چھٹی یہ کہ آپ ﷺ کے نکاح میں عورت کے لئے ولی لازمی نہیں، ساتویں یہ کہ آپ کو نکاح میں حق مہر دینا بھی واجب نہیں۔''

شیخ محمد طاہر بن عاشور اس آیت کی تفسیر اس انداز سے کرتے ہیں۔

"وهذا یقتضی إن لم یتول أخوها أبو أحمد تزویجها فتکون هذه خصوصیة للنبی ﷺ۔"ولم یذکر فی روایات أن النبی ﷺ أصدقها فعده بعض أهل السیر من خصوصیاته للنبی ﷺفیکون فی تزوجها خصوصیتان نبویتان"۶

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے (نبی اکرم ﷺ سے نکاح میں) بھائی ابواحمد کا ام سلمہ کا ولی نہ بننا اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے ولی کا نہ ہونا آپ کی خصوصیات سے ہے۔ اسی طرح روایات میں اس امر کی وضاحت بھی نہیں ہے کہ آپ نے اپنے نکاح میں مہر ادا کیا تھا۔ چنانچہ علماء اور سیرت نگاروں نے ان دونوں باتوں کو نبی اکرم کے لئے خصوصی اجازت قرار دیا ہے: ولی کے بغیر عورت سے نکاح کرنا اور بغیر مہر کے۔''

علامہ زیلعی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"أن نکاح النبی ﷺلا یفتقر إلی ولی و تزویج زینب بنت جحش یدل علی ذلك"۷

''نبی کریم ﷺ نکاح میں ولی کے محتاج نہیں ہیں جیسا کہ حضرت زینب بنت جحش سے نکاح اس پر دلالت کرتا ہے۔''

جبکہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ اس طرح لکھتے ہیں:

"فأما نکاح النبی ﷺبغیر ولی وغیر شهود فمن خصائصه فی النکاح فلا یلحق به غیره"۸

''پس جہاں تک نبی اکرم ﷺ کے بغیر ولی اور بغیر گواہوں کے نکاح کرنے کا تعلق ہے تو آپ ﷺ کی خصوصیت میں سے ہے اور کوئی دوسرا اس میں شامل نہیں ہوسکتا۔''

دور جدید میں جامعہ ازہر قاہرہ کے قانون اسلامی کے پروفیسر شیخ احمد المراغی فرماتے ہیں:

"لان له ﷺ ان یتزوج بغیر صداق ولا ولی ولا شهود کما فی قصة زینب بنت جحش رضی الله عنها"۹

کیونکہ نبی اکرم ﷺ کیلئے جائز ہے کہ آپ بغیر مہر، ولی، اور گواہوں کے نکاح کر لیں جیسا کہ زینب بنت جحش کے قصہ میں ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے علاوہ تمام مردوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت کے ولی کی اجازت کے ساتھ نکاح کریں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ... وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا﴾[10]

مذکورہ آیت میں جب مردوں کو حکم دیا تو کہا کہ وہ مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کریں لیکن عورتوں سے بلاواسطہ خطاب نہیں کیا بلکہ ان کے مردوں (ولیوں) کو حکم دیا کہ وہ اپنی عورتوں کو مشرکوں کے نکاح میں نہ دیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر عورت اپنا نکاح خود کر سکتی تو اللہ تعالیٰ عورتوں کو ہی حکم دیتے کہ تم مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو۔ مردوں کو حکم دینے کا مطلب ہی یہی ہے کہ عورت اپنے نکاح کا معاملہ خود نہیں بلکہ مرد کے ذریعے کرواسکتی ہے اور اصول بھی یہی ہے کہ مخاطب اسی کو کیا جاتا ہے جس کے پاس کوئی اختیار ہو جیسا کہ جمہور فقہاء کا مسلک ہے۔ اور صحیح احادیث سے بھی اس مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لا تزوج المراة المراة ولا تزوج المراة نفسها »[11]

- تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم محدثین، جمہور فقہاء اور ائمہ امت کا موقف یہی ہے۔
- امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب من قال لا نکاح إلا بولی" کے عنوان سے باب باندھ کر، بطور تائید ان آیات کا تذکرہ کیا ہے:

﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا﴾[12]

اور ﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ﴾[13]

جو اس بات کی دلیل ہیں کہ عورت کیلئے ولی کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ مرد کو مخاطب کیا گیا ہے عورت کو نہیں۔[14]

- محمد یوسف علی اندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ﴾القراء . . . بضم التاء والخطاب للأولياء . . . ونهى هنا للتحريم وقد استدل بهذا الخطاب على الولايه فى النكاح وان ذلك نص فيها۔[15]

"ولا تنكحوا" میں تاء پر پیش پڑھنے (جو کہ مردوں کو مخاطب کرنے والا لفظ ہے) پر تمام ائمہ قراء کا اتفاق ہے۔ اور یہاں عورتوں کیلئے ان کے ولیوں کو مخاطب کیا جا رہا ہے اور اس خطاب سے یہ دلیل لی گئی ہے کہ نکاح میں ولایت لازمی ہے اور یہ آیت اس بارے میں صریح ہے۔"

- امام قرطبی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"الثانيه فى هذه الآيه دليل بالنص على أن لا نكاح إلا بولى...... فلم يخاطب تعالى بالنكاح غير الرجال ولوكان إلى النساء لذكرهن"[16]

اس آیت میں اس امر پر باقاعدہ نص سے دلیل ہے کہ ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں واضح ہونا چاہیے کہ اللہ تعالی نے کسی مقام پر مردوں کو چھوڑ کر کسی اور کو نکاح کا حکم نہیں دیا اگر یہ عورتیں اپنا نکاح خود کر سکتیں تو کسی بھی مقام پر اللہ انہیں حکم دیتے۔

- علامہ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں

"هذا خطاب للأولياء لا للنساء"[17]

"یہاں خطاب عورتوں کے ولیوں کو ہے۔ عورتوں کو نہیں کیونکہ نکاح عورتیں خود نہیں کر سکتی بلکہ ان کے ولی سرانجام دیتے ہیں۔"

- اسی طرح علامہ رشید رضا رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر اس انداز سے کرتے ہیں:

"والتعبير تنكحوا و تنكحوا (بفتح التاء و ضمها)يشعر بأن الرجال هم الذين يزوجون أنفسهم و

یزوجون النساء اللواتی یتولون أمرھن وأن المرأۃلا تزوج نفسھا بالاستقلال و لا بد من الولی" ۱۸

"تنکحوا کے بعد خصوصی اہتمام سے تاء مضموم کے ساتھ تنکحوا لانے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ صرف مرد حضرات ہی ہیں جو اپنا یا اپنی زیرنگرانی عورت کا نکاح کر سکتے ہوں اور عورت اپنا نکاح خود نہیں کرسکتی کیونکہ عورت کے لئے ولی ازبس ضروری ہے۔"

عورت کے لئے ولی کا ضروری ہونا، درج ذیل آیت کریمہ سے بھی ثابت ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ ۱۹

یعنی کہ بے شوہر عورتوں کا نکاح کروا دیا کرو۔ اس آیت میں بھی عورتوں کو خود نکاح کر لینے کا حکم نہیں دیا بلکہ مردوں کو خطاب کیا ہے کہ وہ عورتوں کے نکاح میں ولی کے فرائض سرانجام دیں۔

◉ اور امام بخاری رحمہ اللہ کا "باب من قال لانکاح إلا بولی" کے بعد، اس آیت کا بطور تائید تذکرہ بھی اسی مؤقف کو لازم کرتا ہے۔ ۲۰

◉ امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر اس انداز سے کرتے ہیں:

"وفی ھذا دلیل علی أن المرأۃ لیس لھا أن تنکح نفسھا بغیر ولی وھو قول أکثر العلماء" ۲۱

"یعنی کہ عورت کا کوئی حق نہیں کہ وہ بغیر ولی کے اپنا نکاح خود کرلے اور یہی اکثر علماء کا مؤقف ہے۔"

مزید برآں، عورت کے نکاح کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے، درج ذیل آیت کریمہ سے بھی مترشح ہوتا ہے:

﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ۲۲

امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب من قال لا نکاح إلا بولی" کے عنوان سے باب باندھا ہے اور بطور تائید اس آیت کا تذکرہ کرنے کے بعد حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کا تفصیلی واقعہ ذکر کیا ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ان (معقل بن یسار رضی اللہ عنہ) کی بہن کو طلاق دینے کے بعد اس کے پہلے شوہر نے ان سے دوبارہ نکاح کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے اپنی بہن کی مرضی کے خلاف ناراضگی کا اظہار کیا اور قسم کھائی کہ اب اللہ کی قسم میں اسے دوبارہ تمہارے نکاح میں نہیں دوں گا۔ لیکن مذکورہ آیت کے نزول کے بعد حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے قسم کا کفارہ ادا کرتے ہوئے اپنی بہن کا نکاح اس کے سابقہ خاوند سے کر دیا۔ مذکورہ واقعہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ عورت کی خواہش کے باوجود اس کو نکاح کرنے کا اختیار نہیں دیا بلکہ ولی کو حکم دیا کہ وہ عورت کا نکاح کر دے۔ ۲۳

بعض لوگوں نے "فلا تعضلوھن" کے الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ عورتوں کو اپنا نکاح خود کر لینے دو لیکن یہ استدلال درست نہیں کیونکہ آیت کا شان نزول، نکاح میں ولی کے ضروری ہونے پر دلالت کرتا ہے اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے بھی مذکورہ آیت سے یہی مفہوم سمجھا ہے تبھی تو انہوں نے قسم کے باوجود اپنی بہن کا نکاح کر دیا، جیسا کہ "فزوجھا إیاہ" کے الفاظ سے صراحت موجود ہے۔

علاوہ ازیں، تمام مفسرین اور ائمہ کرام نے یہی مفہوم بیان کیا ہے بطور نمونہ چند اقتباسات ملاحظہ فرمایئے۔

◉ امام شافعی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

" وھذا ابین ما فی القرآن من أن للولی مع المراۃفی نفسھا حقا" ۲۴

اور یہ قرآن مجید میں اس موضوع پر واضح ترین دلیل ہے کہ (نکاح میں) ولی کا عورت کی ذات کے بارے میں واضح حق ہے۔

◉ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس آیت میں اس امر کی دلیل ہے کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کرسکتی اور نکاح بغیر ولی کے نہیں ہوسکتا چنانچہ ترمذی اور ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث وارد کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا 'عورت، عورت کا نکاح نہیں کرسکتی اور نہ عورت اپنا نکاح آپ کرسکتی ہے۔'' [۲۵]

◉ مزید برآں مشہور مفسر قرآن ابن جریر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اور اس آیت کریمہ میں اس شخص کی بات کے صحیح ہونے پر واضح دلیل ہے جس نے یہ کہا ہے کہ ولی جو عصبہ (نسبی رشتہ داروں) میں سے ہو، کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ [۲۶]

◉ مذکورہ مؤقف کی تائید میں قرآن کا ایک اور مقام بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے:

﴿قَالَ إِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِيْ ثَمَانِيَ حِجَجٍ﴾

یعنی حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر تو آٹھ سال تک میری خدمت میں رہے تو میں اپنی بیٹی تیرے نکاح میں دے دوں گا، گویا ''أُرِيْدُ أَنْ أُنْكِحَكَ'' کے الفاظ محل استشہاد ہیں الغرض امام قرطبی رحمہ اللہ کی تفسیر بھی، اسی مؤقف کی مؤید ہے، لکھتے ہیں:

"وفى هذه الآية دليل على أن النكاح إلى الولى لاحظ للمرأة فيه لأن صالح مدين تولاه و به قال فقهاء الأمصار۔ هذه الآية تدل على أن للأب أن يزوج ابنته البكر البالغ من غير إستئمار" [۲۷]

اور اس آیت میں دلیل ہے اس بات پر کہ بے شک نکاح کا اختیار ولی کی طرف ہے، اس میں عورت کا کوئی حصہ نہیں جیسا کہ مدین کے نیک آدمی (شعیب علیہ السلام) اپنی بیٹی کے ولی بنے تھے اور یہی جمہور فقہاء کا قول ہے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ باپ کا یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی بالغ بیٹی کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر (صرف خاموش رہنے پر) کرسکتا ہے۔

## نکاح کے لئے ولی کی ضرورت ............ از روئے حدیث

◉ باب من قال «لا نكاح إلا بولي» [۲۸]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے باب باندھ کر، مؤقف اختیار کیا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

پھر اپنے مؤقف کی تائید میں تین آیات قرآنیہ نقل کی ہیں پھر حدیث معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بطور دلیل پیش کی ہے بعد ازاں نبی کریم ﷺ کا درج ذیل فرمان نقل کیا ہے۔

"أن عائشة زوج النبیﷺ أخبرته أن النكاح فى الجاهلية كان على أربعة انحاء فنكاح منها نكاح الناس اليوم يخطب الرجل الى الرجل وَلِيَّتَهٗ او ابنته فَيُصْدِقُهَا ثم ينكحها ونكاح آخر ........ فلما بعث محمدﷺ بالحق هدم نكاح الجاهليه كلَّهٗ الا نكاح الناس اليوم" [۲۹]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ زمانہ جاہلیت میں نکاح چار طرح سے ہوتے تھے، ایک صورت تو یہی تھی جیسے آج کل لوگ کرتے ہیں، ایک شخص دوسرے شخص کے پاس اس کی زیر پرورش لڑکی یا اس کی بیٹی کے نکاح کا پیغام بھیجتا اور اس کا مہر دے کر اس سے نکاح کرتا، دوسرا نکاح یہ تھا کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے جب وہ حیض سے پاک ہوجاتی تو کہتا تو فلاں شخص کے پاس چلی جا اور اس سے منہ کالا کرالے اس مدت میں شوہر اس سے جدا رہتا اور اسے چھوتا بھی نہیں، پھر جب اس غیر مرد سے اس کا حمل ظاہر ہوجاتا جس سے وہ عارضی طور پر صحبت

کرتی رہتی، توحمل کے ظاہر ہونے کے بعد اس کا شوہر اگر چاہتا تو اس سے صحبت کرتا، ایسا اس لئے کرتے تھے، تا کہ ان کا لڑکا شریف اور عمدہ پیدا ہو۔ یہ نکاح نکاح استبضاع کہلاتا تھا، تیسری قسم نکاح کی یہ تھی کہ چند آدمی جو تعداد میں دس سے کم ہوتے کسی ایک عورت کے پاس آنا جانا رکھتے اور اس سے صحبت کرتے، پھر جب وہ عورت حاملہ ہوجاتی اور بچہ جنتی تو وضع حمل پر چند دن گزارنے کے بعد وہ عورت اپنے ان تمام مردوں کو بلاتی، اس موقع پر ان میں سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا تھا، چنانچہ وہ سب اس عورت کے پاس جمع ہوجاتے اور وہ ان سے کہتی کہ جو تمہارا معاملہ تھا وہ تمہیں معلوم ہے اور اب میں نے یہ بچہ جنا ہے، پھر وہ کہتی کہ اے فلاں یہ بچہ تیرا ہے وہ جس کا چاہتی نام لے دیتی اور وہ لڑکا اسی کا سمجھا جاتا وہ شخص اس سے انکار کی جرأت نہیں کرسکتا تھا، چنانچہ نکاح اس طور پر تھا کہ بہت سے لوگ کسی عورت کے پاس آیا جایا کرتے تھے، عورت اپنے پاس کسی بھی آنے والے کو روکتی نہیں تھی، یہ کسبیاں ہوتی تھیں، اس طرح کی عورتیں اپنے دروازوں پر جھنڈے لگائے رہتی تھیں جونشانی سمجھی جاتی تھی، جو بھی چاہتا ان کے پاس جاتا، اس طرح کی عورت جب حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی تو اس کے پاس آنے جانے والے جمع ہوتے اور کسی قیافہ جاننے والے کو بلاتے اور بچہ کا ناک نقشہ جس سے ملتا جلتا ہوتا، اس لڑکے کو اسی کے ساتھ منسوب کردیتے اور وہ بچہ اسی کا بیٹا کہا جاتا، اس سے کوئی انکار نہیں کرتا تھا پھر جب حضرت محمد ﷺ حق کے ساتھ رسول ہوکر تشریف لائے تو آپ نے جاہلیت کے تمام نکاحوں کو باطل قرار دے دیا، صرف اس نکاح کو باقی رکھا جس کا آج کل رواج ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا کیونکہ اللہ کے رسول نے اسی نکاح کو باقی رکھا ہے، جو دستور وقت کے مطابق رائج تھا۔

◉ « أيما امراة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل »

یہ حدیث مبارکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمیت، کثیر صحابہ کرام حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن عباس، ابوموسیٰ اشعری، اور عامر بن عبد اللہ قیس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مروی ہے اور ہر مقام پر اسکے روایوں کی ایک کثیر تعداد ہے۔ حدیث کی سات کتابوں میں سے اس حدیث کی ۳۵ سے زائد سندیں ملی ہیں۔ بطور مثال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث پیش کی جاتی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

« أيما إمرأةلم ينكحها الولى فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل فإن أصابها فلها مهرها بما أصاب منها فان اشتجروا فالسلطان ولى من لا ولى له» ۳۰

''جس عورت کا نکاح اسکے ولی نے نہیں کیا تو اسکا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔ اگر ولیوں میں جھگڑا ہوتو سلطان ولی ہے جسکا کوئی ولی نہیں۔''

## اس حدیث کے بارے میں محدثین کے اقوال

◉ علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ حدیث: «لا نكاح إلا بولى» 'حسن' (معتبر) ہے اور کئی محدثین نے اس کو صحیح کہا ہے۔'' ۳۱

◉ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر حکم لگایا ہے ''هذا حديث حسن'' ۳۲ یہ حدیث حسن ہے۔

◉ علامہ ذیلعی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"وقد صحت الرواية فيه عن ازواج النبىﷺعائشه و ام سلمه، و زينب بنت جحش وقد صحت الروايات عن ائمه الاثبات بسماع الرواةبعضهم من بعض، فلا تعلل هذه الروايات" ۳۳

''ولی کے بغیر ہونے والے نکاح کے باطل ہونے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی روایات صحیح اور قابل اعتماد ہیں۔اسی طرح اس حدیث کی مختلف ائمہ محدثین سے روایات بالکل صحیح ہیں اور ان روایات میں کسی نقص کا احتمال نہیں ہے۔''

اس کے علاوہ نامور محدثین ابوعوانہ، ابن خزیمہ، ابن حبان اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔٣٤

## ''نکاح کے لئے ولی کی ضرورت'' خلفائے راشدین کے فیصلوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی روشنی میں

### خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اقوال اور فیصلے

- حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”لا تنكح المرأة إلا باذن وليها أو ذى الراى من أهلها أو السلطان“٣٥

''کوئی بھی عورت اپنے ولی یا گھر کے سرپرست یا سلطان کے بغیر اپنا نکاح نہ کرے۔''

- عمرو بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”لا تنكح المرأة إلا باذن وليها وإن نكحت عشرة أو بإذن سلطان“٣٦

''عورت کا اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں۔اگرچہ وہ دس بار بھی اپنا نکاح کرے۔یا حاکم کی اجازت کے بغیر۔''

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں بغیر ولی کے نکاح کا واقعہ پیش آیا تو آپ نے فریقین کو کوڑے لگوائے۔چنانچہ حضرت عکرمہ بن خالد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”جمعت الطريق ركبا فجعلت امرأةمنهم ثيب أمرها بيدرجل غير ولي فانكحها فبلغ ذلك عمر فجلد الناكح والمنكح ورد نكاحها“ ٣٧

''کسی راستے میں ایک قافلہ ٹھہرا۔ایک ثیبہ (شوہر دیدہ) عورت نے ولی کے علاوہ کسی اور شخص کو اپنا معاملہ سپرد کر دیا اور اس نے اس کا کسی شخص سے نکاح کرا دیا حضرت عمر کو اطلاع ملی تو آپ نے نکاح کرنے والے اور نکاح کرانے والوں کو کوڑے مارے اور یہ نکاح مسترد کر دیا۔''

الغرض اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعدد فیصلے کتب احادیث میں موجود ہیں، جن کی تفصیل طوالت کا باعث ہوگی۔

### خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے اقوال اور فیصلے

- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”الولى :ويشترط فى نكاح المرأةرضى الولى لقولهﷺلا نكاح إلا بولي وشاهدى عدل ويجوز للولي أن يوكل غيره فى تزويج ابنته فقد روى أن رجلا من العرب ترك ابنته عند عمروقال إذا وجدت لها كفوا فزوجه اياها ولو بشراك نعله فزوجها عمرمن عثمان بن عفان فولدت له عمروا فهي أم عمرو بنت جندب“٣٨

''ولی کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کے فرمان ''لانكاح إلا بولي'' کی وجہ سے ولی کی رضا مندی لازمی ہے۔اور ولی کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیٹی کا نکاح کرنا کسی دوسرے کے سپرد کر دے۔روایات میں ہے کہ عرب میں سے ایک آدمی نے اپنی بیٹی کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس یہ کہہ کر چھوڑا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ جب آپ میری بیٹی کے مناسب حال کوئی رشتہ دیکھیں تو اس کا نکاح کر دیں اگرچہ حق مہر بہت ہی

معمولی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کی بیٹی کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کردیا بعد میں اسی لڑکی کے ہاں عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ نے جنم لیا اور یہ عورت ام عمرو بنت جندب کی کنیت سے معروف ہوئی۔''

## خلیفہ چہارم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اقوال اور فیصلے

⦿ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لا نكاح إلا بإذن ولي فمن نكح أو أنكح بغير إذن ولي فنكاحه باطل" ۳۹

''ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا پس جس نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا یا کروایا پس اس کا نکاح باطل ہے۔''

⦿ امام شعبی رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"ما كان أحد من أصحاب رسول الله أشد في النكاح بغير ولي من علي وكان يضرب فيه" ۴۰

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر بغیر ولی کے نکاح کے بارے میں کوئی بھی زیادہ سخت نہ تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسا کرنے والے کو مارتے تھے۔''

⦿ امام شعبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

"أن عمر وعليا وشريحا ومسروقا قالوا: 'لا نكاح إلا بولي" ۴۱

''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، شریح رضی اللہ عنہ اور مسروق رحمہ اللہ سب کا موقف یہ ہے کہ''لا نكاح إلا بولي"

## خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

⦿ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ایک فیصلہ امام شافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب 'الام' میں تحریر کرتے ہیں:

"قال عمرو بن دينار نكحت إمرأةبني بكر بن كنانة يقال لها بنت أبي ثمامه فكتب علقمة العتواري إلى عمر بن عبدالعزيز وهو بالمدينه إني وليها وأنهانكحت بغير امري فرده عمر وقد أصابها" ۴۲

''عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی بکر بن کنانہ کی ایک عورت (بنت ابی ثمامہ) نے نکاح کیا تو علقمہ العتواری نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ میں اسکا ولی ہوں اور اس نے میری اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرلیا ہے چنانچہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس عورت کے نکاح کو رد کردیا حالانکہ اس کا خاوند اس سے جماع کر چکا تھا۔''

## دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی آراء اور فیصلے

میمون بن مہران کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

"البغايا اللائی يتزوجن بغير ولي قال لا بد من اربعة خاطب وولي وشاهدين" ۴۳

''بدکار عورتیں وہ ہیں جو ولی کے بغیر نکاح کرتی ہیں۔ مزید فرمایا کہ نکاح میں چار افراد لازمی ہیں۔ لڑکا، لڑکی کا ولی، اور دو گواہ۔''

⦿ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ذکر کرتے ہیں:

"إنه كان يقول لا تلی امرأةعقدة النكاح" ۴۴

''آپ فرمایا کرتے تھے کہ عورتیں عقد نکاح کو منعقد نہیں کرسکتیں۔''

⦿ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی:

''عورت کو نہ تو اپنی شادی کرنے کا اختیار ہے نہ ہی کسی اور کی اور نہ ہی شادی کے لئے ولی کے سوا کسی دوسرے کو اپنا وکیل بنانے کا اختیار۔ اگر وہ ایسا کرے گی تو نکاح درست نہ ہوگا۔'' ۴۵

اگر کسی عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو قاضی اس کا ولی ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے متعلق جس نے کسی مرد کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا ہو فرمایا کہ یہ شخص اس نومسلم خاتون کا اس وقت تک کسی سے نکاح نہ کرائے گا جب تک سلطان یا قاضی وغیرہ کے پاس نہ لے جائے۔

◉ امام ثوری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

"سئل ابن عمر عن امرأة لها جاريه أتزوجها قال لا ولكن لتامر وليها فليزوجها" ۴۶

''ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا، ایسی عورت کے بارے میں جس کی کوئی لڑکی ہو کیا وہ اس کا نکاح کر سکتی ہے۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس عورت کو چاہیے کہ لڑکی کے ولی کی طرف معاملے کو لوٹائے اور وہ اس کا نکاح کرے۔''

◉ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إذا أرادت المرأة أن تنكح جاريتها أرسلت إلى وليها فليزوجها" ۴۷

''جب کوئی عورت چاہتی کہ لڑکی کا نکاح کرے تو اس کے ولی کی طرف معاملے کو بھیجتی تا کہ اس کا ولی اس کا نکاح کرے۔''

◉ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كنا نتحدث ان التى تنكح نفسها هى الزانيه" ۴۸

''ہم کہا کرتے تھے کہ وہ عورت جو اپنا نکاح خود کرے، وہ زانیہ ہوتی ہے۔''

◉ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"أن التى تنكح نفسها هى البغى قال ابن سيرين و ربما قال أبو هريرة هى الزانيه" ۴۹

''بیشک جو عورت اپنا نکاح خود کرے وہ فاحشہ ہے اور ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کبھی کبھی حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ وہ عورت زانیہ ہے۔''

## تمام صحابہ کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ''ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا''

◉ امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"قوله: "لا نكاح إلا بولي" وقد ذهب إلى هذا على و عمر و ابن عباس و ابن عمر و ابن مسعود و أبوهريرة وعائشة و الحسن البصرى وابن المسيب و ابن شبرمه وابن ابى ليلى والعترة وأحمد و إسحق والشافعى و جمهور أهل العلم فقالو لا يصح العقد بدون ولي قال ابن المنذر إنه لا يعرف عن أحدمن الصحابه خلاف ذلك" ۵۰

''اور ان کا فرمان: ''کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے۔'' اس قول کے قائلین میں (صحابہ میں سے) حضرت علی رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (تابعین میں سے) حسن بصری رحمہ اللہ، ابن مسیّب رحمہ اللہ، ابن شبرمہ رحمہ اللہ، ابن ابی لیلی رحمہ اللہ، عترہ رحمہ اللہ، ائمہ دین میں سے امام احمد رحمہ اللہ، امام اسحاق رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور اہل علم شامل ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا...... ابن منذر کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا...... گویا عورت کا نکاح ولی

کے بغیر نہ ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع ہے۔''

اسی طرح امام ابن قدامہ رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں:

"أن النكاح لا يصح إلا بولي ولا تملك المرأة تزويج نفسها ولا غيرها ولا توكيل غير وليها تزويجها فإن فعلت لم يصح النكاح روى هذا عن عمر، وعلى، وابن مسعود، وابن عباس، وابى هريرة و عائشه رضى الله عنهم، وإليه ذهب سعيد بن المسيب والحسن و عمر بن عبدالعزيز و جابر بن زيد و الثورى وابن أبى ليلى و ابن شبرمه وابن المبارك وعبيد عنبرى والشافعي وإسحاق و أبو عبيد وروى عن ابن سيرين و قاسم بن محمد والحسن بن صالح وأبى يوسف: لا يجوز لها ذلك بغير إذن الولي فإن فعلت كان موقوفا على أجازته"[51]

''بے شک نکاح ولی کے بغیر صحیح نہیں ہوتا اور عورت خود اپنا نکاح یا کسی دوسری عورت کا نکاح کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی، اپنے ولی کے بغیر اگر وہ ایسا کرے گی تو نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ یہ مذہب (صحابہ میں سے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابوھریرہ رضی اللہ عنہ، اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔ اور اسی طرف (تابعین میں سے) سعید بن مسیّب رحمہ اللہ، حسن بصری رحمہ اللہ، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ، جابر بن زید رحمہ اللہ، (ائمہ میں سے) امام ثوری رحمہ اللہ اور ابن ابی لیلی رحمہ اللہ، ابن شبرمہ رحمہ اللہ، ابن مبارک رحمہ اللہ، عبید اللہ العنبری رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام اسحاق رحمہ اللہ اور ابوعبید رحمہ اللہ گئے ہیں۔ اور ابن سیرین رحمہ اللہ، قاسم بن محمد رحمہ اللہ، حسن بن صالح رحمہ اللہ، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ عورت کے لئے یہ کام (نکاح بغیر ولی کی اجازت کے) جائز نہیں ہے۔ اگر عورت ایسا کرے گی تو ولی کی اجازت تک اس کا نکاح واقع نہیں ہوگا۔''

◉ حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ یوں موجود ہے:

"قال جاء ت إمرأة إلى جابر بن زيد فقالت:إنى زوجت نفسى فقال إنك لتحدثينى إنك لزنيت فسفعت برهة ثم انطلقت"[52]

''جابر بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میں نے اپنا نکاح خود کرلیا ہے۔ تو جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کیا تم مجھے یہ بتانا چاہتی ہو کہ تم نے زنا کرلیا ہے۔ اس عورت نے یہ جواب سن کر اپنے منہ پر افسوس سے تھپکا اور کچھ دیر کھڑی رہی اور پھر چلی گئی۔''

## ائمہ تابعین رحمہم اللہ کے اقوال

◉ **امام محمد** رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ 'کوئی عورت کسی دوسری عورت کا نکاح نہ کرے...... اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''لا تشهد المرأة يعنى الخطبة ولا تنكح"[53]

''یعنی عورت کو عقد نکاح پر گواہ نہ بنایا جائے اور نہ ہی عورت کسی کا نکاح کرے۔''

◉ خلیفۃ المسلمین، عبدالملک بن مروان نے ایک فیصلہ یوں کیا:

"نكحت بنت حسين إبراهيم بن عبد الرحمن بن عوف بغير إذن وليها، أنكحت نفسها، فكتب هشام بن إسماعيل إلى عبد الملك، فكتب :إن فرق بينهما، فإن كان دخل بها فلها مهرها، بما استحل منها، وإن لم يدخل بها خطبها مع الخطاب" [54]

’’حسین ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کی بیٹی نے بغیر ولی کی اجازت کے اپنا نکاح خود کر لیا، تو ہشام بن اسماعیل نے عبدالملک بن مروان کی طرف یہ مسئلہ لکھا، توانہوں نے جواب تحریر کیا کہ دونوں میں جدائی کروا دی جائے ۔ اگر ہم بستری ہو چکی ہوتو عورت کو مہر ملے گا اور اگر ہم بستری نہیں ہوئی تو یہ حکم اس کو سنا دیا جائے۔‘‘

- اشعث، مشہور تابعی شعبی رحمہ اللہ کا یہ قول ذکر کرتے ہیں:

”قال لا تنكح المرأةإلا بإذن وليها فإن لم يكن لها ولي فالسلطان......ولا ينكحها وليها إلا باذنها“ ۵۵

’’عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح نہ کرے۔ اگر اس کا ولی حیات نہ ہوتو حاکم کی اجازت کے بغیر...... ایک اور جگہ مزید فرمایا کہ عورت کا ولی اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح ہرگز نہ کرے۔‘‘

- حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اس مسئلے میں فرماتے ہیں:

”عن أيوب في إمرأةلا ولي لها ولت رجلا امرها فزوجها قال كان ابن سيرين يقول:لابأس به المومنون بعضهم أولياء بعض وكان الحسن يقول:يفرق بينهاوإن أصابهاوإن لم يكن لها ولي فالسلطان“ ۵۶

’’ایوب رحمہ اللہ سے ایسی عورت کے بارے میں روایت ہے جسکا نہ تو کوئی ولی زندہ رہے اور نہ خود کسی آدمی کو اپنا ولی مقرر کرے، تو ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ مومن ایک دوسرے کے ولی ہیں اور حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی باوجود یہ کہ خاوند ہم بستری کر چکا ہو۔ کیونکہ اگر عورت کا ولی زندہ نہیں رہا تو پھر حاکم وقت اس کا ولی ہے، ہر آدمی ولی نہیں۔‘‘

## ’’نکاح کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے‘‘ فقہاء اربعہ کا مؤقف

### شافعیہ کا مسلک

- امام شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”فأي إمرأة نكحت بغير إذن وليها فلا نكاح لها لأن النبيﷺ قال فنكاحها باطل“۵۷

’’جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا کوئی نکاح نہیں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس بارے میں فرمایا ہے کہ اس کا نکاح باطل ہے۔‘‘

شافعیہ کے امام ابوبکر بن محمد حسینی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ولا يصح عقد النكاح إلا بولي ذكر...... فلا تصح عبارةالمرأة في النكاح إيجابا و قبولا تزوج نفسها بإذن الولي ولا بغير إذنه ولا غيرها بولايه ولا بوكاله للأخبار“۵۸

’’اور کوئی نکاح صحیح نہیں ہوتا مذکر ولی کے بغیر...... پس نکاح کی عبارت میں عورت کی طرف سے ایجاب وقبول میں بھی کوئی اعتبار نہیں۔ عورت ولی کی اجازت کے باوجود اپنا نکاح خود نہیں کرسکتی (بلکہ ولی ہی اس کا نکاح سرانجام دے گا۔‘‘

### وضاحت

عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ ایجاب وقبول جو نکاح کا صیغہ (مخصوص قانونی لفظ) ہے اس میں لفظ ایجاب کا معنی ہی یہ ہے کہ ولی نکاح کے لئے لڑکی کی طرف سے اجازت کی پیش کش کرے اور شوہر لفظ ’قبول‘ کے ساتھ منظور کر لے تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہوا

کہ عقد نکاح میں فریق لڑکی کا ولی اور لڑکا ہوتے ہیں۔ لڑکی جو فی الواقع تو نکاح میں فریق ہے لیکن عقد نکاح میں نہیں اس کی طرف سے یہ ذمہ داری ولی سرانجام دیتا ہے، اس کی رضا مندی حاصل کر کے۔

## مالکیہ کا مسلک

⊙ امام مالک رحمہ اللہ اپنی کتاب المدونة الکبریٰ میں ،''لا يحل بغير ولي'' کے عنوان کے تحت اوپر ذکر ہونے والی احادیث کے تذکرہ کے بعد فرماتے ہیں:

"قال مالك في المرأة يفرق بينها و بين زوجها دخل بها أولم يدخل بها إذا زوجها غير ولي" ۵۹

''امام مالک رحمہ اللہ اس عورت کے بارے میں فرماتے ہیں جس کا نکاح ولی کے علاوہ کوئی اور کر دے کہ اس عورت کے اور اس کے خاوند کے درمیان جدائی کرا دی جائے گی۔ چاہے خاوند نے اس سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو۔''

⊙ مالکی مذہب کے مشہور امام علامہ صالح عبدالسمیع الازھری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"وركنه ولي و صداق......(وركنه) أي النكاح عام للأركان الأربعه أى التي يتوقف وجود عليها...... (ولي) للمرأةبشروطه الآتيه فلا ينعقد نكاح بدونه" ۶۰

''نکاح کا رکن ولی اور مہر ہے......نکاح کا رکن یعنی نکاح کے واقع ہونے کے لئے چار ارکان ضروری ہیں۔ جن پر نکاح کا وجود موقوف ہے...... ولی عورت کے لئے آئندہ آنے والی شرائط کے ساتھ، پس نکاح ولی کے بغیر منعقد نہیں ہوسکتا۔''

## حنابلہ کا مسلک

⊙ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"ولنا أن النبي ﷺ قال:لا نكاح إلا بولي رواه عائشه ، و ابو موسى ، وابن عباس ، قال المروزي سألت أحمد بن حنبل ويحيى عن حديث (لا نكاح إلا بولي )فقالا صحيح" ۶۱

''اور ہمارا (حنابلہ) مسلک یہ ہے کہ بے شک نبی ﷺ نے فرمایا کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ اس کو عائشہ رضی اللہ عنہا، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ امام مروزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور یحییٰ رحمہ اللہ سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو ان دونوں نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔''

⊙ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے:

"عن النبي ﷺ قال: لانكاح إلا بولي والسلطان ولي من لا ولي له" ۶۲

''نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ولی کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا اور حاکم اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔''

## احناف کا مسلک

"الجوهرة النيرة شرح قدوري" میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ کا مذہب یوں ذکر کیا گیا ہے:

"وعن أبي يوسف أنه لا ينعقد إلا بولي و عند محمد ينعقد موقوفا على أجازة الولي ثم إذا إنعقد

موقوفا على قول محمد لا يجوز إلا بإجازة الولي فإن إمتنع من الإجازةلم يجز إجازة الحاكم بل يسقط الحاكم ولاية الولي و يعقد عليها عقدا مستانفا و بطل العقد المتقدم ...... وقال أبو يوسف إذا إمتنع الولي من الإجازة إجازة الحاكم يعنى أن الحاكم يأمر الولي أولا باالإجازة فإن أبا قضى عليه بالعضل و يجيزه الحاكم" ٦٣

''امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نکاح ولی کے بغیر واقع نہیں ہوتا۔امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح ولی کے بغیر واقع تو ہوجاتا ہے لیکن ولی کی اجازت تک عملاً جاری نہیں ہوتا۔ اگر ولی اجازت دینے سے انکار کردے تو پھر حاکم وقت بھی عورت کو اجازت نہیں دے سکتا البتہ حاکم وقت ولی کے خیر خواہ نہ ہونے کی صورت میں، ولی کی ولایت کو ختم کر کے نیا نکاح کرسکتا ہے اوراس طرح ولی کی اجازت کے بغیر واقع ہونے والا پہلا نکاح ختم ہوجائے گا جبکہ امام یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں جب ولی اجازت دینے سے انکار کردے تو حاکم پہلے تو ولی کو اجازت دینے کا حکم دے گا اگر ولی اجازت نہ دے تو ولی کو بے کار قرار دے کر خود اجازت جاری کردے گا۔''

حنفی فقہ کی مشہور کتاب ''تحفه الفقهاء'' میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ کا مسلک یوں منقول ہے:

"وقال أبو يوسف و محمد والشافعى بأن لهم ولاية التزويج فى حق الكبيرة العاقلة لكن إختلفوا فيما بينهم فيما إذا زوجت نفسها من غير إذن الولي: قال الشافعى: لايجوز أصلا، ولا يتوقف على إجازة الولى وقال محمد: يتوقف على إجازة الولى، ولا نفاذله للحال۔ حتى لو وطئها يكون وطئا حراما، وليس فيه طلاق ولا ظهار ولو ماتا لم يتوارثا، وعن أبى يوسف روايتان فى رواية إذا مات أحدهما قبل أن يجيزه الولي، والزوج كف ء يتوارثان وفى رواية الحسن عنه: إنهما لا يتوارثان، كفئا كان أو غير كف ء" ٦٤

''امام ابو یوسف رحمہ اللہ، امام محمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ عاقلہ اور بالغہ لڑکی کے نکاح میں ولی کا ہونا ضروری ہے لیکن اس بارے میں تینوں اماموں کی تعبیر میں اختلاف ہے کہ اگر لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے تو کیا کیا جائے۔امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لڑکی کے لئے ایسا قطعاً جائز نہیں۔ اگر اب ولی اجازت بھی دے دے تو نکاح نہیں ہوگا۔امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ولی کی اجازت کا انتظار کیا جائے گا اور عملاً نکاح کے احکام لاگو نہ ہوں گے۔حتیٰ کہ اگر خاوند بیوی سے جماع کرلے تو یہ فعل حرام ہوگا اس صورت میں طلاق، ظہار وغیرہ کا بھی کوئی سوال نہیں۔ اگر فریقین میں سے کوئی ایک مر جائے تو دونوں آپس میں وارث بھی نہ ہوں گے۔امام یوسف رحمہ اللہ سے اس کے دو جواب مروی ہیں...... ایک جواب تو یہ ہے کہ ولی کی اجازت سے پہلے کوئی ایک مر جائے اور خاوند کفو (ہمسر) ہوتو وراثت کے احکام جاری ہوں گے اور دوسری روایت میں ہے کہ خاوند کفو ہو یا غیر کفو۔ وراثت کے کوئی احکام جاری نہیں ہوں گے۔''

## امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف

'جامع المسانید' میں امام صاحب نے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ذکر کیا ہے:

"لا نكاح إلا بولي وشاهدين من نكح بغير ولي و شاهدين فنكاحه باطل" ٦٥

''نبی ﷺ نے فرمایا: کہ ولی اور دو گواہوں کے بغیر کوئی نکاح نہیں جس کسی نے ولی اور دو گواہوں کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے۔''

- امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف حدیث رسول ﷺ کے بارے میں یہ ہے:

"أتركوا قولى بخبر رسول الله ﷺ إذا صح الحديث فهو مذهبى" ٦٦

''نبی کریمﷺ کی حدیث کے مقابلے میں میری بات کو چھوڑ دو: صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے۔''

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا 'جامع المسانید' میں یہ حدیث: "لا نكاح إلا بولي" خود روایت کرنا اور صحیح حدیث کو اپنا مذہب قرار دینا واضح کرتا ہے اس مسئلے پر امام صاحب کا مؤقف کیا ہوگا۔ اسی حدیث کی بنیاد پر نامور حنفی علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے 'لا نكاح إلا بولي' کو آپ کا موقف بتایا ہے جیسا کہ یہی بات امام صاحب کے دوسرے شاگرد حسن بن زیاد رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے۔ جو کہ درج ذیل ہے۔

◉ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف ان کے دو شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ اور حسن بن زیاد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نکاح میں ولی کے نہ ہونے پر یہ رائے بھی رکھتے ہیں کہ نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ان کے شاگرد حسن بن زیاد رحمہ اللہ نے آپ سے روایت کیا ہے کہ 'اگر لڑکی غیر کفو میں ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔'' ۶۷

◉ امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"فأما ابو حنيفه فقال إذا وضعت نفسها فى كفائة ولم تكسر فى نفسها فى صداق فالنكاح جائز ومن حجته قول عمر فى هذا الحديث أو ذى الرأى من أهلها أنه ليس بولي وقد أجاز نكاحه لأنه إنما أراد أن لا تكسر فإذا فعلت هى لك جاز" ۶۸

''امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ اگر اس کے اور ولی کے درمیان اختلاف ہو تو بادشاہ اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا کہ جب کوئی عورت اپنے کفو میں شادی کرے اور مہر مثل میں کمی نہ کی ہو تو نکاح جائز ہے۔ اس بارہ میں ان کی دلیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے 'أو ذى الرأى من أهلها' (یعنی گھر میں سے کسی اہم فرد کو نکاح میں ولی بنالے) حالانکہ وہ ولی نہیں، لیکن اس کے نکاح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جائز قرار دیا۔ اس لئے کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ عورت مہر میں کمی نہ کرے۔ جب یہ کرے تو نکاح جائز ہے۔''

غور فرمایئے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دونوں شاگردوں نے آپ کا موقف کیا بیان کیا ہے...... امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ نے تو ولی کے بغیر ہونے والے نکاح کا ناقابل اعتبار ہونا امام صاحب کا موقف بتایا ہے جبکہ امام محمد رحمہ اللہ نے اصل ولی کے علاوہ گھر میں سے کسی با اثر کا، عورت کا نکاح کر دینا، امام صاحب سے صحیح بیان کیا ہے۔ اور اس میں امام صاحب کی دلیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مذکور قول ہے۔

ثابت ہوا کہ امام صاحب کے موقف میں اصل ولی (والد) کی بجائے گھر کے کسی صاحب الرائے کا، عورت کا نکاح کر دینے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ جس کا مطلب قطعاً یہ نہیں بنتا کہ عورت اپنا نکاح پورے خاندان کو چھوڑ کر خود کرتی پھرے۔

## امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف نامور حنفی علماء کی زبانی

عورت کے نکاح کے لئے ولی کی ضرورت سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک اعتدال پر مبنی ہے۔ جس میں ولی اور لڑکی دونوں کے مفادات کا تحفظ کیا گیا ہے۔

◉ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ جب ولی اور عورت کی رائے میں تضاد پایا جائے تو عورت کی رضامندی کی اہمیت ہوگی اگرچہ عورت اپنے ولی کی رضا حاصل کرنے کی پابند ہے اس طرح ولی عورت کی رضا مندی حاصل کرنے کا بھی پابند ہے۔ معاملے کی

نزاکت کے پیش نظر دونوں کی رضا مندی انتہائی ضروری ہے اور کسی کی ہٹ دھرمی قابل قبول نہیں۔''

مزید لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ حدیث «لا نكاح إلا بولي» حسن (معتبر) ہے اور کئی محدثین نے اس کو صحیح بھی کہا ہے۔ اس مسئلہ میں تحقیق پر مبنی رائے یہ ہے جو بحث وتمحیص کے بعد ثابت شدہ ہے کہ شریعت میں ہر وہ کام جو جماعت سے تعلق رکھتا ہو اس میں طرفین کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ جبکہ احادیث دونوں طرف وارد ہیں۔ لہٰذا نظام کو قائم رکھنے کا بہتر اور صحیح طریقہ یہی ہے کہ طرفین کی احادیث کو جمع کر کے دونوں کے مقصود پر عمل کیا جائے۔ ایسی صورتوں میں سے ایک نکاح بھی ہے۔ اس میں دونوں طرح کی احادیث وارد ہیں جب عورتوں کو مخاطب کیا تو انہیں بتایا کہ ان پر ان کے اولیاء کا حق ہے۔ حتیٰ کہ یہ خطرہ ہو گیا کہ عورتوں کا کوئی حق باقی نہیں رہا، جیسا کہ اس حدیث میں ہے: «أيما إمرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل» ''اس تکرار کا مقصد ولی کی اجازت کی ضروری تاکید اور مبالغہ ہے اور جب اولیاء کی طرف توجہ فرمائی تو انہیں فرمایا کہ «الأيم أحق بنفسها من وليها» گویا کہ ولی کا کوئی جبر نہیں۔ تو ان دونوں طرح کی حدیثوں میں ہر ایک میں ایک حصہ بیان ہوا اور اصل مقصد دونوں پر اکٹھا عمل کرنا ہے۔ جبکہ شافعیہ نے «لا نكاح إلا بولي» کی حدیث لے لی اور «الأيم أحق بنفسها من وليها» والی حدیث کی تاویل کرنے لگے۔ اس طرح احناف نے «الأيم أحق بنفسها من وليها» والی حدیث لے لی اور 'لا نكاح إلا بولي' والی حدیث کو مخالف سمجھ کر اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔ جبکہ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ولی عورت کی رضا مندی کو پیش نظر رکھے اور عورت ولی کی اجازت اور نکاح میں ولی کی شراکت کا اہتمام کرے۔ نہ عورتیں مردوں کی حدود سے آگے جائیں اور نہ مرد عورتوں پر زیادتی کریں۔

کیا ولی کی اجازت بطور مصلحت پیش نظر ہے یا عورت کے حق کا خیال رکھا گیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ولی کا حق اور اسی کی مصلحت کے پیش نظر ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ عورت کی مصلحت کے لئے ہے کیونکہ عورت ناقص معلومات والی اور کمزور سوچ والی واقع ہوئی ہے اکثر اپنی مصلحت نہیں سمجھتی اور نہ ہی حسب کی حفاظت کر سکتی ہے۔ غیر کفو (مرتبہ میں کمتر) کی طرف راغب ہو جاتی ہے جس سے اس کے ولی کو عار لاحق ہوتی ہے لہٰذا ولی کو شرط قرار دیا گیا ہے تاکہ یہ دروازہ بند ہو جائے۔'' [۷۹]

## خلاصہ کلام

لڑکی کے نکاح میں ولی کی رضا مندی کے بارے میں چار ائمہ میں سے تین کا موقف تو بالکل واضح ہے۔ جو ان کی ذاتی کتب سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ سب نکاح میں ولی کی رضا مندی کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ جہاں تک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مؤقف کا تعلق ہے تو ان کی ذاتی کتاب میں بھی ان کا موقف وہی ہے جو باقی تینوں ائمہ کا ہے اسی طرح ان کے شاگردوں نے بھی ان کا موقف تقریباً یہی بیان کیا ہے۔ کہ وہ نکاح میں ولی کی رضا مندی کو لازمی تصور کرتے تھے۔

جہاں تک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منسوب اس موقف کا تعلق ہے۔ کہ وہ نکاح میں ولی کی رضا مندی لازمی نہیں سمجھتے تو یہ وہ موقف ہے جو نہ ہی انہوں نے خود، نہ ان کے شاگردوں نے ان کی طرف منسوب کیا ہے۔ امام صاحب کی وفات کے صدیوں بعد حنفی علماء نے یہ موقف ان سے مشہور کر دیا تھا۔ جس کی بعض حنفی علماء نے تردید کی ہے۔ غرض امام صاحب کا درحقیقت موقف وہ نہیں جو ان سے

منسوب کیا جاتا ہے اورعوام الناس میں مشہور ہے۔اسی بناء پر یہ موقف اسلامی احکام میں فٹ بھی نہیں بیٹھتا کہ جس مذہب میں لڑکا لڑکی کی علیحدگی میں ملاقات، خفیہ دوستی، غیرمحرم سے لوچ دار آواز میں بات چیت کی ممانعت اور دیگر اسی قسم کے احکامات موجود ہوں وہاں اس طرح کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے۔اور ان احکام کی موجودگی میں کوئی لڑکی کس طرح غیرمحرم کو نکاح کے لئے پرکھ سکتی ہے، جبکہ اس سے دوستی حرام، میٹھی بات کرنا حرام اور علیحدہ ملاقات حرام ہو۔

چنانچہ ان واضح احکام کی خلاف ورزی کئے بغیر، لڑکے اور لڑکی کا باہمی فیصلے سے نکاح پر راضی ہونا عملاً ممکن نہیں رہتا۔ اسلام نے اس لئے لڑکی کی طرف سے یہ ذمہ داری ولی کو سرانجام دینے کی ہدایت کی ہے۔

## جدید قانونی تشریحات، اسلامی ممالک میں نافذ العمل قوانین وفتوے، مغربی اور اسلامی تہذیب میں تقابل

قرآن مجید، مفسرین قرآن، احادیث نبویہ اور محدثین عظام، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سب کا متفقہ موقف اس سے قبل تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔فقہاء کی اکثریت بلکہ سب کا اتفاق بھی اسی امر پر ہے کہ ولی کے بغیر نکاح باطل ہے، کیونکہ نکاح میں اگر یہ پابندی اٹھالی جائے تو زنا اور نکاح میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔شریعت جو حرام چیزوں کی طرف جانے والے سب راستوں کو بھی بند کرتی ہے کس طرح اس راستے کو کھولنے پر تیار ہوسکتی ہے۔

درحقیقت حقوق انسانی کے اس خوشنما نعرے کے پس پردہ ایک ایسے مکمل نظام کو سند جواز مل جاتی ہے جو ماں باپ کے احترام واطاعت اور رشتہ داریوں میں قرب وصلہ رحمی اور ذمہ داری کے تصورات سے عاری ہے۔اس بات پر کیسے یقین کر لیا جائے کہ بلوغت کے بعد بھی نکاح سے قبل تک لڑکا اور لڑکی کے ہر قول وفعل کے ذمہ دار ان کی کفالت، تعلیم، مسائل اور پریشانیوں میں ان کے ساتھی والدین کو اسلام بیک قلم شادی اور شریک زندگی کے انتخاب کے موقع پر تمام حقوق سے محروم کرسکتا ہے۔اس مرحلے پر اگر والدین کو بے دخل کر دیا جائے تو لامحالہ وہی نظام وجود میں آئے گا جہاں ماں باپ کو پالنے پوسنے پر مجبور کرنے کے لئے حکومت قانون سازی کرتی ہے۔اور بلوغت کے بعد یہی اولاد اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر بالکل بیگانی ہوجاتی ہے۔مغربی نظام میں تو ایسی بے راہ روی اور قطع تعلقی کی اجازت مل سکتی ہے لیکن اسلام جو محبت والفت، ذمہ داری اور احسان سلوک، والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری اور ذہنی وقلبی سکون کا دین ہے، اس میں یہ سب کیونکر ممکن ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ بلوغت تک پہنچنے اور شادی ہونے تک لڑکی کو پالنے، تربیت دینے اور زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کی تمام ذمہ داریاں والدین پر عائد ہوتی ہیں، لیکن اسلامی احکام کی رو سے مطلقہ یا بیوہ خاتون کی کفالت کی ذمہ داری بھی خاتون کے والدین یا بصورت دیگر بھائیوں (ولی کے قائم مقام) پر ڈالی گئی ہے۔لہذا ایسے معاشرے میں جہاں طلاق کی صورت میں، باپ ہی پر لڑکی کی کفالت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہو، باپ کو بطور ولی عمل نکاح سے خارج کر دینا، تصادم کی راہ پر لے جاتا ہے۔کنواری اور مطلقہ عورت کی کفالت کی ذمہ داری ولی کے اس حق کا جواز پیدا کرتی ہے کہ وہ نکاح کے فیصلے میں بھی بیٹی کے ساتھ شریک ہو۔معاشقے اور ولی کی اجازت سے عاری شادیاں، والدین اور اولاد میں دوریاں پیدا کرنے اور باہمی ذمہ داریوں سے گریز کا باعث ہوں گی۔مغربی معاشرہ ان نتائج کا شاہد ہے جہاں نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ اولاد کو پالنے پوسنے کا پابند بنانے کے لئے حکومتوں کو قانون سازی پر مجبور ہونا پڑا ہے۔دوسری جانب بالغ ہوتے ہی اولاد، ماں باپ سے بیگانہ ہوکر گھر بار چھوڑ جاتی ہے۔اسلام ایک ایسا معاشرہ پیدا کرنا چاہتا ہے

جس میں باہمی حقوق کی پاسداری اور والدین کی اطاعت وفرمانبرداری کو ہر شخص اپنے لئے لازم کرلے۔

ولی کی رضامندی سے بے نیاز شادی کا جواز اسلام کے اس ہدف کے منافی ہے۔

## جدید قانون

نکاح کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات بالکل واضح ہیں اس کے ساتھ ساتھ غیرمسلموں نے بھی نکاح میں ولی کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے اور بعض اوقات اسے اپنے قانون میں جگہ دی ہے نکاح میں ولی کے ضروری ہونے کے بارے میں عصری قانون کی معروف کتاب 'CONCISE LAW DICTIONARY میں یوں موجود ہے:

The legal power of contracting marriage.The parties must

(1) have citizenship

(2) not be within the prohibited degress ofrelationship;

(3) have the consent of their parterfamilias.ے

## ④ ولی کے لئے شرائط

ولی کے لئے خیرخواہ اور مرشد ہونا ضروری ہے۔

⦿ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لا نكاح إلا بشا هدى عدل و ولي مر شد"اے

''دو عادل گواہوں اور مرشد ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔''

⦿ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

"إذا كان ولي المرأة مضارا ، فولت رجلا فانكحها فنكاحه جائز"۲ے

''جب عورت کا ولی نقصان دینے والا ہو اور وہ کسی دور کے ولی کو مقرر کرکے نکاح کرلے تو جائز ہے''

⦿ محدث عبداللہ امرتسری رحمہ اللہ اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ'' نقصان دینے والا ولی نہیں رہ سکتا بلکہ اس وقت کوئی اور ولی ہوگا۔'' ۳ے

## لڑکی کے نکاح میں ولی کون ہوگا؟

قرآن کریم میں ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللهِ﴾ ''رشتہ داروں میں سے بعض اللہ کی شریعت میں دوسرے رشتہ داروں کی نسبت زیادہ قریب ہیں'' کی آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ولایت جو خاندان کے افراد میں پائی جاتی ہے اس میں ایک ترتیب ہے۔ اور بقول حضرت علی ولایت کی ترتیب وہی ہے جو وراثت کی ہے۔ جدید دور میں فقہ کے تقابلی مطالعہ کی کتاب الفقہ الاسلامی میں ولایت کی یہ ترتیب یوں نقل کی گئی ہے۔

"الأولياء ودرجاتهم: الولاية على النفس تثبت للأقرب فالأقرب من العصبات على الترتيب التالى ١:البنوة (الأبناء ثم أبناء الأبناء )٢: الأبوة(الأباء ثم الأجداد)٣: الإخوة(الإخوة ثم أبناء الإخوة)٤:

العمومة (الأعمام أبناء أبناء الأعمام)......وهذا هو ترتيب الإرث والولاية فى الزواج وقد نصت على ذلك المادة من قانون الاحوال الشخصيه السورى" [۴]

ولایت خونی رشتہ داروں میں سے قریب اور قریب تر کی بنیاد پر درج ذیل ترتیب کے مطابق یوں ہے۔

① لڑکے اور پوتے ② باپ اور دادا ③ بھائی اور بھتیجے ④ چچا اور چچا زاد

اس موضوع پر ابوزہرہ مصری اسلامی قانون کے بارے میں اپنی معروف کتاب 'الولایه علی النفس' میں امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یوں بیان کرتے ہیں:

''امام مالک کے مسلک میں وراثت کی طرح نظم ونسق اور اختیارات کی ترتیب یوں ہے۔

① لڑکے اور پوتے ② اگر بیٹا نہ ہو تو باپ ③ پھر حقیقی بھائیوں اور باپ شریک بھائی ④ دادا

اگر چہ مالکیہ کے نزدیک دادا اور بھائی وراثت میں برابر ہیں لیکن عموماً بھائیوں کو دادا پر مقدم کیا جائے گا۔ان کے بعد چچا اور چچا زاد بھائی حسب ترتیب ہوں گے۔'' [۵]

فقہ مقارن کی مشہور کتاب 'المغنی' میں ابن قدامہ تحریر کرتے ہیں:

"وأحق الناس بنكاح المرأة الحرة أبوها...... فأولى الناس بتزويجها أبوها ولا ولاية لأحد معه ولهذا قال الشافعي وهو المشهور عن أبى حنيفة و قال مالك و العنبرى و أبو يوسف، وإسحق، وابن المنذر: الإبن أولى وهو رواية عن أبى حنيفة لأنه أولى له بالميراث وأقوى تعصيبا" [۵/۱]

''آزاد عورت کا نکاح کرنے کا سب سے زیادہ حقدار اس کا باپ ہے۔ باپ کی موجودگی میں اور کوئی ولی نہیں ہوگا۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور قول یہی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ، عنبری رحمہ اللہ، ابو یوسف رحمہ اللہ، اسحق رحمہ اللہ اور ابن المنذر رحمہ اللہ نے کہا کہ آزاد عورت کے نکاح کرنے کا سب سے زیادہ حقدار اس کا بیٹا ہے (اگر موجود ہو) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یہ قول بھی مروی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بیٹا وراثت کا زیادہ حقدار ہے اور خونی تعلق میں والد سے قریب تر ہے۔''

## ولی کی اجازت کے بغیر ہونے والا نکاح باطل یا فاسد

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أيما إمرأة لم ينكحها الولي فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل فإن أصابها فلها مهرها بما أصاب منها فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له" [۶]

''جس عورت کا نکاح اس کے ولی نے نہیں کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے اگر ولیوں میں جھگڑا ہو تو سلطان ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں۔''

آٹھویں صدی ہجری کے امام شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں نکاح سے متعلق ایک سوال کے جواب میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"بل هذه قد تزوجت بغير ولي، فيكون نكاحها باطلا عند أكثر العلماء والفقهاء كالشافعي و أحمد وغيرهما" [۷]

''بلکہ اس عورت نے بغیر ولی کے نکاح کیا لہذا علماء اور فقہاء کی اکثریت کے نزدیک اس کا نکاح باطل ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایسے نکاح کو باطل قرار دیا ہے۔''

اسی طرح ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فتكون منكوحة بدون إذن ولى اصلا وهذا النكاح باطل عند الجمهور، كما وردت به النصوص" ۸۷

''پس یہ عورت اصلاً ولی کی اجازت کے بغیر منکوحہ ہوگئی ہے اور ایسا نکاح جمہور علماء کے ہاں باطل ہے جیسے کہ اس پر مختلف نصوص دلالت کرتی ہیں۔''

## نکاح کی شرائط

① ولی کی اجازت ضروری ہے، اور ولی کے بغیر ہونے والا نکاح باطل ہے۔

② فریقین (لڑکا اور لڑکی) کی رضا مندی لازمی ہے۔

③ فریقین کی طرف سے ایجاب وقبول لازمی ہے۔

④ خاوند کے لئے مہر دینا لازمی ہے۔

⑤ نکاح کے وقت دو عادل گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔

⑥ اعلان نکاح ضروری ہے۔

## ② نکاح میں (فریقین) لڑکا اور لڑکی کی رضا مندی لازمی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا تنكح الأيم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستأذن قالوا: يا رسول الله ﷺ وكيف إذنها قال أن تسكت" ۷۹

''بیوہ کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے مشورہ نہ کرلیا جائے اور کنواری کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اس کی اجازت کس طرح ہے؟ فرمایا: اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح بخاری میں بعنوان (آدمی اپنی بیٹی کا نکاح کردے اور وہ ناپسند کرنے والی ہو تو نکاح رد کردیا جاتا ہے) کے تحت نبی اکرم ﷺ کی درج ذیل حدیث لائے ہیں، خنساء بنت خدام انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔

"أن أباها زوجها وهى ثيب فكرهت ذلك فاتت رسول الله فرد نكاحه" ۸۰

''اس کے باپ نے اس کا نکاح کردیا اور وہ بیوہ تھی۔ اسے یہ نکاح پسند نہیں تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی تو آپ ﷺ نے اس کا نکاح فسخ کردیا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''عورت کی رضا مندی، اگر عورت ثیبہ (شوہر دیدہ) ہو تو زبان سے اس کی اجازت کا اظہار لازمی ہے، اس کا خاموش رہنا کافی نہیں۔'' ۸۱

انڈیا کے سابق وزیراعظم نے گذشتہ دنوں ٹیلی ویژن پر اپنی تقریر میں مسلمانوں کی نکاح کے اندر لڑکیوں کی رضا مندی لینے کے طریقے کی تعریف کی ہے:

''لوک سبھا کے اجلاس میں بی جے پی کے رہنما اٹل بہاری واجپائی نے اپنی تقریر کے دوران ایک موقع پر کہا کہ مسلمانوں کے پرسنل لاء میں مجھے ایک بات بہت پسند ہے کہ شادی سے پہلے لڑکی سے اس کی رضا مندی لی جاتی ہے جبکہ ہندوؤں میں یہ چیز نہیں یہاں پر لڑکیوں کو گائے بھینس کی طرح بیاہ دیا جاتا ہے۔'' ۸۲

## ④ فریقین کی طرف سے ایجاب وقبول لازمی ہے

◉ علامہ صالح عبدالسمیع الازہری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

”ورکنه ولی و صداق و صیغه بانه نکحت و زوجت ...... أی هذا اللفظ من الولي“ ۸۳

''نکاح کا رکن ولی، مہر اور ایجاب (ولی کی طرف سے لڑکی کو پیش کرنا) ہے......نکاح کا رکن یعنی نکاح کے واقع ہونے کے لئے چار ارکان ضروری ہیں، جن پر نکاح کا وجود موقوف ہے......ان میں سے ایک صیغہ ایجاب وقبول ہے جو ولی اپنی لڑکی کی طرف سے سرانجام دیتا ہے۔''

◉ شافعیہ کے امام ابوبکر بن محمد حسینی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ولا یصح عقد النكاح الا بولى ذكر...... فلا تصح عبارة المرأة فى النكاح إيجابا و قبولا فلا تزوج نفسها بإذن الولي ولا بغير إذنه ولا غيرها لا بولاية ولا بوكالة للأخبار“ ۸۴

''اور نکاح صحیح نہیں ہوتا مذکر ولی کے بغیر...... پس نکاح کی عبارت میں عورت کی طرف سے ایجاب وقبول میں بھی کوئی اعتبار نہیں۔ عورت ولی کی اجازت کے باوجود اپنا نکاح خود نہیں کرسکتی (بلکہ ولی ہی اس کا نکاح سرانجام دے گا۔''

واضح رہے کہ ایجاب وقبول میں فریقین مرد وعورت نہیں بلکہ عورت کا ولی اور شوہر ہے، جیسا کہ ہدایہ میں امام مالک اور شافعی سے یوں منقول ہے:

”لاینعقد النكاح بعبارة النساء أصلا“ ۸۵

''نکاح عورتوں کے کہنے سے اصلاً واقع ہی نہیں ہوتا۔''

## ⑤ خاوند کے لئے مہر دینا لازمی ہے

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

”أن النبیﷺ قال لرجل تزوج ولو بخاتم من حديد“ ۸۶

امام مسلم سہل بن سعد سے ایک تفصیلی روایت بیان کرتے ہیں جس کا متعلقہ حصہ درج ذیل ہے:

”فقال یارسول الله إن لم تكن لك بها حاجة فزوجنيها فقال فهل عندك من شى فقال لا والله يارسول الله فقال إذهب إلى أهلك فانظر هل تجد شيئا فذهب ثم رجع فقال لا والله ما وجدت شيئا فقال رسول اللهﷺ انظر ولوخاتم من حديد“ ۸۷

## ⑥ نکاح کے وقت دو عادل گواہوں کی موجودگی ضروری ہے

''الفقه الاسلامی وادلته''میں مصنف گواہی کے سلسلے میں فقہاء کی آراء کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

"إتفقت المذاهب الأربعة على أن الشهادة شرط فی صحة الزواج فلا يصح بلا شهادة اثنين غير الولي لقوله ﷺ فيما روته عائشة:لا نكاح إلابولي و شاهدی عدل وروی الدارقطنی حديثا عن عائشة أيضا:لا بد فی النكاح من أربعة الولي والزوج، والشاهدين وروی الترمذی عن ابن عباس من قوله عليه الصلاة والسلام البغايا اللاتی ينكحن انفسهن بغير بينة"۸۸

''فقہ کے چاروں مذاہب کا اس شرط پر اتفاق ہے کہ نکاح کے صحیح ہونے میں گواہی شرط ہے اور ولی کے علاوہ مزید دو گواہوں کی موجودگی کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں کہ ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا اسی طرح حضرت عائشہ سے ہی دارقطنی نے یہ روایت کی ہے کہ نکاح میں چار افراد کی موجودگی لازمی ہے، ولی، دو گواہ اور خاوند۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ زانیہ عورتیں وہی ہوتی ہیں جو بغیر گواہ کے اپنا نکاح خود کر لیں۔''

'حلیہ الاولیاء' میں مصنف فقہاء کا متفقہ مذہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ولا يصح النكاح إلا بشهادة...... ولا ينعقد النكاح ولا يثبت إلا بشهادتين ذكرين وقال أبوحنيفة يثبت و ينعقد (بشاهد) وامرأتين...... ولاتنعقد بشهادة فاسقين وقال أبو حنيفة ينعقد بشهادتهما"۸۹

''اس امر پر اتفاق ہے کہ نکاح گواہی کے بغیر صحیح نہیں ہوتا...... اور گواہ دو مرد ہونا ضروری ہیں (جیسا کہ حضرت عائشہ کی زیرنظر حدیث میں دو مرد گواہوں کا ذکر ہے) جبکہ امام ابوحنیفہ کے ہاں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پر بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے...... اسی طرح نکاح فاسق گواہوں کی گواہی پر بھی معتبر نہیں ہوتا جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں فاسق گواہ سے بچنا بہتر ہے البتہ انکی گواہی سے نکاح ہو جاتا ہے۔''

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«لا نكاح إلابولي و شهود و مهر إلا ما كان من النبيﷺ»۹۰

''ولی، گواہوں اور مہر کے بغیر نکاح نہیں ہوتا مگر نبی ﷺ اس سے مستثنیٰ ہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لانكاح إلا بولی وشاهدی عدل»۹۱

''ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں اور دو عادل گواہوں کے بغیر۔''

مولانا شمس الحق محدث عظیم آبادی اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں:

''یہ حدیث ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں انہی الفاظ سے روایت کی ہے اور اس میں دو گواہوں کے الفاظ صحیح طور پر منقول ہیں۔''

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لا نكاح إلا بشا هدی عدل وولی مرشد" ۹۲

''دو عادل گواہوں اور مرشد ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''کوئی نکاح گواہوں کے بغیر نہیں ہوتا۔''۹۳

## ⑦ اعلان نکاح ضروری ہے

موطا امام مالک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ درج ہے:

"أن عمرؓبن الخطاب أتی بنکاح لم یشهد علیه إلا رجل وامرأة فقال هذا نکاح السر ولا أجیزه ولو کنت تقدمت فیه لرجمت"۹۴

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس نکاح کا ایک واقعہ پیش ہوا، جس میں ایک عورت اور مرد کے سوا کوئی بھی شریک نہیں تھا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ خفیہ نکاح ہے، میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا اور اگر میرے پاس کوئی ایسا معاملہ آیا تو میں رجم کر دوں گا۔''

صحیح بخاری میں ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا اپنے نکاح کا واقعہ بیان کرتی ہیں:

"فجعلت جویریات لنا یضربن بالدف ویندبن من قتل من آبائی یوم بدر إذ قالت إحداهن: وفینا نبی یعلم ما فی غد فقال:دعی هذه وقولی بالذی کنت تقولین" ۹۵

''ہماری چھوٹی بچیاں دف بجا رہی تھیں۔اور جنگ بدر میں ہمارے مقتول آباء واجداد کا تذکرہ کر رہی تھیں۔جب ان میں سے ایک نے یہ کہا: ہمارے اندر ایسے نبی ہیں جو کل کے متعلق بھی جانتے ہیں۔تو آپ نے فرمایا: اس بات کو چھوڑ دو اور وہی کہو جو کہہ رہی ہو۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمٰنِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ۹۶

اس آیت کی تفسیر میں ابن جریر طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''جہاں تک 'مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ' کا تعلق ہے۔تو یہ وہ مرد وعورت ہیں جو پوشیدہ دوستی لگانے والے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔''۹۷

حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

"فصل بین الحلال والحرام الدف والصوت فی النکاح"۹۸

''حلال اور حرام نکاح میں فرق کرنے والی چیز، دھوم دھام سے نکاح کرنا اور دف بجانا یعنی تشہیر کی صورت اختیار کرنا ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتی ہیں:

«اعلنوا هذا النکاح»

''اس نکاح کا اعلان کیا کرو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نکاح کا اعلان کرو اور شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔''۹۹

# حوالہ جات

(۱) الأحزاب:۳۳

(۲) الاحزاب:۳۳

(۳) جامع البیان فی تأویل آی القرآن:۳۱۰/۱۰،تفسیر ابن کثیر:۲۶۳/۴

(۴) سنن دارقطنی:۲۲۰/۳

(۵) الجامع الأحکام القرآن:۲۱۳/۱۳

(۶) ابن عا شو ر ، محمد الطاھر تفسیر التحریر والتنویر، مکتبۃ العلوم والحکم ، مدینہ منورۃ ، س ن:۳۹/۲۲

(۷) الزیلعی ، جمال الدین أبی محمد عبد اللہ بن یوسف:نصب الرایۃ لأحادیث الھدایۃ، مطبعۃ دار المامون الطبعۃ الاولی، ۱۳۵۷ھ۔ ۱۹۳۸ء:۱۸۷/۳

(۸) المغنی:۳۴۸/۹

(۹) المراغی ، احمد مصطفی ، تفسیر المراغی، دار احیاء الثراث العربی ، بیروت،۱۹۷۶ء:۲۳/۲۲

(۱۰) البقرہ:۲۲

(۱۱) سنن ابن ماجہ:۳۱۷/۱

(۱۲) البقرہ:۲۲

(۱۳) النور:۲۳

(۱۴) صحیح بخاری مترجم:۹۰/۳

(۱۵) الرازی ، فخر الدین ، التفسیر الکبیر، دار الکتب العلمیۃ ، طھران ،س ن:۱۶۵/۲

(۱۶) الجامع لأحکام القرآن:۷۲/۳۔۷۳

(۱۷) ابن حزم، علی بن احمد بن سعید:المحلی، الطبعۃ الثانیۃ، طبعۃ النھضۃ ، مصر:۴۲۱/۹

(۱۸) رشید رضا ، محمد ، تفسیر المنار، دار المعرفۃ ، بیروت،۱۹۷۰ء:۳۵۱/۲

(۱۹) النور:۳۲

(۲۰) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح إلا بولی

(۲۱) الجامع الأحکام القرآن:۲۳۹/۱۲

(۲۲) البقرہ:۲۳۲

(۲۳) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح إلا بولی
(۲۴) الشافعی، محمد بن ادریس: کتاب الام، دار الباز النشر والتوزیع، مکة مکرمة، س ن:۱۱/۵
(۲۵) تفسیر ابن کثیر:۳۲۳/۱
(۲۶) جامع البیان فی تأویل آی القرآن:۵۰۱/۲
(۲۷) الجامع الأحکام القرآن:۲۲۱/۷
(۲۸) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح إلا بولی
(۲۹) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح إلا بولی:۵۱۲۷
(۳۰) سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء لا نکاح إلا بولی:۱۱۰۲،سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب لا نکاح إلا بولی:۱۸۷۹، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الولی:۲۰۸۳
(۳۱) فیض الباری:۲۸۲/۴۔۲۸۷
(۳۲) سنن ترمذی:۳۱۸/۱
(۳۳) نصب الرایة لأحادیث الهدایة:۱۸۴/۳۔۱۸۵
(۳۴) فتح الباری:۱۹۱/۹
(۳۵) سنن دارقطنی:۲۲۵/۳
(۳۶) مصنف ابن ابی شیبه:۱۲۹/۴
(۳۷) سنن دارقطنی:۲۲۵/۳،السنن الکبری:۱۱۱/۷، کتاب الأم:۱۱/۵
(۳۸) رواس قلعہ جی، محمد فقہ حضرت عثمان بن عفان، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ۱۹۳۰ء:۳۳۵
(۳۹) سنن دار قطنی:۲۲۹/۳،الصنعانی، ابو بکر عبد الرزاق، المصنف، المکتب الاسلامی، بیروت ۱۳۹۲ھ- ۱۹۷۲ء:۱۹۶/۶
(۴۰) سنن دارقطنی:۲۲۹/۳
(۴۱) سنن الکبری:۱۱۱/۷، نیل الأوطار:۱۱۸/۵
(۴۲) کتاب الأم:۱۱/۵،مصنف عبدالرزاق:۱۹۸/۶
(۴۳) مصنف عبدالرزاق:۱۹۷/۶، مصنف ابن ابی شیبه:۱۳۱/۴
(۴۴) مصنف عبدالرزاق:۲۰۰/۶
(۴۵) سنن دارقطنی:۲۲۱/۳
(۴۶) رواس قلعہ جی، فقہ عبداللہ بن مسعود، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ۲۰۰۰ء،:۵۲۶، مصنف عبدالرزاق:۲۰۱/۶
(۴۷) مصنف عبدالرزاق:۲۰۰/۶

(۴۸) سنن دارقطنی:۳/۲۲۷
(۴۹) سنن دارقطنی:۳/۲۲۸، السنن الکبری:۷/۱۱۰
(۵۰) نیل الاوطار:۵/۱۰۲
(۵۱) المغنی:۹/۳۴۵، نصب الرایہ:۳/۱۸۴، الجامع الاحکام القرآن:۳/۷۲
(۵۲) مصنف ابن ابی شیبہ:۴/۱۳۵
(۵۳) مصنف ابن ابی شیبہ:۴/۱۳۵
(۵۴) مصنف عبدالرزاق:۶/۲
(۵۵) مصنف ابن ابی شیبہ:۴/۱۲۹
(۵۶) مصنف عبدالرزاق:۶/۱۹۹، مصنف ابن ابی شیبہ:۴/۱۳۰
(۵۷) کتاب الأم:۵/۱۱
(۵۸) الحسینی ، تقی الدین ابو بکر بن محمد ، کفایة الاخیار فی حل غایة الاختصار ، ادارہ احیاء التراث الاسلامی ، قطر ، س ن
(۵۹) مالک بن انس ، المدونةالکبری ، دار عالم الکتب ، الریاض ،۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳ء:۲/۱۶۶
(۶۰) صالح عبد السمیع ، جواھر الاکلیل ، دار المعرفة ، بیروت ، س ن:۱/۲۷۷
(۶۱) المغنی:۹/۳۴۵
(۶۲) مسند احمد:۲۲۶۰
(۶۳) الجواھر المنیرة:۱/۷۱
(۶۴) لسمر قندی ، علاء الدین ، تحفة الفقھاء ، ادارہ احیاء التراث الاسلامی ، قطر ، س ن:۲/۲۲۴
(۶۵) الخوارزمی ، ابی المؤید محمد بن محمود ، جامع المسانید ، المکتبة الاسلامیة ، سمندری ، س ن:۲/۱۰۲
(۶۶) فلانی ، صالح بن محمد ، ایقاظ ھم اولی الابصار ، دار المعرفة ، بیروت س ن:۵۰
(۶۷) ابن ھمام ، کما ل الدین محمد بن عبد الواحد ، شرح فتح القدیر ، دار عالم الکتب ، الریاض ، ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳ء:۳/۲۵۵
(۶۸) الشیبانی ، ابو عبد اللہ محمد بن حسن ، مؤطا امام محمد ، مترجم :حافظ نذر احمد ، مسلم اکاومی ، لاھور ،۱۹۸۳ء:۲۷۶
(۶۹) فیض الباری شرح صحیح بخاری:۴/۲۸۲

(٧٠) Obsorms concise lahore dictionary.

(٧١) كتاب الأم:١٩/٥، السنن الكبرى:١٢٦/٧، المغنى:٤٥١/٦

(٧٢) سنن دارقطنى:٣٢٣/٣

(٧٣) فتاوى:٤٠٧/٢

(٧٤) وهبه الزهيلى ، الفقه الاسلامى وادلته ، دار الفكر ، بيروت ، ١٩٨٥ء:١٤١/٤

(٧٥) ابو زهره ، محمد الولاية على النفس ، دار الفكر ، بيروت ، ١٩٦٦ء:٩٦

(٧٥/١) المغنى:٣٥٥/٩

(٧٦) سنن ابن ماجه ، كتاب النكاح ، باب لا نكاح إلا بولى:١٨٧٩

(٧٧) مجموع الفتاوى:٣١/٣٢

(٧٨) مجموع الفتاوى:١٩/٢٣

(٧٩) صحيح مسلم ، كتاب النكاح ، باب استئذان الثيب فى النكاح بالنطق والبكر بالسكوت:١٤١٩

(٨٠) صحيح بخارى ، كتاب الإكراه ، باب لا يجوز نكاح المكروه:٦٩٤٥

(٨١) رواس قلعہ جی ، محمد فقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مترجم از ساجد الرحمٰن صدیقی ، ادارہ معارف اسلامی ، لاہور ١٩٩٠ء:٦٥٦

(٨٢) روزنامہ نوائے وقت ص:٣، کالم:٣، ١٣ جون ١٩٩٦ء

(٨٣) جواهر الأكليل:٢٧٧/١

(٨٤) كفاية الاخيار:٨٧/٢-٨٨

(٨٥) شرح فتح للقدير:٢٥٥/٣

(٨٦) صحيح بخارى ، كتاب النكاح ، باب المهر بالعروض وخاتم من حديد:٥١٥٠

(٨٧) صحيح مسلم:كتاب النكاح ، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن وخاتم حديد وغير ذلك:١٤٢٥

(٨٨) الفقه الاسلامى وأدلته:٧٠/٧-٧١

(٨٩) اصبهانى ، ابو نعيم احمد بن عبدالله ، حلية الاولياء فى طبقات الاصفيا ء ، دار الكتاب العربى ، بيروت ، ١٤٠٧هـ - ١٩٨٧ء:٣٦٥-٣٦٦

(٩٠) سنن دارقطنى:٢٢٠/٣

(٩١) سنن دارقطنى:٢٢٦/٣

(٩٢) السنن الكبرى:١٢٥/٧، كتاب الأم:١٩/٥، المغنى:٤٥١/٦

(٩٣) انسائیکلوپیڈیا فقہ

(۹۴) موطا امام مالك، كتاب النكاح، باب جامع ما لا يجوز من النكاح:۱۱۳۶

(۹۵) صحيح بخارى، كتاب النكاح، باب ضرف الدف فى النكاح والوليمة:۵۱۴۷

(۹۶) النساء:۲۴

(۹۷) تفسير طبرى:۴۴۹/۴

(۹۸) سنن الترمذى، كتاب النكاح، باب ما جاء فى إعلان النكاح:۱۰۸۸، سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح:۱۸۹۶

(۹۹) ابن أبى شيبه:۲۱۴/۱، المغنى:۵۳۸/۶، انسائیکلوپیڈیا فقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مترجم:۴۱۱

# فصل سوم

① تعدد ازواج اسلام کی نظر میں

② تعدد ازواج کی حکمتیں

③ تعدد ازواج کے آداب وشرائط

④ بلا استطاعت تعدد ازواج کی ممانعت

⑤ اسلام اور مغرب، تعدد ازواج کے پس منظر میں

# تعدد ازواج اسلام کی نظر میں

## شریعت اسلامیہ میں تعدد ازواج کی حیثیت

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جس کی خصوصیات میں سے ایک اس کا خاندانی نظام ہے ۔ پھر خاندان کی اساس ، جڑ اور بنیادی اکائی 'نکاح' ہے۔ جو کہ ایک مقدس بندھن ہے اللہ تعالی نے اسے مومنوں کی عفت وعصمت کو بچانے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ یہ لا پروائی اور غفلت والا عمل نہیں بلکہ سنجیدگی کا طالب ہے چنانچہ شریعت مطہرہ نے نوجوانوں کو نکاح پر ابھارا ہے اور ایک مرد کو بیک وقت اپنی عصمت میں ایک سے لیکر چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے یہ اللہ تعالی کا احسان ہے نہ کہ حکم ہے۔ اور شریعت مطہرہ میں چار سے زیادہ بیویاں بیک وقت ایک مرد اپنی عصمت میں نہیں رکھ سکتا اور اگر کوئی مرد ایسا کرے گا تو وہ احسان رہ جائے گا جو اللہ تعالی نے زوجین کی صلاحیت کے لیے مشروع کیا ہے اسی کی دلیل، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا. وَاٰتُوا الْيَتٰمٰى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا. وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾[1]

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے، اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو۔ اور رشتہ وقرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔ یتیموں کے مال ان کو واپس دو، اچھے مال کو برے مال سے نہ بدل لو، اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ، یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضہ میں آئی ہیں۔ بے انصافی سے بچنے کیلئے یہ زیادہ قرین صواب ہے۔ ''

مذکورہ آیت کی سب سے عمدہ تفسیر، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جب حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''اس آیت سے مراد وہ یتیم بچیاں ہیں جو کسی کی کفالت میں ہوتیں اور ان کے مال کی رغبت میں وہ ان سے شادی کر لیتا اور ان کی صحبت کا صحیح حق ادا نہ کرتا۔ اور نہ ہی ان کے مال میں انصاف کرتا ایسے شخص کے لئے اللہ کا حکم ہے کہ وہ یتیموں کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح کر لے۔ دو سے تین سے یا چار سے۔''[2]

## زیر نظر آیت اور غلام احمد پرویز کی رائے

یہ آیت اس امر کی صراحت کرتی ہے کہ بجائے اس کے کہ دھوکہ دہی کرو، بہتر ہے ان کے علاوہ دیگر عورتوں سے شادی کر لو۔ اور ساتھ ہی اس کی حد بندی کر دی یعنی زیادہ سے زیادہ چار تک کی شرط، جہاں یتیم لڑکیوں کے بارے میں ہے وہاں یہی شرط دیگر عورتوں کے بارے میں بھی ہے کہ زیادہ نکاح کی اجازت انصاف سے مشروط ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اس آیت سے واضح ہے کہ یتیم بچیوں کے

ساتھ زیادتی کا تدارک ہو۔مگر مسٹر پرویز اس کا غلط مطلب پیش کرتے ہیں ان کا خیال یہ ہے:

تعدد ازواج کے متعلق صرف اور صرف یہی آیت ہے اور مشروط ہے۔

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى﴾

اس کی مزید وضاحت یوں کرتے ہیں:

''اگر کبھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں (مثلاً جنگ کی وجہ سے) کہ معاشرہ میں مرد ضائع ہو جائیں اور بیوہ عورتیں اور یتیم بچے (لڑکے، لڑکیاں) زیادہ رہ جائیں (بالخصوص بے شوہر عورتیں) اور اس مسئلہ کا کوئی خاطر خواہ منصفانہ حل نہ ملتا ہو، یا کہیں انفرادی طور پر ایسی صورتحال پیدا ہو جائے تو ایسے حالات میں تمہیں اجازت دی جاتی ہے کہ ان یتیموں اور بیواؤں کی حفاظت اور پرورش کی خاطر، تم ان بے شوہر عورتوں سے، حسب پسند نکاح کرلو......الخ''[3]

مذکورہ خیال آرائی محض کج فہمی ہے نہ ہی یہ بات درست ہے کہ قرآن میں تعدد ازواج کی صرف یہ آیت ہے اور نہ ہی یہ امر واقعہ ہے کہ تعدد ازواج کا مسئلہ اضطراری حالات سے مشروط ہے مذکورہ آیت کے علاوہ سورۃ النساء ہی میں دوسرے مقام پر آتا ہے۔

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾[4]

''بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں ہے، تم چاہو بھی تو اس پر قادر نہیں ہو سکتے لہذا (قانون الٰہی کا منشا پورا کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ) ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا چھوڑ دو، اگر تم اپنا طرز عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ چشم پوشی کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

اس آیت سے بالکل واضح ہے کہ اپنی بیویوں کے درمیان حتی الامکان عدل وانصاف کرنا چاہیے اگر ایک سے زائد بیویاں نہ ہوں تو اس حکم کا کیا مطلب ہے؟ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کرتے ہیں۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ بالکل ایک ہی طرف جھک جائے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط (فالج زدہ) ہوگا۔''[5]

- مولانا ابوالاعلی مودودی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

یہ آیت تعدد ازواج کے جواز کو عدل کی شرط سے مشروط کرتی ہے جو شخص عدل کی شرط پوری نہیں کرتا مگر ایک سے زیادہ بیویوں کے جواز سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ اللہ کے ساتھ دغا بازی کرتا ہے۔[6]

مذکورہ بالا وضاحت سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا مسئلہ ایک سے زیادہ مقامات پر قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے نیز قرآن نے اسے عدل کی شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے۔

## اعتراض

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ چار شادیوں کا حکم اضطراری حالات کے لیے ہے (جیسے غلام احمد پرویز کی رائے اوپر نقل کی گئی ہے)﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى﴾ سے مشروط ہے۔

◉ مولانا ابوالاعلی مودودی رحمہ اللہ اس کا جواب یوں دیتے ہیں

ان تمام مقامات پر شرطیہ الفاظ کو اگر شرطیہ حکم قرار دیا جائے تو اس سے شریعت کی صورت ہی مسخ ہو کر رہ جائے گی۔ مثال کے طور پر دیکھیے عرب کے لوگ اپنی لونڈیوں کو پیسہ کمانے پر زبردستی مجبور کرتے تھے ان کی ممانعت ان الفاظ میں فرمائی گئی۔

﴿لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ [7]

کیا اس آیت کا یہ مطلب لینا صحیح ہوگا کہ یہ حکم صرف لونڈیوں کے متعلق ہے۔ اور اگر لونڈیاں زنا سے نہ بچنا چاہتی ہوں تو ان سے پیشہ کرایا جاسکتا ہے۔ [8]

گویا مولانا کی صراحت یہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت میں شرطیہ الفاظ ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا﴾ شرط حکم کا فائدہ نہیں دیتے ہیں اور یہی مطلب صحیح ہے۔

◉ مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہاں بعض لوگوں کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوگا کہ اسلام میں تعدد ازواج کی اجازت مطلق نہیں ہے بلکہ یتیموں کی مصلحت کے ساتھ مقید ہے بلکہ یہ ہے کہ یتامی کی مصلحت کے نقطہ نظر سے تعدد ازواج کے اس رواج سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی گئی ہے جو عرب میں تھا البتہ اس کو چار تک محدود کر دیا گیا ہے اگر مقصود تعدد ازواج کو یتیموں کی مصلحت کے ساتھ مقید کرنا ہوتا تو اس کے لیے اسلوب بیان اس سے بالکل مختلف ہوتا...... الخ'' [9]

گویا اس آیت سے واضح ہے کہ تعدد ازواج کے اصول کو معاشرتی مصلحت کے لیے استعمال کیا جائے نہ کہ نظریہ ضرورت کے تحت اجازت کا غلط مفہوم لیا جائے۔ اور قرآن کی آیات کے مفہوم بگاڑنے کی کوشش کی جائے۔

## چار پر اکتفاء کا فائدہ

◉ امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اللہ کی طرف سے بیان کردہ ہے وہ اسی بات پر دلالت کر رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کے لیے چار سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز نہیں ہے۔'' [10]

اس قولِ شافعی پر تمام علماء کا اجماع ہے، جس میں شیعہ کے ایک گروہ سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ چار سے زیادہ بیویاں یا بقول بلاحصر شادیاں کرنا جائز ہے اور چار سے بڑھ کر نو تک بیویاں رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اس کی دلیل انہوں نے نبی کریم ﷺ کے فعل سے دلیل لی ہے۔ جس کا ثبوت صحیحین میں ہے۔

◉ امام قرطبی رحمہ اللہ مذکورہ تاویل کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جان لو کہ یہ جو مثنی، ثلث اور رباع کا عدد ہے یہ نو کے جواز پر دلالت نہیں کرتا۔ جیسا اس شخص نے کہا جس کی سمجھ کتاب وسنت سے دور ہے۔ اور جو شخص اس چیز پر اعراض کرے جس پر اسلاف چل رہے تھے اور اس کا خیال ہے کہ ''واو'' جمع کے لیے ہے۔ اس نے اس موقف کو اس بات سے مضبوط کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے نو نکاح کیے اور انہیں اپنی عصمت میں جمع کیا۔ جو اس جہالت کی طرف گئے اور یہ بات کی وہ بعض شیعہ اور ظاہری ہیں۔ انہوں نے مثنی کو اثنین، اثنین کی طرح اور اسی لیے ثلاث اور رباع کو بھی ایسے ہی کر دیا۔ [11]

بعض اہل ظاہر تو اس سے بھی بڑی رائے کی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس سے اٹھارہ بیویاں جمع کرنا جائز ہوا اور دلیل یہ ہے کہ ان صیغوں میں عدد تکرار کا تقاضا کرتا ہے اور واو جمع کے لیے ہے اس نے مثنٰی کو اثنین کے معنی میں اور ثلاث اور رباع کو بھی ایسے ہی کر دیا ہے۔

یہ سب تو لغت عرب، سنت، اجماع مسلمین سے نا آشنائی ہے۔جیسا کہ صحابہ وتابعین میں سے کسی کے متعلق یہ سننے میں نہیں آیا کہ اس نے اپنی عصمت میں چار سے زیادہ بیویاں رکھی ہوں۔

جو نبی کریم ﷺ کے لیے جائز کیا گیا ہے یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔رہی ان کی یہ بات کے واو جمع کے لیے ہے تو اللہ تعالی نے عرب کو سب سے فصیح لغت کے ساتھ مخاطب کیا ہے۔عرب ایسا نہیں کرتے کہ نو کو چھوڑ کر دو، تین اور چار کہہ دیں اسی طرح یہ بات بھی بڑی سمجھی جاتی تھی کہ اٹھارہ کہا جائے بلکہ یوں کہا جائے کہ فلاں کو دو، چار، چھ اور آٹھ دے دو۔اس مقام پر واو بدل کے لیے آئی ہے یعنی دو کے بدلے تین سے نکاح کر واور تین کے بدلے چار سے نکاح کرو اسی طرح 'واؤ' سے عطف کیا اور 'اؤ' سے عطف نہیں کیا۔اگر عطف أو کے ساتھ آجاتا تو دو والے کو تیسری اور تین والے کو چوتھی سے نکاح کرنا جائز نہ ہوتا۔رہی ان کی یہ بات کہ مثنٰی دو کا اور ثلاث تین کا اور رباع چار کا تقاضا کرتا ہے تو یہ زبردستی کا فیصلہ ہے جس پر اہل لغت ان سے موافق نہیں ہیں۔اور یہ ان سے عدم واقفیت ہے اسی طرح دوسرے بھی لاعلم رہے کہ مثنٰی سے دو اور ثلث سے تین تین اور رباع سے چار چار مراد ہیں۔انہیں یہ علم نہیں ہے کہ دو دو، تین تین، اور چار چار میں تو عدد میں حصر ہے جبکہ مثنٰی، ثلاث اور رباع اس کے خلاف ہے۔عرب کے ہاں معدول، عدد میں ایسا معنی زائد ہوتا ہے جو اصل میں نہیں ہوتا۔یہ اس لیے کہ جب کوئی کہے گا کہ گھوڑے دو دو ہو کر آئے اس سے مراد یہ ہوگا کہ وہ مل کر دو دو ہو کر آئے۔

'جوہری' کہتے ہیں معدول عدد بھی ایسے ہی ہوتا ہے نیز کہتے ہیں۔جب تم کہو گے کہ قوم ''دو دو، تین تین، اور دس دس آئے۔تو اس سے یہی مراد لیا جائے گا کہ وہ ایک ایک، دو دو، تین تین اور دس دس آئے۔یہ واو معنی اصل میں نہیں ہے۔کیونکہ جب تم کہو گے کہ میرے پاس تین تین اور دس دس لوگ آئے، قوم کے عدد کو تین اور دس میں حصر کر دیا جب کہو گے دو دو اور چار چار آئے تو ان کا عدد بند نہ ہوا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دو دو اور چار چار ہو کر آئے۔اس باب میں خواہ ان کی تعداد زیادہ ہو یا کم ہو ان میں سے ہر ایک کا مقتضی سے کم عدد اپنے خیال میں اسے بند کرنا زبردستی ہے۔[12]

## تعداد ازواج احادیث کی روشنی میں

تمام فقہاء ومحدثین اس امر پر متفق ہیں کہ نبی آخر الزماں ﷺ کا فرمان ہی قرآن کریم کی سب سے معتبر اور مستند تشریح وتفسیر ہے۔ جو معنی آیت الٰہی کا حدیث مقرر کر دے وہی دینی اور تشریعی مفہوم قابل قبول اور معتبر ہوگا رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے فعل سے ثابت کر دیا کہ اسلام میں چار شادیوں کی مرد کے لیے اجازت ہے جس میں حالات کی تخصیص ہے اور نہ کسی اور اضطراری کیفیت کی شرط ہے بلکہ علی العموم یہ فضیلت والا عمل اور حصول ثواب واجر کا معاملہ ہے اس ضمن میں وارد مشہور احادیث حسب ذیل ہیں۔

حارث بن قیس بن عمیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قال أسلمت وعندی نسوۃ وأسلمن معی وھاجرن معی فقال "اختر اربعا منھن"[13]

''کہ میں جب حلقہ بگوش اسلام ہوا تو میری پاس آٹھ بیویاں تھیں میں نے خود ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے چار (جن کو تم پسند کرتے ہو) اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔"

## وضاحت

یاد رہے کہ حارث بن قیس اور قیس بن حارث ایک ہی صحابی کا نام ہے۔اور ان کا تعلق اسدی قبیلے سے تھا۔

اسی طرح غیلان بن امیہ ثقفی، جب اسلام لائے تو ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں ان کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا "اختر منهن اربعا وفارق سائر هن"[14]

کہ ان میں سے چار کو پسند کر کے اپنے عقد میں رکھ لو اور باقیوں کو چھوڑ دو۔

یہ حدیث موطا امام مالک ،نسائی اور دار قطنی میں بھی موجود ہے جبکہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث مزید کتب حدیث میں بھی ہے مثلاً سنن ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند احمد، سنن بیہقی وغیرہ۔[15]

نوفل بن معاویہ الرملی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"جب میں اسلام لایا تو میری پانچ بیویاں تھیں، تو میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "فارق واحدة وامسك اربعا" چار کو روکے رکھو اور ایک کو جدا کر دو۔

حضرت فیروز الدیلمی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اور ان کے نکاح میں آٹھ بیویاں تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اختر اربعا وفارق سائرهن"[16]

"کہ ان میں سے چار کو اپنے پاس رکھ لو اور باقی کو آزاد کر دو۔"

## احادیث مذکورہ سے نتائج

مذکورہ بالا مشہور و معروف، صحیح احادیث سے درج ذیل نتائج واضح ہوتے ہیں۔

① تعدد ازواج کی احادیث صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث میں کثرت سے منقول ہیں۔

② محدثین نے اس مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر، احادیث میں اس کے جواز پر مبنی الفاظ کے ساتھ باقاعدہ ابواب قائم کیے ہیں۔

(یاد رہے کہ نواب صدیق حسن خان ان احادیث کو مختلف شواہد کی بناء پر حسن قرار دیتے ہیں اور امام شافعی، دار قطنی، ابن عبدالبر نے ان احادیث پر ضعیف کا حکم لگایا ہے اور امام ناصر الدین البانی نے بالتفصیل اپنی کتاب (ارواء الغلیل) میں بحث کی ہے جن میں سے بعض کو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے۔)

③ مذکورہ احادیث سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ایک مرد بیک وقت دو یا تین یا چار بیویاں اپنے عقد میں رکھ سکتا ہے۔

④ سابقہ روایات اس بات پر بھی شاہد ہیں کہ ایک مرد، بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں اپنے عقد میں نہیں رکھ سکتا۔

## خلفائے راشدین اور تعدد ازواج

صحابہ کرام نے رسول ﷺ کے احکامات اور سنتوں کی بے مثال اطاعت کی ہے رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے اطاعت کا نمونہ ہیں یہ حقیقت ہے کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک سے زائد شادیاں کی ہیں جن کی مکمل تفصیل کتب تاریخ، اسماء الرجال، کتب طبقات میں موجود ہے۔صحابہ کرام میں سے خلفاء راشدین کا عمل صحابہ کی ایسی نمائندگی کرتا ہے۔جس کی تائید صحابہ کرام نے کی۔ذیل میں ہم تعدد ازواج

کے حوالے سے خلفاء کا عمل نقل کرتے ہیں۔

## عہد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

① سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک سے زیادہ شادیاں کیں اور مرتے دم تک وہ تعدد ازواج پر عمل پیرا رہے۔ ان کی ایک بیوی کا نام حبیبہ بنت خارجہ ہے ۔یہی وہ خاتون ہے جو مقام 'سخ' میں مقیم تھیں۔ اور جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ سے اجازت لے کر ان کے پاس گئے ہوئے تھے۔[17]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی، حبیبہ بنت خارجہ سے پیدا ہوئیں۔

◉ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"امها (ای ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق )حبیبه بنت خارجه وضعتها بعد موت ابی بکر "[18]

''ان کی والدہ (یعنی ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر) کی والدہ کا اسم گرامی حبیبہ بنت خارجہ ہے انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو جنم دیا۔ گویا یہ بیوی بھی آخری دم تک ساتھ رہیں جبکہ ایک دوسری بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ بھی آخر وقت تک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زوجہ رہیں بلکہ یہ بھی منقول ہے کہ خلیفہ اول کی وصیت تھی کہ وفات کے بعد مجھے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا غسل دیں۔''

◉ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

"ثم ذكر من عدة أوفيه إن أبا بكر الصديق أوصى أن تغسله إمراته اسماء بنت عميس"[19]

''مختلف طرق سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ ان کی بیوی اسماء انہیں غسل دیں۔''

گویا ثابت ہوا کہ خلیفہ اول مرتے دم تک ایک سے زائد شادیاں کیے رہے۔

## عہد عمر رضی اللہ عنہ

خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ایام وفات تک ایک سے زیادہ بیویاں اپنے عقد میں رکھنے کے قائل ہی نہیں بلکہ فاعل بھی رہے ہیں۔ ان کی وفات کے وقت ان کی دو بیویاں تھیں۔ ① عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا ② ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا

عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا وہ خاتون ہیں جو عشرہ مبشرہ میں شامل حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں۔ انہوں نے شہادت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت باقاعدہ ایک مرثیہ کہا جس کی اشعار بہت مشہور ہیں۔[20]

◉ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دوسری بیوی جن کا نام حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا ہے۔

◉ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"لما أم كلثوم بنت على عن عمر......الخ [21]

''جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ام کلثوم رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں۔''

## عہد علی رضی اللہ عنہ

خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پے در پے نو شادیاں کیں۔ جن سے ان کے ہاں اولاد بھی ہوئی۔[22]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ تو اس کثرت سے شادیاں کرنے لگے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ سے کہنا پڑا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹیاں نہ دیا کرو۔[۲۳]

خلفاء راشدین کا عمل تمام صحابہ کی تائید ہی سے تھا۔کسی صحابی سے بھی منقول نہیں ہے کہ کسی نے اس معاملے میں کبھی اختلاف کیا ہو۔صحابہ کرام کا اس معاملے پر اجماع تھا نہ صرف صحابہ کرام کا بلکہ بعد میں آنے والے تابعین اور اہل علم کا بھی اس امر پر اتفاق ہے۔

## اجماع امت

قرون اولی اور بعد ازاں اہل علم کا اس امر پر اجماع رہا ہے کہ مرد ایک سے زیادہ شادیاں کرسکتا ہے۔جن کی آخری وقت میں آخری حد چار بیویاں ہے۔

◉ شمس الدین السرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ولم ينقل عن أحد فى حياة رسول اللهﷺ ولابعده إلى يومنا هذا أنه جمع بين أكثر من أربع نسوة نكاحا " [۲۴]

''رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں کسی ایک سے بھی منقول نہیں ہے اور ان کے بعد آج تک ثابت نہیں ہے کہ کسی نے اپنے نکاح میں چار سے زائد عورتوں کو جمع کیا ہو۔''

◉ ابوعبداللہ القرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وهذا كله جهل باللسان والسنة ومخالفة لاجماع الأمة إذ لم يسمع عن أحد من الصحابة والتابعين انه اجمع فى عصمته اكثر من اربع" [۲۵]

''جو اقوال وآراء چار سے زائد نکاح کے بارے میں ہیں وہ سب لغت اور سنت سے لاعلمی کیوجہ سے ہیں اور امت کے اجماع کے مخالف ہیں کیونکہ نہ کسی صحابی سے ایسا سنا گیا اور نہ کسی تابعی سے، کہ اس نے اپنے عقد میں چار سے زیادہ بیویاں جمع کی ہوں۔''

بعض روافض کا خیال ہے کہ مرد بیک وقت نو تک عورتیں جمع کرسکتا ہے۔محدثین وفقہاء اس کی تردید تو ضرور کرتے ہیں۔مگر چار تک جواز میں کسی کا قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔

◉ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"(باب لايزوج أكثر من أربع) اما حكم الترجمة فبالاجماع إلا قول من لايعيد بخلافة من رافضى ونحوه"[۲٦]

صحیح بخاری میں باب ہے کہ کوئی بھی چار سے زائد بیویاں نہیں رکھ سکتا، لیکن عنوان کا حکم بالاجماع ثابت ہے اس میں صرف رافضی وغیرہ نے اختلاف کیا ہے جبکہ ان کے اقوال کسی شمار میں نہیں ہیں۔

◉ امام خازن رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وأجمعت الأمة على أنه لايجوز لأحد ان يزيد على اربع نسوة"[۲۷]

''اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ کسی کو جائز نہیں کہ وہ چار عورتوں سے زائد رکھے۔''

◉ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"أجمع اهل العلم على هذا ولا نعلم احدا خالفه الأشياء يحكى على القاسم بن إبراهيم أنه اباح تسعا لقول الله ﴿فانكحوا ماطاب لكم من النساء مثنى وثلاث ورباع﴾والواو للجمع ولان النبى مات عن تسع وهذا ليس بشىء لأنه خرق للاجماع وترك بسنة" ۲۸

''اہل علم کا اس امر پر اجماع ہے اور ہم نہیں جانتے کہ کسی نے اس کی مخالفت کی ہو۔مگر جو کچھ قاسم بن ابراہیم سے بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے نو کی اجازت دی ہے اس آیت ﴿فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ کی یہ تأویل کرتے ہوئے کہ اس میں دو (۲) اور تین (۳) اور چار (۴) کل نو ہوئے ۔واو جمع کے لیے ہے۔اور اس وجہ سے بھی کہ رسول اللہ ﷺ جب فوت ہوئے، تو ان کی نو بیویاں تھیں۔مگر یہ قول و دلیل کوئی حیثیت نہیں رکھتے کیونکہ یہ اجماع کے مخالف اور خلاف سنت ہے۔''

گویا بعض روافض کا شاذ قول ہے کہ نو تک اجازت ہے مگر چار تک اجازت کا معاملہ پوری طرح متفق علیہ ہے۔

# تعدد ازواج کی حکمتیں

اللہ بنی نوع انسان کو اسکی استطاعت کے مطابق کسی چیز کا مکلّف ٹھہراتا ہے۔اس لیے اللہ کا ہر حکم اور نبی ﷺ کی ہر نیت اور فرمان واجب الاطاعت ہوتا ہے۔چاہے اسکی حکمت انسان کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے اسلئے کہ جہاں انسان کے علم وعقل کی انتہاء ہوتی ہے وہاں سے علم کا آغاز ہوتا ہے۔اگرچہ مفکرین کی رسائی اس تک ہو یا نہ ہو اسکے باوجود اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالی اپنے احکام کی حکمتیں اپنے بندوں پر واضح کر دیتا ہے۔مرد کیلئے چار شادیوں کی اجازت بھی ایسا معاملہ ہے جسکی حکمت وفلسفہ علماء نے مختلف انداز سے واضح کیا ہے۔

تعدد ازواج کے دو پہلو ہیں: ① ذات پر اثرات ② تمدن پر اثرات

ان دونوں حوالوں سے مفکرین نے اس مسئلے کی عقد کشائی کی ہے۔ذاتی حوالے سے یہ جاننا چاہیے کہ اللہ نے مرد کو طاقت ور بنایا ہے اور مرد کو عورت سے زیادہ طاقت عطا فرمائی ہے۔جو لوگ عورت کی خواہش نفسانی کو مرد سے زیادہ خیال کرتے ہیں، ان کی تردید حافظ ابن قیم رحمہ اللہ ان الفاظ میں کرتے ہیں: "قولهم ان الله جعل للمرأة شهوة تزيد على ......الخ"[29]

''ان کا کہنا کہ اللہ نے عورت میں شہوت مرد سے سات گنا زیادہ رکھی ہے۔حافظ کہتے ہیں کہ اگر معاملہ ایسا ہی ہوتا تو اللہ تعالی مرد کو چار بیویاں اور جتنی چاہے لونڈیاں رکھنے کی اجازت نہ دیتا۔اور عورت کو پابند نہ کرتا کہ وہ ایک سے آگے نہ بڑھے۔حالانکہ اس کے لیے تقسیم اوقات میں چوتھائی حصہ آتا ہے۔ہرگز اللہ کی حکمت یہ نہیں ہے۔وہ مجبور ومعذور پر مزید تنگی اور اس کے حرج میں وسعت کرے۔''

گویا حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی صراحت یہی ہے کہ اگر اللہ نے مرد کو چار بیویوں کی اجازت دی ہے تو وہ اس کا اہل ہے ورنہ نا اہل ہونے کی صورت میں چار بیویوں کی اجازت قطعاً نہ ملتی۔دوسری وجہ ابن قیم رحمہ اللہ یہ بیان کرتے ہیں۔

"وأيضا فإن طبيعة الذكر الحرارة وطبيعة الأنثى البرودة وصاحب الحرارة يحتاج من الجماع فوق مايحتاج اليه صاحب البرودة"[30]

''اور اسی طرح مرد کی طبع گرمی والی ہے۔اور عورت کی طبیعت ٹھنڈی ہے۔گرمی والے کو، ٹھنڈی طبیعت والے کی نسبت زیادہ مجامعت کی ضرورت ہوتی ہے۔''

لہٰذا مرد اپنی ضرورت کے تقاضے کے مطابق زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے۔نیز مرد کی طاقت وحرارت کے بارے میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے مزید دلائل اعلام الموقعین (۱۰۵/۲) میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

## تنوع پسندی

اس پر مزید قابل توجہ امر یہ ہے کہ مرد بالطبع تنوع پسند ہے۔اور وہ ایک سے زائد بیویوں کا خواہش مند رہتا ہے۔علامہ محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ اس فطری تقاضے کی روشنی میں اہل یورپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''مرد بالطبع تنوع پسند ہے یہی وجہ ہے کہ یورپ میں وحدت زوج کی سکیم کامیاب نہیں رہی۔''[31]

تعدد ازواج کے حوالے سے مرد کا فطری رجحان یہی ہے۔

◉ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”فالاكثار من النساء شمة الرجال وربما يحصل به المباهاة فقدر الشارع بأربع“۳۲

’’پس زیادہ عورتیں رکھنا آدمیوں کی طبیعت ہے اور بعض اوقات یہ اظہار فخر کے لیے ہوتا ہے۔ چنانچہ شارع نے اسے چار تک محدود کر دیا۔‘‘

غرض یہ ہے کہ اللہ نے مرد کی فطرت کے مطابق اسے کثرت ازواج کی اجازت دی مگر چار تک ہی پابند بھی کر دیا۔

## خارجی محرکات

عورت بنیادی طور پر خاتون خانہ ہے اور مرد معاشرے کے اندر گھومنے پھرنے والا آزاد شخص ہے۔ عورت کی نگاہ گھر کی چاردیواری کے اندر تک محدود رہتی ہے۔ جبکہ مرد کو معاشرے میں ایسی اشیاء واجناس سے واسطہ پڑتا ہے۔ جو اس کی شہوت کو بھڑکا دیتی ہے۔ تو پھر اس کے لیے ایک بیوی ناکافی ہو جاتی ہے۔

مولانا مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’ایک طرف تو آپ مغرب کی اندھی تقلید میں فحش لٹریچر، عریاں تصاویر، شہوانی موسیقی اور ہیجان انگیز فلموں کا سیلاب ملک میں لا رہے ہیں۔ جو لوگوں کے منفی جذبات کو ہر وقت بھڑکا تا رہتا ہے۔ دوسری طرف آپ مخلوط تعلیم کو رواج دے رہے ہیں۔ ثقافت کے پروگرام چلا رہے ہیں روز بروز عورتوں کو ملازمتوں میں کھینچ رہے ہیں جس کی بدولت بنی سنوری عورتوں کے ساتھ مردوں کے اختلاط کے مواقع بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ کے تازہ اقدامات یہ ہیں۔ کہ تعدد ازواج پر آپ نے ایسی پابندیاں لگانا شروع کر دی ہیں۔ جن سے وہ عملاً ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جاتا ہے۔‘‘۳۳

ہمارے معاشرے میں خواہشات نفس کو بھڑکایا جاتا ہے۔ لیکن جب نفس تیار ہو جاتا ہے تو پھر ایک ہی شادی کا پابند کیا جاتا ہے۔ حالانکہ فی زمانہ، نفسانی خواہشات میں اضافے کے محرکات کی وجہ سے مرد کو ایک سے زائد شادیوں کی ضرورت ہے۔

## تحفظ عصمت

اسلام حیاء کا مذہب ہے۔ اور عفت وعصمت کی حفاظت کا درس دیتا ہے۔ نکاح کے ذریعے مرد اور عورت اپنی پاکدامنی کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر ایام مخصوصہ میں ایک عورت مرد کی تسکین کا باعث نہیں بن سکتی اس کا حل صرف اور صرف تعدد ازواج ہے۔

- حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ثم من الناس من يغلب عليه سلطان هذه الشهوة فلايندفع حاجته بواحدة فاطلق له ثانية وثالثة ورابعة“۳۴

’’پھر لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جن پر اس شہوت کا غلبہ چھا جاتا ہے۔ تو ان کی ضرورت ایک بیوی سے پوری نہیں ہوتی تو اس کے لیے دوسری اور تیسری اور چوتھی بیوی کرنے کی اجازت ہے۔‘‘

## کثرت نسل

امت محمدیہ قیامت کے دن تمام امتوں سے زیادہ ہوگی اور اس کی زیادتی پر رسول اکرم ﷺ دوسری امتوں پر فخر کریں گے۔ اور ہمارے لیے یہی حکم ہے کہ امت میں اضافے کا فکر کریں اور اس کا حل تعدد ازواج ہے۔ ’’بدائع الفوائد‘‘ میں کثرت ازواج کا مقصد اس

طرح بیان کیا گیا ہے:

”وأیضا ففی التوسعة للرجل یکثر النسل الذی هو من اهم مقاصد النکاح “[35]

اسی طرح زیادہ شادیاں کرنے سے انسان کی نسل بڑھتی ہے۔جو کہ نکاح کے اہم مقاصد سے ہے۔

## تمدنی ضرورت

مرد اس چیز کی طاقت رکھتا ہے کہ وہ ایک سے زیادہ بیویوں کا بوجھ اپنے ذمے لے سکتا ہے۔بسا اوقات تمدن کے وسیع تر مفاد کی خاطر سنت تعداد ازواج پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

◉ مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس سے ایک معاشرتی مصلحت میں فائدہ اٹھانے کی طرف راہنمائی فرمائی گئی ہے۔لیکن معاشرتی مصلحت صرف یتیموں کی ہی مصلحت نہیں ہوسکتی ہے۔پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس سے فائدہ اٹھانے کی ممانعت ہو۔“[36]

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد عالی شان ہے کہ” الجهاد ماض إلى يوم القيمة“ کہ جہاد قیامت تک جاری وساری رہے گا تو ایسے حالات میں جب بہت زیادہ مسلمان شہید ہورہے ہوں تو تعدد ازواج پر عمل، تمدنی لحاظ سے بہت بڑی ضرورت اور مصلحت بن جاتی ہے۔

اسی ضمن میں مولانا حنیف ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ملکی حالات بعض دفعہ مجبور کر دیتے ہیں کہ کثرت ازواج کی رسم کو جاری کیا جائے جیسے یورپ میں جنگ عظیم کے بعد کے حالات، ان حقائق کی روشنی میں کثرت ازواج کی اجازت نہ دینا انسانیت پر بہت بڑا ظلم ہے۔“[37]

عصر حاضر میں خواتین کی تعداد 51% اور مردوں کی تعدد 49% ہے۔اس صورت حال کا حل بھی تعداد ازواج ہے۔اگر ایک سے زائد شادیوں کے لئے رکاوٹ پیدا کی گئی تو اس سے معاشرے میں بہت بڑا بگاڑ اور فساد پیدا ہو جائے گا۔

## صرف چار ہی کیوں؟

دور جاہلیت میں حالات اتنے روبہ زوال ہو چکے تھے کہ ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا لیکن اس کے باوجود ان کے ہر فرد کی کم وبیش دس دس بیویاں ہوتی تھیں،ایسی صورت حال میں اسلام کا آفتاب طلوع ہوا اور شریعت محمدیہ نے بیویوں کی زیادہ سے زیادہ حد چار کی مقرر کر دی تاکہ عورت پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے۔

◉ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ومنع من تجاوز أربع زوجات لكونه ذريعة ظاهرة إلى الجورة وعدم العدل بينهن وقصر الرجال على الأربع فسحة لهم فی التلخص من الزنی......الخ“[38]

”اور چار بیویوں کی حد سے تجاوز کرنے سے منع کیا گیا کیونکہ چار سے تجاوز کرنا ان کے درمیان واضح ذریعہ تھا ظلم اور ناانصافی کی طرف اور مردوں کو چار بیویوں تک محدود کر دیا۔تاکہ ان کو زنا سے چھٹکارے میں آسانی رہے۔“

## عورت کے لیے صرف ایک ہی خاوند کیوں؟

اس بات پر مسلمان تو درکنار تاریخ گواہ ہے دنیا کی تمام مہذب اقوام اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کا خاوند ایک ہونا چاہیے ورنہ نسب نامے خاک میں مل جائیں گے۔اسی چیز کی طرف حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اشارہ فرماتے ہیں:

''اگر عورت کو زیادہ خاوندوں کی اجازت دی جاتی تو نسب نامے ضائع ہو جاتے۔''[۳۹]

## اشتباہ نسل

الشیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مذکورہ سوال ایک دفعہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ سے کیا گیا اور سوال کرنے والی عورتیں تھیں۔تو خلاصہ یہ ہے کہ امام موصوف الجھن میں پڑ گئے اور گھر میں اپنی بیٹی سے عرض کیا تو انہوں نے عورتوں سے کہا کہ ایک پیالے میں تمام اپنے دودھ ڈالو اور پھر کہا اپنا اپنا دودھ الگ کرلو تو وہ لاجواب ہوگئیں۔تو بتایا گیا کہ اگر ایک عورت کے زیادہ خاوند ہوں تو نسب تباہ ہوجائے گا اور بچوں کا علم نہ ہو سکے گا کہ کون سا بچہ کس کا ہے۔[۴۰]

اگرچہ یہ واقعہ کئی پہلو سے تنقیدی مطالعہ کا محتاج ہے۔خصوصا ''شبلی نعمانی'' جنہوں نے 'سیرت النعمان' لکھی ہے۔وہ مذکورہ واقعہ کا انکار کرتے ہیں۔کہ امام موصوف کی کسی بیٹی کا نام حنیفہ نہیں تھا۔[۴۱]

لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ مذکورہ واقعہ سے جس چیز کا استدلال کیا گیا ہے وہ بالکل درست ہے۔کہ عورت کے ایک سے زیادہ خاوندوں کی صورت میں نسب نامے تباہ ہوجاتے۔

# تعدد ازواج کے آداب وشرائط

## ① معاشی خوشحالی

عورت محض جنسی کھلونا نہیں جس طرح چاہو اس سے اپنی جنسی تسکین پوری کرلو، خواہ قانونی طور پر یا غیر قانونی طور پر۔اور جب اس سے جی بھر جائے یا وہ بوجھ محسوس ہونے لگے تو پھر اتار پھینکا جائے۔اور کسی دوسرے کھلونے کی تلاش شروع کردی جائے۔نہیں! بلکہ شادی ایک ذمہ داری کا نام ہے اور شادی کے بعد بیوی کے رہنے کے لیے مناسب رہائش، اشیاء خورد ونوش، لباس وآرائش اور ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے دیگر وسائل واسباب کی فراہمی، پھر اسی بیوی سے پیدا ہونے والے بچوں کی نگہداشت، رضاعت وحضانت اور تعلیم وتربیت وغیرہ کا سارا بوجھ خاوند کے کندھوں پر آتا ہے۔

یہ بوجھ صرف ایک ہی بیوی تک محدود نہیں بلکہ ایک سے زائد یعنی چار تک جتنی بیویاں ہوں گی ان سب کے حقوق سے عہدہ برآ ہونے کا خاوند پابند ہے حتی کہ انکی رضامندی کے بغیر انہیں ایک گھر میں رہنے پر مجبور نہیں کرسکتا بلکہ ایسے شخص کو اتنے ہی گھروں کی ضرورت پوری کرنی ہوگی جتنے گھروں کی ذمہ داری اس کے سر ہے۔اس پر صرف ایک یہی دلیل کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ (جنھیں چار سے زائد بیویاں رکھنے کی اجازت تھی) انہوں نے بیک وقت جتنی بھی بیویاں رکھیں ان کے گھر جدا جدا بنائے۔یہ الگ بات ہے کہ وہ گھر چھوٹے چھوٹے تھے لیکن یہ بات ہے کہ ان کے اندر ایک بیوی کی گزر بسر آسانی سے ہوسکتی تھی۔اس لیے ابن قدامہ ودیگر فقہاء کا فیصلہ یہی ہے:

”وليس للرجل أن يجمع بين امرأتيه فى مسكن واحد بغير رضاهما صغيرا كان او كبيرا لأن عليهما ضرار بما بينهما من العداوة والغيرة واجتماعهما يثير المخاصمة والمقاتلة“[۴۲]

”خاوند اپنی دو بیویوں کو ان کی رضامندی کے بغیر، ایک گھر میں اکٹھا رکھنے کا مجاز نہیں ہے۔خواہ وہ گھر چھوٹا ہو یا بڑا کیونکہ سوتنوں کی باہمی عداوت اور غیرت کی وجہ سے فساد پیدا ہوتا ہے۔اور انہیں ایک ہی گھر میں رکھنا گویا انہیں ایک دوسرے کے خلاف لڑائی جھگڑے پر ابھارنے کے مترادف ہے۔“

## ② ازدواجی حقوق ادا کرنے کی صلاحیت

دوسری شادی کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ آدمی معاشی طور پر خود کفیل ہونے کے ساتھ ساتھ جسمانی طور پر بھی اتنی استطاعت رکھتا ہو کہ وہ بیک وقت دونوں یا اس سے زائد بیویوں کے ازدواجی حقوق پورے کرسکے۔نان ونفقہ، لباس وآرائش اور رہائش وغیرہ کے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے باوجود اگر خاوند کی طرف سے بیویوں کے حقوق متاثر ہونے لگیں تو اندریں صورت اخلاقی اعتبار سے اتنے مفاسد معاشرے میں پیدا ہوں گے کہ جتنے شاید معاشی طور پر عدم کفیل شخص کی دوسری شادی کرلینے سے بھی پیدا نہیں ہوتے۔

## ③ ایک سے زائد شادیاں صرف جنسی تسکین کے لیے نہ ہوں۔

مسئلہ پہلی شادی کا ہونا یا دوسری، تیسری، چوتھی کا، اسلام اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ محض شہوت رانی کی غرض سے انسان شادی پہ شادی کرتا جائے۔یہ الگ بات ہے کہ شادی کا مقصد جنسی خواہشات کو زیر کرنا بھی ہے۔لیکن اگر کلی طور پر صرف اور صرف اسی غرض سے

شادی رچائی جائے اورشادی کے بعد عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے حوالے سے نیت میں فتور ہو تو پھر یہ قابل تعزیر جرم ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَاوَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ﴾ ۴۳

''اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہوں، البتہ ایسی عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں جو (جنگ میں) تمہارے ہاتھ آئیں یہ اللہ کا قانون ہے جس کی پابندی تم پر لازم کردی گئی ہے۔ان کے ماسوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال سے حاصل کرنا تمہارے لئے حلال کردیا گیا ہے بشرطیکہ حصار نکاح میں اسے محفوظ کرو نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔''

گویا اسلام میں شادی ایک ذمہ داری سمجھ کر کی جاتی ہے۔نہ کہ محض شہوت رانی کی غرض سے۔

## ④ عدل وانصاف

پہلی تین شرائط کا تعلق شادی سے پہلے اور مذکورہ شرط شادی کے بعد پیش آتی ہے۔یعنی مرد اگر پہلے والی تین شرائط پر پورا اتر آئے تو اسے شادی سے نہیں روکا جاسکتا۔البتہ ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں وہ عدل وانصاف اور باہمی مساوات کا رویہ اپنائے ،میل جول ،رہائش وزیبائش، نان ونفقہ اورازدواجی تعلقات وغیرہ سے متعلق وہ تمام امور جن میں مساوات عملاً ممکن ہے،ان میں مساویانہ رویہ اختیار کرے یعنی جیسی رہائش ایک بیوی کے لیے ہو ویسی ہی رہائش دوسری بیوی کے لیے ہونی چاہیے۔اور جیسے لباس ،کھانا پینا ایک کے لیے ہو،تمام بیویوں کے لیے ایسا ہی ہونا چاہیے۔البتہ ظاہری مساوات کے علاوہ قلبی میلان اس سے مستثنیٰ ہے۔

یادرہے کہ معاشی خوشحالی ہونے کے باوجود اگر کسی شخص کوایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کے بعد ان کے درمیان عدل وانصاف نہ ہونے کا ڈر ہو تو ایسی صورت حال میں اللہ تعالیٰ نے ایک بیوی سے زیادہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ ۴۴

''جوعورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرلولیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔''

علاوہ ازیں اگر کوئی شخص ایک سے زائد شادیاں کرنے کے باوجود ان کے درمیان عدل وانصاف نہیں کرتا تو رسول اکرم ﷺ نے اس شخص کے لئے سخت وعید سنائی ہے۔

''وہ شخص قیامت کے روز اس حال میں اللہ کے سامنے حاضر ہوگا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ (ساقط) ہوگا۔'' ۴۵

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْحَرَصْتُمْ فَلَاتَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ الرَّحِيْم﴾ ۴۶

''تم سے یہ کبھی نہ ہوسکے گا کہ تم اپنی تمام بیویوں میں ہرطرح عدل کرو اگر چہ تم اس کی کتنی ہی آرزو کرو۔پس بالکل ہی ایک طرف مائل ہوکر دوسری کو ادھر لٹکی ہوئی نہ چھوڑو اور اگر تم اصلاح کرو۔اور احتیاط کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔''

# بلا استطاعت تعدد ازواج کی ممانعت

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔اس کے خصائص میں سے ہے کہ یہ کسی مسلمان پر ایسی کوئی ذمہ داری نہیں ڈالتا جس تک رسائی اورطاقت کا انسان میں فقدان ہو۔اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿لَا یُکَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [47]

''کہ اللہ تعالی انسان کی طاقت کوسامنے رکھتے ہوئے اسے کسی کام کا مکلّف ٹھہراتے ہیں۔''

جب اللہ تعالی کا یہ اصول ہے تو پھر اللہ کو ماننے والے کا بھی یہی اصول اور ضابطہ ہونا چاہیے کہ اپنے اوپر ایسی کوئی ذمہ داری عائد نہ کرے جس کی وہ استطاعت ہی نہیں رکھتا۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغْنِیَهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِه﴾ [48]

''اور جو نکاح کا موقع نہ پائیں انہیں چاہیے کہ عفت مآبی اختیار کریں یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کردے۔''

## استطاعت کی اقسام

استطاعت کی دواقسام ہیں تعدد ازواج کے لیے دونوں کا پایا جانا ضروری ہے۔جن کا فقدان تعدد ازواج کے لیے ممانعت کا سبب بنتا ہے وہ یہ ہیں: ① مالی استطاعت کا فقدان ② جنسی استطاعت کا فقدان

### ① مالی استطاعت کا فقدان

عصرحاضر میں سرمایہ اوراقتصاد ایک ایسا معاملہ ہے جس کے تمام لوگ محتاج ہیں۔مالی استطاعت کا فقدان ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کے باعث کوئی امر بھی اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

یادرہے کہ پاکستانی معاشرے میں ایک اوسط درجہ کے شہری کے لیے دوسری شادی کرنا معمولی بات نہیں۔کیونکہ بالفرض اس کی ماہوار آمدن ۸،۱۰ ہزار ہے تو آدھی رقم مکان کے کرائے کے لیے نکل جاتی ہے۔اورتقریبا اتنی رقم پانی ،بجلی،گیس ،فون وغیرہ کے بل اتارنے میں صرف ہوجاتی ہے۔اب جیب خالی ہے مگر بیوی ،بچوں کی ضروریات اپنی جگہ الگ سے موجود ہیں۔جنہیں پورا کرنے کے لیے ایسے متوسط شخص کوڈبل ڈیوٹی کرنا پڑتی ہے۔یا پھر بیوی کو گھر میں کوئی ایسا مناسب پیشہ اختیار کرنا پڑتا ہے کہ جس سے نان ونفقہ کے مسائل پورے ہوسکیں۔اورعملا ہر متوسط گھرانہ ایسی صورت حال کی عکاسی کرتا ہے۔البتہ جن کا مکان اپنا ہوتا ہے وہ کرائے کی رقم کواضافی ڈیوٹی کے بدلے استعمال کرلیتے ہیں مگر پھر بھی حالت یہ ہوتی ہے کہ مہینہ ختم نہیں ہو پاتا جبکہ تنخواہ ختم ہوجاتی ہے۔اب دوسری شادی کے لیے وہ مزید رہائش اورنان ونفقہ کا بندوبست کہاں سے کرے؟اس لیے دوسری شادی کرنے والے کوسوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے۔ مذکورہ آیت ﴿وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِکَاحًا﴾ میں اس پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ابن قدامہ ؒ بھی یہ کہتے ہیں کہ تعدد ازواج کی رخصت پرعمل کرنے سے قبل آدمی کے پاس اتنی رقم ہونی چاہیے کہ وہ ہر بیوی کے لیے الگ الگ گھر تیار کرسکے۔

”ولیس للرجل أن یجمع بین امرأتیه فی مسکن واحد بغیر رضاهما صغیرا کان أو کبیرا لأن علیهما ضرار بما بینهما من العداوة والغیرة وإجتماعهما یشیر المخاصمة والمقاتلة“ [49]

''خاوند اپنی دو بیویوں کی رضامندی کے بغیر انہیں ایک ہی گھر میں اکٹھا نہیں رکھ سکتا خواہ وہ گھر چھوٹا ہو یا بڑا ،کیونکہ سوتنوں کی باہمی

عداوت اور غیرت کی وجہ سے فساد پیدا ہوتا ہے۔اور انہیں ایک ہی گھر میں رکھنا گویا انہیں ایک دوسرے کے خلاف لڑائی جھگڑے پر ابھارنے کے مترادف ہے۔''

## جسمانی اور جنسی استطاعت کا فقدان

جسمانی اور جنسی استطاعت کا فقدان ایک ایسا مسئلہ ہے کہ بیوی باقی تمام حقوق اور اشیاء بالائے طاق رکھتے ہوئے خاوند کے گھر میں زندگی بسر کر سکتی ہے لیکن مذکورہ استطاعت کے فقدان سے عورت کبھی بھی خاوند کے ہاں رہنے کے لئے رضامند نہیں ہوگی اِلّا یہ کہ وہ معسر ہو اور اسی گھر میں زندگی گزارنے پر مجبور ہو یا وہ شباب کی حالت کو کراس کر چکی ہو۔اس لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء ة فلیتزوج فانه أغض للبصر وأحصن للفرج فانه له وجاء "[۵۰]

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو کوئی ازدواجی حقوق پورے کرنے کی صلاحیت اور استطاعت رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ شادی کرلے کیونکہ یہ آنکھوں کو جھکا دینے والی اور شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی ہے پس یہ اس کے لیے ڈھال ہے۔''

حدیث مذکورہ میں جو اہم چیز بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک انسان میں جسمانی اور جنسی (یعنی وطی اور جماع کرنے کی) استطاعت نہ ہو شادی کا سوچنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ صنف نازک اور جنس مخالف کے بھی جذبات ہوتے ہیں۔اگر وہ اپنے جذبات، نفسانی اور جنسی خواہشات مجروح ہوتے دیکھتی ہے تو وہ ایک خاوند تو درکنار اردگرد کی اطراف واکناف میں بسنے والی نسل نو، خواہ مرد ہوں یا عورتیں، ان کو تباہی کے کنارے لے جاتی ہے۔جس کا رزلٹ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خاندان اور نسب نامے اپنے ہموار راستے سے ہٹتے ہوئے کھائی میں جا گرتے ہیں۔لہٰذا ایسی صورتحال میں تعدد ازواج کی سنت پر عمل کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

## چند آراء

① مصر کے ایک متبحر عالم سید محمد رشید رضا نے تعدد ازواج کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب تعدد ازواج میں نفرتوں اور مفاسد کی کثرت ہو۔تو ایک سے زائد بیوی کو نکاح میں رکھنے سے منع کیا جا سکتا ہے۔چنانچہ جب یہ امر ثابت ہو جائے کہ عوام الناس ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں ان کے درمیان عدل نہیں کرتے تو اولی الامر کو تعدد ازواج پر پابندی لگانے کا اختیار ہے۔اس کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ وہ ایک مباح فعل کرنے سے باز رہے جس سے فساد پیدا ہوتا ہے کیونکہ مصلحت کا اصول فساد کو باقی رکھنے سے بہتر ہے۔نیز یہ کہ زمانہ کے تغیر سے حکم میں واقع ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ حکم شرعی فرضیت کے درجے کا نہ ہو۔

② مصر کے ایک اور مشہور عالم مفتی محمد عبدہ 'تفسیر المنار' میں تعدد ازواج کے موضوع پر لکھتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں تعدد ازواج کے بہت زیادہ فوائد تھے۔جن میں سے سب سے اہم فائدہ یہ تھا کہ اس کے ذریعے سے نسبی اور سسرالی تعلقات کے قیام کی وجہ سے عصبیت کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔اور اس زمانے میں اس سے وہ نقصانات پیش نہیں آتے تھے۔جو آج پیش آرہے ہیں۔کیونکہ اس زمانے میں عورتوں اور مردوں، دونوں کے دلوں میں دینی شعور کافی مستحکم ہوتا ہے۔چنانچہ سوتن کا ضرر سوتن تک ہی محدود رہتا تھا۔لیکن آج صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ ہر سوتن کا ضرر اس کی اولاد، ماں، باپ اور پورے خاندان تک پھیل رہا ہے۔چنانچہ سوتنیں ان کے درمیان حسد اور بغض وعداوت کی آگ بھڑکاتی ہیں اور اپنے خاوندوں کو پہلی بیوی کے حقوق مارنے پر اکساتی ہیں۔اور آدمی اپنی محبوب ترین بیوی کے اشارہ ابرو پر رقص کرتا رہتا ہے۔اور اس طرح اس کا فساد پورے خاندان میں سرایت کر جاتا ہے۔اگر عورتوں کی دینی اعتبار سے صحیح

تربیت کی جائے جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں دین کا غلبہ واقتدار قائم ہو جائے اور وہ ان معاملات میں دین کے فیصلوں پر سر تسلیم خم کر دیں۔ تو اس صورت حال میں کہا جا سکتا ہے کہ تعدد ازواج سے قوم وملت کو نقصان نہیں پہنچ سکتا بلکہ یہ ایک دینی اور قومی ضرورت ہوگی جو زیادہ تر عورتوں ہی پر منحصر ہے (آگے چل کر فرماتے ہیں) کہ جب بیویوں کے درمیان عدل نہ کیے جا سکنے اور معاشی اور ازدواجی حقوق پورے نہ کیے جا سکنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت حال میں تعدد ازواج حرام ہے۔[۵۱]

◉ مولانا ابوالاعلی مودودی رحمہ اللہ کی رائے:

مولانا سید ابوالاعلی مودودی رحمہ اللہ نے 'ترجمان القرآن' بابت محرم ۱۳۵۶ھ میں اپنے مضمون ''نکاح کتابیہ'' کے ضمن میں لکھا ہے:

'' شریعت کی تمام رخصتوں کے معاملے میں جن سے ناجائز فائدہ اٹھائے جانے کا اندیشہ پایا جاتا ہو مسلمانوں کے اولی الامر کو امتناعی احکام جاری کرنے کا حق ہے اور اس قسم کے امتناعی احکام جائز کو ناجائز اور حلال کو حرام کیے بغیر نافذ کیے جا سکتے ہیں۔''

## مسلم ممالک کے قوانین کی روشنی میں تعدد ازواج کی ممانعت

آج کل شام، عراق اور مراکش کے قانون کے تحت ایک سے زائد نکاحوں پر پابندی عائد ہے۔ اور ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح، صرف قاضی کی اجازت پر موقوف ہے۔ لیکن عراق میں اجازت دو شرطوں کی تکمیل پر دی جاتی ہے ایک یہ کہ شوہر اتنی مالی استطاعت رکھتا ہو۔ اور دوسری یہ کہ اس نکاح میں شرعی مصلحت پائی جائے۔[۵۲]

# اسلام اور مغرب، تعدد ازواج کے پس منظر میں

اہل مغرب ، یورپ اوران جیسی تہذیب رکھنے والے مما لک، جنسی اباحیت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔وہاں صنفی خواہش اور تلذذ کو بھڑکانے والے محرکات وعوامل کو دن بدن پذیرائی حاصل ہو رہی ہے۔جس کی وجہ سے اپنی بیوی اوراپنے شوہر کے علاوہ دیگر خواتین وحضرات سے ناجائز تعلق رکھنا نہ صرف عام ہے بلکہ اب کوئی معیوب امر بھی نہیں سمجھا جاتا۔البتہ بیوی کی موجودگی میں کوئی، داشتہ عورت سے نکاح کرے تو اسے بہت معیوب سمجھتے ہیں۔قانون تعدد ازواج کو برا خیال کیا جاتا ہے جبکہ غیر قانونی تعدد ازواج کا رواج عام ہے۔ان مما لک کے لوگ بچوں کو پالنا مصیبت سمجھتے ہیں۔کیونکہ بچے ان کی زندگی کی رنگینیاں غارت کر دیتے ہیں۔لہذا ایک تو ان مما لک میں قلت اولاد اور آبادی میں کمی کا مسئلہ درپیش ہے۔اور اگر بچے ہیں بھی تو ان میں حرامی بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔مزید برآں ناجائز بچوں اور کنواری ماؤں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔'تفسیر ضیاء القرآن' میں لکھا ہے:

''کیا یورپ اورامریکہ اپنی تمام تر سائنسی ترقی کے باوجود حرامی بچوں اور کنواری ماؤں کی تعداد میں ہوش ربا اضافے کے باعث پریشان نہیں؟ یو.این.او.کی رپورٹ کے مطابق بعض یورپین مما لک میں ناجائز ولادتوں کی اوسط ۶۰ فیصد تک پہنچ گئی ہے۔۵۳؎

ایک سے زیادہ بیویوں کو مذموم فعل سمجھنے کے اس مغربی تخیل کی بنیادیں دو ہیں۔

## پہلی بنیاد

فحاشی ، بدکاری، داشتائیں رکھنے کی عام اجازت اور جنسی آوارگی ہے۔ جسے مغرب میں مذموم فعل کی بجائے عین جائز بلکہ مستحسن سمجھا جا رہا ہے۔

## دوسری بنیاد

مادیت پرستی ہے۔جس میں ہر شخص یہ تو چاہتا ہے کہ اس کا معیار زندگی بلند ہو اوراولاد کو اعلیٰ تعلیم دلائے۔مگر ان باتوں پر چونکہ بے پناہ اخراجات اٹھتے ہیں۔جو ہر انسان پورے نہیں کرسکتا لہذا وہ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس کے ہاں اولاد ہی نہ ہو یا کم سے کم ہو۔اور ظاہر ہے کہ ایسا معاشرہ تو ایک بیوی کو بمشکل برداشت کرتا ہے۔اوروہ بہتر یہی سمجھتا ہے کہ بیوی ایک بھی نہ ہو اور بدکاری سے ہی کام چلتا رہے۔جبکہ اسلام سب سے زیادہ زور نکاح پر دیتا ہے۔اور ہر طرح کی فحاشی ،عریانی کو معیوب فعل قرار دیتا ہے۔اور معیار زندگی کو بلند کرنے کی بجائے سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہے۔اسی لیے اس نے اقتصاد اور حالات کے مطابق چار بیویوں تک کی اجازت دی ہے۔اب بتایئے کہ اس مغربی تخیل اور اسلامی تخیل میں مطابقت کی کوئی صورت پیدا کی جاسکتی ہے۔اسی مغربی تخیل سے اور بعض خواتین کے مطالبہ سے متاثر ہو کر صدر ایوب کے دور میں پاکستان مسلم عائلی قوانین کا آرڈیننس '۱۹۶۱ء' پاس ہوا۔اس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ اگر مرد شادی شدہ ہو اور دوسری شادی کرنا چاہتا ہو تو سب سے پہلے اپنی پہلی بیوی سے دوسری شادی کے لیے رضامندی کی تحریری اجازت لے کر ثالثی کونسل سے اجازت نامہ حاصل کرے اور اگر ثالثی کونسل بھی اجازت دے دے تو تب ہی وہ دوسری شادی کرسکتا ہے۔جیسا کہ اس آرڈیننس کی شق نمبر ۲۱ اور ۲۲ سے واضح ہوتا ہے۔گویا حکومت نے نکاح ثانی پر ایسی پابندیاں لگادیں کہ کوئی شخص انتہائی مجبوری کے بغیر دوسری شادی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔اور عملاً اس اجازت کو ختم کر دیا جو اللہ تعالی نے مرد کو دی تھی۔اس بات کو سامنے

رکھتے ہوئے کہ کوئی عورت بھی اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ اس کے گھر میں اس کے مدمقابل اس کی سوتن آ جائے۔اب جولوگ دوسری شادی کرنا چاہتے اور پہلی بیوی کے رویہ سے نالاں تھے۔یا کسی اور مقصد کے لیے دوسری شادی کے خواہاں تھے۔توانہوں نے غیر فطری پابندی کا آسان حل یہ سوچا کہ پہلی بیوی کو طلاق دے دو اور دوسری شادی رچالو۔تو اس طرح جو حکم عورتوں کی محافظت کے لیے تھا وہ غیر فطری پابندی کی وجہ سے ان کی پریشانی کا باعث بن گیا۔

ضرورت تو یہ تھی کہ سنجیدہ لوگ اس گندگی کی صفائی کا کچھ بندوبست کرتے لیکن اہل مغرب مزید ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اس معاشرتی عکس کو روشن خیال،جدت پسندی اور ترقی کا نام دیا ہے۔اور وہ چاہتے ہیں کہ باقی دنیا بھی ان ہی کی طرح ہو جائے۔تاکہ اس دنیا کے حمام میں سب ننگے اور نکٹے ہوں اور کوئی بھی ان کی طرف انگلی اٹھانے کی جراءت نہ کر سکے جبکہ اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ:

﴿لَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ هُمْ عَمَّا جَاءَ كَ مِنَ الْحَقِّ﴾ ۵۴ ''جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر انکی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔''

ایک اور مقام پر اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ هُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ ۵۵

''اور ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کرو، اور ان سے کہہ دو: اللہ تعالی نے جو کتاب بھی نازل کی ہے، میں اس پر ایمان لایا، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہی ہمارا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔''

تہذیب وثقافت اور لیل ونہار بسر کرنے کے انداز تو درکنار اہل کتاب تو یہاں تک مسلمانوں سے امید اور خواہش کرتے ہیں کہ یہ اپنے مساویانہ اور اللہ کے پسندیدہ دین کو نظر انداز کرتے ہوئے ہمارے (منسوخ) مذہب پر کاربند ہو جائیں تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری، یعنی کہ ہماری طرح عریاں ہو جائیں تاکہ ہماری طرف اشارہ کرنے کے مجاز نہ ہوں۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا﴾ ۵۶

''اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان سے پھیر کر پھر کفر کی طرف پلٹا لے جائیں۔''

اہل مغرب اور نام نہاد مسلمانوں میں سے ان کے ہمنوا، جدت پسند اور روشن خیال افراد کو، تہذیب اسلامی اور مسلمان بہت زیادہ کھٹکتے ہیں کیونکہ اسلام حیا کا مذہب ہے۔رسول اللہ ﷺ کی حدیث طیبہ ہے:

"أن رسول الله ﷺ مرعلى رجل من الأنصار وهو يعظ أخاه فى الحياء فقال رسول الله ﷺ دعه فان الحياء من الإيمان" ۵۷

''رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو (زیادہ حیا کرنے کی وجہ سے) حیاء کے بارے میں سمجھا رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو! یقیناً حیاء ایمان کا حصہ ہے۔''

اسلام غیر محرم سے تعلقات کو زنا اور گناہ کبیرہ شمار کرتا ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيْلًا﴾ ۵۸

''تم زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو کیونکہ یہ بے حیائی اور اللہ کو ناراض کرنے والی بات ہے۔''

اور یہ بھی یاد رہے کہ مسلمان بچوں سے نفرت نہیں کرتے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تزوجوا الولود الودود فإنى مكاثر بكم الأمم"

کہ تم زیادہ بچے جننے والیوں سے شادی کرو، اگر بچے محبوب نہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کبھی ایسا نہ فرماتے۔ اور دین اسلام ایسا فطری اور معتدل دین ہے کہ جس شخص کی تسکین کیلئے ایک بیوی کافی نہ ہو اسے دوسری، تیسری اور چوتھی بیوی کرنے کی اجازت دیتا ہے تاکہ معاشرے میں ناجائز تعلقات پیدا کرنے کا جواز ہی باقی نہ رہے بلکہ اگر کبھی جنگ وغیرہ کے نتیجے میں مردوں کی تعداد کم ہوجائے تو یتیموں اور بیواوں کو، اس کے علاوہ بھی ملک وقوم کی جب بھی خدمت کیلئے اس جواز کی ضرورت ہو تو اسے استعمال میں لایا جائے۔

## سابقہ انبیاء کے ہاں کثرت ازواج

حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں مردوں کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت تھی۔ اولاد نوح علیہ السلام میں 'لمک' ایک ایسا شخص تھا جس کی بیویوں کا ذکر بائبل میں اس طرح ہے:

''اور لمک دو عورتیں بیاہ لایا۔ ایک کا نام عدہ اور دوسری کا نام حلہ تھا۔''۵۹

## حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں (حاجرہ اور سارہ) جس کی تائید بائبل کی کتاب پیدائش کے باب نمبر ۱۶ اور آیت نمبر ۲ کے ضمن میں ہے۔

## حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں جو ان کے ماموں ''لابن'' کی بیٹیاں تھیں۔ اورانہوں نے اپنی دو لونڈیوں سے بھی مصالحت کی تھی۔ ایک کا نام ''زلفا'' اور دوسری کا نام ''بلہا'' تھا۔۶۰

## حضرت داوٗد علیہ السلام

بنی اسرائیل کے دو جلیل القدر پیغمبر حضرت داوٗد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کثرت ازواج کے قائل تھے۔ مفسر قرآن 'خازن' حضرت داوٗد علیہ السلام کے بارے میں لکھتا ہے:

"کان لداؤد تسع وتسعون امرأۃ......الخ"۶۱

''کہ حضرت داوٗد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔''

## حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں صحیح حدیث میں آتا ہے:

"قال رسول اللہ ﷺ قال سلیمان لأطوفن اللیلۃ علی تسعین إمرأۃ......الخ "۶۲

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں ایک رات میں اپنی ننانوے بیویوں کے پاس چکر لگاؤں گا۔''

بائبل سلاطین اول میں ہے:

''سلیمان علیہ السلام ان کے ہی عشق کا دم بھرنے لگے اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں اور اس کی بیویاں تین سو میں تھیں......الخ''(۱۲)

## حضرت موسی علیہ السلام

حضرت موسی علیہ السلام کے بارے میں 'کتاب خروج' میں ہے۔

''اور موسی علیہ السلام اس شخص کے ساتھ رہنے پر راضی ہوگیا تب اس نے اپنی بیٹی صفورہ موسی علیہ السلام کے ساتھ بیاہ دی۔''

اور دوسری شادی کا ذکر گنتی میں ہے۔

''اور موسی علیہ السلام نے ایک 'کوشی' عورت سے بیاہ کرلیا۔''[٦٣]

کسی محقق نے حضرت موسی علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے۔

''اور موسی علیہ السلام کی بھی چار بیویاں تھیں۔''[٦٤]

گویا مذکورہ دلائل اور تاریخی حوالہ جات سے یہ بات از خود ظاہر ہوجاتی ہے۔کہ عصر حاضر کے یہود ونصاری، انبیاء ورسل کی پیروی کا دعوی کرتے ہیں تو انہیں انبیاء کی سنت کو اپنے معاشرے میں فروغ دینا چاہیے۔

## ہندوؤں کے ہاں کثرت ازواج

① خود ہندوؤں کی تاریخ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے بعض راجے اپنے حرم میں دو دو بہنوں کو شامل کیے رکھتے ہیں۔شری کش جی مہاراج کے عہد کے معروف راجہ کنن ، راجہ جرا سندہ کی دو بہنوں سے شادی کی اور اسی شادی کی وجہ سے راجہ کنن کی حمایت میں جرا سندہ نے جنگ بھی کی تھی۔[٦٥]

ہندو جو آج صرف ایک بیوی کے قائل ہیں۔اپنے مذہبی پیشواؤں کے بارے میں واضح کیوں نہیں کرتے کہ وہ کثرت ازواج کے قائل وفاعل تھے۔

## رام چندر جی کے والد کا قصہ

شری راجہ چندر جی کے والد راجہ بسر وتھ کی تین بیویاں تھیں۔

① رانی کوشلیا۔جو شری رام چندر کی والدہ تھی۔

② رانی سمتر۔جو شری پچھمن، کی والدہ تھی۔

③ رانی کیکئی۔جو 'بھرت جی' کی والدہ تھی۔[٦٦]

شری کرشن جی مہاراج، جن کی بڑی عقیدت ہے۔ان کے بارے میں لکھا ہے:

''شری کرشن جی کی اٹھارہ بیویاں تھیں اور راجہ پانڈو کی دو بیویاں تھیں۔''[٦٧]

## خلاصہ کلام

① تعدد ازواج کا ثبوت تاریخ انسانی کے ابتدائی دور سے بعثت خاتم النبیین تک تسلسل سے ملتا ہے۔

② تعدد ازواج کا ثبوت اسلام کے علاوہ دیگر ادیان ومذاہب کی تاریخ سے بھی ملتا ہے۔

③ جاہل اقوام نے اسلام سے قبل اس اجازت کو افراط وتفریط کا شکار بنا رکھا تھا۔

④ شریعت محمدی نے تعدد ازواج کا مسئلہ نئے سرے سے پیش نہیں کیا۔

⑤ ہماری شریعت میں اسے صرف معتدل اور بہترین انداز میں کرتے ہوئے پیش کیا ہے۔

◉ علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"كان الرجل فى الجاهلية يتزوج العشرة فما دون ذلك فأحل الله جل ثناء ه أربعا ثم الذى صيرهن إلى أربع"[68]

''آدمی جاہلیت میں دس یا کم وبیش عورتوں سے شادی کرتا اللہ تعالی نے چار کو حلال برقرار رکھا اور پھر اس پر ان کو چلا دیا۔''

گویا دین اسلام معتدل مذہب ہے اس لیے، اس نے معتدل راستہ چار بیویوں تک کی اجازت کو قرار دیا ہے۔

◉............◉............◉

# حوالہ جات

(۱) النساء:۱

(۲) صحیح بخاری، کتاب الشرکة، باب شرکة الیتیم وأهل المیراث:۲۴۹۴

(۳) پرویز، غلام احمد، قرآنی قوانین، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۷۸ء:۵۸

(۴) النساء:۱۲۹

(۵) تفسیر ابن کثیر:۱/۱۱۲

(۶) تفهیم القرآن:۱/۳۲۱

(۷) النور:۳۳

(۸) مسئلہ تعدد ازواج:۹،۱۰

(۹) اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۹ء:۲۵۳

(۱۰) ابن رشد، بداية المجتهد ونهاية المقتصد: کتاب النکاح، مکتبه الکلیات الأزهرية، بیروت

(۱۱) قرطبی، تفسیر سورة النساء:۲

(۱۲) موسوعة الأسرة:۲/۲۵۴۔۲۵۳، تفسیر القرطبی:۵/۱۶۔۱۵، تفسیر ابن کثیر:۲/۱۸۲، نظام الأسرة:۱۷۰

(۱۳) سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی الرجل یسلم وعنده اکثر من أربع نسوة:۱۷۶۳

(۱۴) صحیح ابن حبان، کتاب الحج، باب الهدی:۴۲۳۱

(۱۵) السیوطی، جلال الدین، الدرالمنثور فی تفسیر الماثور، دار المعرفة، بیروت، س ن:۲/۱۱۹

(۱۶) صحیح ابن حبان، کتاب الحج، باب الهدی:۴۲۳۱

(۱۷) ابن ہشام، سیرت ابن ہشام (اردو)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۶۲ء:۲/۸۰۲

(۱۸) ابن حجر عسقلانی، الاصابه فی تمیز الصحابه، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۱۵ھ - ۱۹۹۵ء: ۸/۴۶۷

(۱۹) الإصابه فی تمیز الصحابه:۸/۴۶۷

(۲۰) الإصابه فی تمیز الصحابه:۸/۲۲۸

(۲۱) الإصابه فی تمیز الصحابه:۸/۴۶۵

(۲۲) اکبر خان نجیب آبادی، تاریخ اسلام، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۱ء:۳/۴۴۵

(۲۳) تاریخ اسلام از اکبر خان نجیب آبادی:۳/۴۵۴

(۲۴) سرخسی ، شمس الدین :المبسوط ، دار المرفة ، بیروت ، ۱۳۹۸ھـ :۱۶۱/۳
(۲۵) تفسیر الجامع لاحکام القران:۱۷/۵
(۲۶) فتح الباری:۱۳۹/۹
(۲۷) تفسیر الخازن:۳۴۳/۱
(۲۸) المغنی:۴۳۵/۷
(۲۹) بدائع الفوائد:۴۱/۴
(۳۰) بدائع الفوائد:۴۱/۴
(۳۱) تفسیر سراج البیان:۱۸۲/۱
(۳۲) حجة الله البالغة:۱۳۲/۱
(۳۳) مسئلہ تعدد ازواج:۳۲
(۳۴) ابن قیم الجوزیة: اعلام الموقعین عن رب العالمین ، تحقیق: عبد الرحمن الوکیل ، دار الکتب الحدیثة ، القاهرة :۱۰۳/۲
(۳۵) بدائع الفوائد:۶۱/۴
(۳۶) تدبر قرآن:۲۵۳/۲
(۳۷) تفسیر سراج البیان:۱۸۲/۱
(۳۸) ابن قیم الجوزیة ، اغاثة اللهفان فی مصاید الشیطان ، تحقیق:محمد عفیفی ، المکتب الاسلامی ۸بیروت ، ۱۴۱۹ھـ - ۱۹۹۸ء:۵۰۱/۱
(۳۹) اعلام الموقعین: ۱۰۵/۲
(۴۰) صباح الدین عبد الرحمن ، تذکرة الاولیاء کرام، ادبستان، لاہور، ۱۹۷۳ء: ۱۵۲/۳
(۴۱) شبلی نعمانی :سیرة النعمان ، مدینه پبلشنگ کمپنی ، کراچی:۳۴
(۴۲) المغنی:۲۳۴/۱۰
(۴۳) النساء:۲۴
(۴۴) النساء:۳
(۴۵) سنن دار قطنی:۲۲۱/۳
(۴۶) النساء:۱۲۹
(۴۷) البقرة:۲۰۶
(۴۸) النور:۳۳

(۴۹) المغنی:۲۳۴/۳

(۵۰) صحیح بخاری ، کتاب النکاح ، باب من لم یستطع الباء ۃ فلیصم:۵۰٦٦

(۵۱) تفسیر المنار: ۵۰/۴۔۳۴۹

(۵۲) تنزیل الرحمٰن ،ڈاکٹر ،مجموعہ قوانین اسلام،ادارہ تحقیقات اسلامی ،اسلا آباد،۲۰۰۴ء:۱۴۰/۱

(۵۳) ضیاء القرآن:۳۱۷/۱

(۵۴) المائدۃ:۴۸

(۵۵) الشوری:۱۵

(۵٦) البقرۃ:۱۰۹

(۵۷) صحیح بخاری ، کتاب الإیمان ، باب الحیاء من الإیمان:۲۴

(۵۸) بنی اسرائیل:۳۲

(۵۹) کتاب مقدس (بائبل) پیدائش باب:۱۹/۴صفحہ ۸

(٦۰) بائبل کی عظیم سچائیاں ، ورلڈ ہوم بائبل لیگ ،لاہور، باب ۲٦ آیت ۳۴

(٦۱) تفسیر الخازن ، آیت:۳۸ تا ۴۳

(٦۲) بائبل سلاطین اول باب ۱۱ آیت ۳ص ۳۴۰

(٦۳) بائبل خروج باب ۲ آیت ۲۱، بائبل گنتی باب ۱۲، آیت ۱، ص ۱۳۷

(٦۴) ماہنامہ السراج،سیرت النبی کا ازواجی پہلو از عبدالعلیم ماہر، جلد ۳ شمارہ ۳:۱۹۹٦ء

(٦۵) غلام رسول ، پروفیسر، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علمی کتاب خانہ، لاہور ۱۹۷٦ء:۱۵۸

(٦٦) عبدالروف جھنڈانگری ،ماہنامہ السراج سیرت النبی کا ازواجی پہلو، نیپال ۱۹۹٦ء:۲۱/۳

(٦۷) ماہنامہ السراج، سیرت النبی کا ازواجی پہلو،۲۱/۳

(٦۸) تفسیر طبری:۲۳۴/۳

# فصل چھارم

① اسلام کا قانون طلاق
② طلاق کے آداب وشرائط
③ خلع کی اہمیت وضرورت
④ بلاوجہ طلاق کی ممانعت

# اسلام کا قانون طلاق

اسلام ایک ایسا لاثانی دین ہے کہ جس نے ہر چیز کا دستور ہمیں ہے۔اور ایسے قوانین پیش نہیں کیے، جو مختلف خرابیوں اور نقائص کے حامل ہوں بلکہ بیش بہا خصائل کے حامل قوانین ہیں۔ایسا کیوں نہ ہوتا، اسلام کے قوانین اللہ تعالی کے نازل کردہ ہیں۔حضور ﷺ ان کی توضیح وتشریح کرنے والے ہیں جو آج سے چودہ سو سال قبل سے لیکر قیامت کی درو دیوار تک قائم ودائم رہیں گے۔اور یہی اسلامی قوانین میں سے اسلام کا قانون طلاق ہے جو یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

## طلاق کی تعریف

① السید السابق المصری نے ''طلاق'' کی تعریف اس طرح کی ہے کہ طلاق اطلاق سے ماخوذ ہے۔جس کا مطلب بھیجنا اور چھوڑنا ہے۔آپ کہیں گے 'اطلقت الاسیر' جب آپ قیدی کی بیڑیاں کھول دیں۔اور اس کو چھوڑ دیں، شرع میں شادی کے رابطے کو توڑنا اور تعلق زوجیت کو ختم کرنے کا نام طلاق ہے۔''[1]

② ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن لکھتے ہیں:

شوہر کی جانب سے اصالتاً یا وکالتاً، نیابتاً یا تفویضاً مخصوص الفاظ کے ساتھ یا باطنی ،فی الفور یا بالتبعہ رشتہ ازدواج ختم کرنے کا نام طلاق ہے۔[2]

③ جمہور کے ہاں تعریف طلاق:

''رفع قید النکاح اوبعضه بلفظ مخصوص ''نکاح کی قید یا اس کے بعض کو کسی خاص لفظ سے ختم کر دینا طلاق کہلاتا ہے۔''[3]

اس بات سے تمام دانشور ،اہل علم وفضل آشنا ہیں کہ اسلام کے قانون طلاق کو موجودہ دور کے تمام قوانین طلاق پر برتری وفوقیت حاصل ہے۔اس کی وجہ بالکل واضح ہے کہ اول الذکر وحی پر مبنی قانون ہے۔یعنی اس کا ماخذ خدائے علیم وخبیر کی ذات ہے۔جس میں کوئی تبدیل وتغییر ممکن نہیں۔اوراسی کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق آب وگل کی ہر چھوٹی بڑی چیز اپنے طبعی وظائف انجام دے رہی ہے۔اوراس میں حددرجہ توافق وسازگاری ہے کہیں معمولی قسم کا بھی اختلاف ونزاع نہیں۔سب موجودات کی جبین نیاز اس حاکم مطلق کے آگے جھکی ہوئی ہے۔اوراس کے برخلاف دوسرا قانون وہ ہے جو انسان کے ذہن کا بنایا ہوا ہے جو اپنے تمام حیرت انگیز کمالات کے باوجود بہر حال نقص وتغییر کے عیب سے خالی نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ارتقائی عمل رکھتا ہے۔یعنی نقص سے گزر کر کمالات تک پہنچتا ہے۔یہ کمال بھی مستقل ،قائم بالذات نہیں ہے۔جو موجودہ زمانے میں کمال گردانا جاتا ہے۔وہ آگے چل کر حالات کی تبدیلی سے ناقص بن جاتا ہے۔اس کا اطلاق انسان کے وضع کردہ قوانین پر ہوتا ہے۔خواہ وہ کسی دور میں بنایا گیا ہو اور بنانے والے کتنے ہی ماہرین قانون ہوں۔

لیکن اس واضح حقیقت کے باوجود کیا سبب ہے کہ زمانے میں اللہ کے مقابلے میں انسانی قوانین کو ترجیح دی جاتی ہے اس کی آج بھی صورت حال یہی ہے، اس کی راقم الحروف کے نزدیک صرف ایک ہی وجہ ہے وہ یہ کہ ہر زمانے میں اللہ کا قانون اپنی اصل شکل میں باقی نہیں رہا۔اس میں تأویل وتغیر کی صورت میں انسانی ذہن کا عمل دخل رہا ہے۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مقابلے میں فقہاء کے جزوی قانون پر توجہ زیادہ مرکوز ہوگئی ہے۔اور فقہاء کے قانون کو کلی قانون تسلیم کرلیا گیا۔جیسا کہ اسلامی قوانین کا حال ہے۔اسلام کا قانون طلاق بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہا۔

## حیثیت نکاح

دین اسلام کی نظر میں نکاح کی حیثیت غیر معمولی ہے اور اس کو میثاق غلیظہ یعنی پختہ عہد سے تعبیر کیا گیا ہے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

﴿وَاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ ؎[4]

''اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔''

مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ نکاح دراصل امر شرعی ہے۔جس کے دوران میں مرد اور عورت ان دونوں سے یہ امر پورا ہوتا ہے۔

اسی طرح علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وأجمع المسلمون على ان النكاح مشروع "؎[5]

''تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ نکاح ایک شرعی امر ہے۔''

## تحفظ نکاح

دین اسلام اپنے حاملین جن میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ہدایت کرتا ہے کہ شادی سے قبل خوب غور وفکر کرلیں اور جن امور کی تفتیش وتحقیق ضروری ہو۔ان کی خوب اچھی طرح تحقیق کرلیں۔یہاں تک کہ مرد اگر اپنی زیر نظر بیوی کو دیکھنا چاہے تو اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔کہ وہ اسے کسی عمدہ بہانے سے دیکھ لے۔اور یہی اختیار لڑکی کے ولی کو دیا گیا ہے۔اور اسے ہدایت کی گئی ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر شادی نہ کی جائے۔اسی طرح لڑکی کا نکاح اگر بلوغت سے قبل کیا گیا ہے تو شریعت مطہرہ نے اسے اجازت دی ہے۔کہ بلوغت کی عمر کو پہنچنے کے بعد اگر چاہے تو اپنے اسی نکاح کو ختم کردے۔معلوم ہوا کہ طرفین کی مرضی کے بغیر اسلام میں نکاح ممنوع ہے۔

کوئی مرد یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ وہ خوبیوں کا سراپہ ہے۔یا اس کے اندر کوئی عیب ونقص نہیں ہے۔اسی طرح کوئی عورت یہ دعوی نہیں کرسکتی کہ وہ تمام عیوب ونقائص سے پاک اور مبرا ہے۔گاڑی کے دونوں پہیوں، مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی اچھائیوں اور نیکیوں پر نظر رکھنی چاہیے، تب ہی عائلی زندگی آسانی سے بسر ہوسکتی ہے۔

زوجین کے درمیان خوشگوار تعلقات کے قیام کے لیے مذکورہ اصول کی پیروی نہایت ضروری ہے۔یہ بات طے شدہ ہیکہ مرد اور عورت اپنی نفسیات اور طبائع کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔اللہ تعالی کا یہ کمال علم وقدرت ہے کہ اس نے ضدین میں نہ صرف اتحاد پیدا کردیا بلکہ دونوں کا وجود ایک دوسرے کے لئے ناگزیر سماجی ضرورت بن گیا۔ان میں سے کوئی فریق دوسرے فریق کو نظر انداز کرکے کبھی خوشگوار زندگی نہیں گزار سکتا۔ضدین کے اس اتحاد کو قرآن مجید میں وجود باری تعالی کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِقَوْمٍ

يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾٦

''اوراس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔''

اس اتحاد میں بھی اختلاف کا فطری عنصر ہر حال میں موجود ہوتا ہے۔اس لیے فریقین پر واجب ہے کہ وہ فطرت کے اس عنصر پر ہمیشہ نظر رکھیں۔مرد کے قلب وذہن میں اگر اپنی بیوی کے متعلق کوئی کمی کوتاہی آگئی ہے تو وہ سوچے کہ اس کے اندر کوئی خوبی بھی ہوگی۔اور ہوسکتا ہے کہ وہ کمی مرد کے حق میں باعث خیر ہو اور یہی حال خاوند اور مرد کا بھی ہے اگر اس میں کوئی کمی ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ بیوی کے حق میں باعث خیر اور بھلائی ہو۔اللہ تعالی نے اس حکیمانہ پہلو کو اس انداز میں بیان کیا ہے۔

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾٧

''اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔''

## اسباب طلاق

طلاق کے اسباب میں سے دو سبب کثیر الواقع ہیں۔ایک مرد کی جانب سے عورت کو نان ونفقہ کی عدم ادائیگی، اس کے ساتھ حسن سلوک کا فقدان اور دوسرا عورت کی زبان درازی اور نافرمانی ہے چنانچہ قرآن مجید میں مردوں کو تاکید کی گئی ہے۔کہ وہ عورتوں کے ساتھ خوش اطواری سے زندگی گزاریں۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾٨

''ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔''

ان کی کوتاہیوں سے چشم پوشی اختیار کرو۔اور لڑائی جھگڑے کی بجائے صلح جوئی سے کام لو۔دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَّاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾٩

''اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے، بدسلوکی یا بے رخی کا خطرہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ میاں اور بیوی آپس میں صلح کر لیں، صلح بہر حال بہتر ہے۔نفس تنگ دلی کی طرف جلد مائل ہو جاتے ہیں لیکن اگر تم لوگ احسان سے پیش آؤ اور خدا ترسی سے کام لو تو یقین رکھ اللہ تمہارے طرز عمل سے بے خبر نہ ہوگا۔''

اسی طرح عورتوں سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ اپنے خاوندوں کی اطاعت وفرمانبرداری بجالائیں ،قرآن انہیں عورتوں کو نیک وصالح اور پاکدامن قرار دیتا ہے۔جو اپنی عزت وآبرو اور عفت وعصمت کی حفاظت کرتی ہیں۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾١٠

''پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت ونگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔''

آج کل روشن خیالی کا دعوی کرنے والی خواتین کہتی ہیں کہ اسلام نے عورت کو خاوند کی اطاعت کا حکم دے کر اس کی اہمیت وحیثیت

کم کردی ہے۔حالانکہ ان کی اہمیت اسلام نے کم نہیں کی بلکہ اس کو بڑھایا ہے۔انہیں اس بات پر سوچنا چاہیے کہ فیملی کی حیثیت ایک ادارے کی ہے۔لہذا خاوند کی اطاعت، ایک ادارے کا نظام چلانے کے لئے ضروری ہے اگر کسی ادارے سے نظم ونسق کو ختم کر دیا جائے تو ادارہ کی اساس مسمار ہو کر رہ جائے گی اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ خاوند ڈکٹیٹر بن جائے بلکہ اسے اپنے بیوی بچوں سے حسن وسلوک سے پیش آنا چاہیے۔نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"خيركم خيركم لأهله وأناخير كم لأهلي"[11]

''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہترین ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہوں۔''

گویا اگر ایک فریق نے اپنے فرائض سے کوتاہی کی تو پھر ازدواجی زندگی کا قیام واستحکام ناممکن ہے۔خاندان کی بقاء کا تقاضا ہے کہ فریقین اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی پر توجہ دیں۔طلاق کی نوبت آتی ہی اس وقت ہے جب کسی فریق کی جانب سے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی سرزد ہوتی ہے۔

## طلاق سے قبل کے لمحات ومراحل

مسلمانوں میں ناخواندگی، نادانی، احکام شرع سے ناآشنائی اورواعظین کی غلط راہنمائی کی وجہ سے یہ غلط رواج عام ہو گیا ہے کہ بغیر سوچے سمجھے فوراً ہی طلاق دے دی جاتی ہے حالانکہ یہ اسلام کے قانون طلاق کی صریح خلاف ورزی ہے۔اگر یہ فعل کسی حقیقی اسلامی ریاست میں واقع ہو تو طلاق دینے والے کو سخت سزا ملنی چاہیے۔اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس کے قانون طلاق میں تدریج کا اصول بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔اگر کوئی مسلمان اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے تو اس کو اس عمل سے قبل چند لمحات ومراحل سے گزرنا ہوگا۔اور اس کے بعد ہی طلاق کا مرحلہ آئے گا۔ان تدریجی مراحل کی تفصیل درج ذیل ہے۔

عورتوں کے احساسات وجذبات بڑے نازک ہوتے ہیں۔وہ نازک آبگینے کی مانند ہیں کہ ذرا سی ٹھیس لگی اور ٹوٹ گیا اور یہی وجہ ہے کہ عورتیں معمولی باتوں پر برافروختہ ہوجاتی ہیں۔اور بسا اوقات ان کی یہ برافروختگی شوہر کی نافرمانی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔عورتوں کی اس فطری کمزوری کی وجہ سے مردوں کو یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اگر عورتیں نافرمانی کریں تو مشتعل نہ ہوں اور ردعمل میں کوئی عاجلانہ فیصلہ نہ کر بیٹھیں اور صبر سے کام لیں اور مردوں کی دانائی اس میں ہے کہ وہ ان کے ساتھ دلداری کا معاملہ کریں اور محبت سے سمجھائیں۔اگر اس کے باوجود نافرمانی سے باز نہ آئیں تو انہیں خواب گاہ سے علیحدہ کر دیا جائے۔یہ تدبیر بھی ناکام ہو جائے اور وہ عدم تعاون کی روش اختیار کریں تو پھر بادل نخواستہ ان کو جسمانی سزا دی جائے۔شاید اس طرح وہ رجوع کر لیں اور طلاق کی نوبت نہ آئے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

﴿وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا﴾[12]

''اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو، انہیں سمجھاؤ، خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ رہو اور مارو پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر دست درازی کے لئے بہانے تلاش نہ کرو یقین رکھو کہ اللہ موجود ہے جو بڑا اور بالاتر ہے۔''

بہت سی عورتیں اور بعض مرد بھی یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام نے نافرمان عورتوں کو جسمانی سزا کا حکم دے کر ان کی سخت توہین کی ہے۔یہ ان

کی کم فہمی ہے انہوں نے اس سزا کو اس مخصوص محل سے الگ کر کے دیکھا، اس لیے اس کی حکیمانہ مصلحت وہ سمجھ نہیں سکے۔ قرآن مجید نے یہ سخت سزا اس لیے تجویز کی ہے کہ طلاق واقع نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں اس نے خاندان کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے اس آخری اور ناپسندیدہ تدبیر کو بھی اختیار کر لیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں طلاق کتنی ناپسندیدہ چیز ہے اس نے یہ تو گوارہ کر لیا کہ نافرمان عورت کو جسمانی سزا دی جائے لیکن اس کو گوارہ نہیں کیا کہ اس کو چھوڑ دیا جائے۔ اور اس کی نادانی کی وجہ سے خود اس کا اور اس کے بچوں کا مستقبل تاریک ہو جائے۔

اس کے علاوہ جسمانی سزا کا بھی حکم اس صورت میں دیا گیا ہے کہ جب پہلی دو صورتیں (افہام اور خواب گاہ سے علیحدگی) ناکام ہو جائیں تو تدابیر کی ناکامی اس امر کا ثبوت ہوگا کہ عورت کے اندر منفی داعیات بہت سخت ہیں۔ ایک نارمل عورت کے لیے یہی سزا کافی ہے کہ اس کا شوہر اس سے تعلق زن وشو ختم کر لے۔ لیکن اس کے باوجود اگر عورت نافرمانی کی روش نہیں چھوڑتی تو اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کی فطرت میں سرکشی ہے۔ لیکن اسلام اس سرکش عورت کو بھی چھوڑنے کا حکم نہیں دیتا۔ بلکہ اس کو راہ راست پر لانے کے لئے جسمانی سزا تجویز کرتا ہے۔ تا کہ وہ نافرمانی کی سزا چھوڑ دے اور شوہر کی مطیع وفرمانبردار بن جائے اور اس طرح وہ طلاق کے تباہ کن نتائج سے محفوظ ہو جائے لیکن اگر جسمانی سزا بھی بے اثر ثابت ہوا اور عورت بدستور نشوز (نافرمانی وسرکشی) کی روش اختیار کیے رکھے تو ہر منصف مزاج شخص کا فیصلہ یہی ہوگا کہ اب طلاق کے سوا کوئی چارہ کار نہیں لیکن اسلامی قانون کی خوبی دیکھیں کہ وہ بہت ہی توقف اختیار کرتا ہے۔ اور حکم دیتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں خاندانوں سے ایک ایک مرد کو بطور حکم لیا جائے اور ایک فیملی کورٹ بنائی جائے، یہ فیملی کورٹ اس چیز کی حتی المقدور کوشش کرے کہ طرفین میں مصالحت ہو جائے اور طلاق واقع نہ ہو۔ اللہ تعالی کا وعدہ ہے کہ اگر وہ صدق دل سے باہم ملنا چاہیں گے تو وہ ان میں اتحاد پیدا کر دے گا۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ [13]

''اور اگر تم لوگوں کو کہیں میاں اور بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حَکَم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو، وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے۔''

بالآخر اگر فیملی کورٹ بھی فریقین کے درمیان صلح کرانے میں کامیاب نہ ہو تو پھر اسلام مرد اور عورت کو جدا ہونے کا اختیار دیتا ہے۔ مرد کو یہ اختیار طلاق کی صورت میں اور عورت کو یہ اختیار خلع کی صورت میں حاصل ہے۔

## قانون طلاق

قرآن کریم کے متعدد مقامات پر ایک سے زیادہ سورتوں میں قانون طلاق کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً سورۃ بقرۃ میں ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ط وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ط فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ط وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ فَاِنْ

طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْسَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[14]

''طلاق دومرتبہ ہے پھرروک رکھنا ہے، دستور کے مطابق یا چھوڑ دینا ہے خوش اسلوبی کے ساتھ اورتمہارے لیے یہ بات حلال نہیں کہ(وقت رخصت)اس مہر میں سے کوئی بھی چیز واپس لو۔جوتم نے ان کودی ہے مگراس وقت جب میاں بیوی کواحتمال ہوکہ وہ اللہ کی حدودکوقائم نہ رکھ سکیں گے اورتم کوبھی (اے مسلمانو!)اندیشہ ہوکہ وہ دونوں اللہ کی حدودکوقائم نہ رکھ سکیں گے تو دونوں پرکوئی گناہ نہ ہوگا۔اس (مال کے لینے دینے)میں جس کوعورت (خلع کے) بدلے میں دے۔یہ حدوداللہ ہیں ان حدود سے ہرگز تجاوز نہ کرواورجوشخص حدوداللہ سے تجاوزکرجائے توایسے ہی لوگ اپنے اوپرظلم کرنے والے ہیں۔پھراگرکسی نے (تیسری مرتبہ)عورت کوطلاق دے دی تواب وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اورآدمی کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح کرے۔پھراگر(دوسرا)خاونداس کوطلاق دے دے توان دونوں پرکوئی گناہ نہیں کہ وہ دوبارہ مل جائیں بشرطیکہ دونوں حدوداللہ کوقائم رکھنے کاارادہ رکھتے ہوں یہ اللہ کی حدیں ہیں۔اللہ ان حدوں کو، ان لوگوں کے لئے بیان کرتاہے جواہل دانش ہیں۔جب تم عورتوں کوطلاق دے چکےاور وہ عدت کوپہنچ جائیں توان کودستور کے مطابق روک لو یادستور کے مطابق رخصت کردو۔ان کوستانے کی غرض سے ہرگز نہ روکو۔اورجوشخص ایسا کرے گا تووہ اپنا ہی نقصان کرے گااوراللہ کے احکام کے ساتھ ہنسی مذاق نہ کرواورجونعمتیں اللہ کی تم پر ہیں ان کویاد کرو۔اور(خصوصا)اس کتاب وحکمت کوجواس نے تم پرنازل کی ہے۔جس کے ساتھ وہ تم کونصیحت کرتاہے۔اللہ (کے احکام) کی خلاف ورزی سے ڈرو اوریقین رکھوکہ اللہ کوہر چیزکاعلم ہے۔اورجب تم عورتوں کوطلاق دے دواور وہ اپنی عدت (میعاد)پوری کرلیں توتم ان کواس بات سے نہ روکوکہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کرلیں۔جب دستور کے مطابق دونوں رضامندہوں،اس بات کی نصیحت تم میں سے ہراس شخص کوکی جاتی ہے جواللہ اوریوم آخرت پرایمان رکھتاہے۔اس نصیحت کوقبول کرناتمہارے لیے زیادہ صفائی اورزیادہ پاکیزگی کی بات ہے۔اوراللہ (اس قانون کی حکمت کو)جانتاہے تم نہیں جانتے۔''

## اسلامی طریق طلاق کی خصوصیات

مذکورہ آیات کی روشنی میں اسلام کے قانون طلاق کی درج ذیل اہم خصوصیات کاعلم ہوتاہے۔

① اسلام کے قانون طلاق کی پہلی اہم خصوصیت یہ ہے کہ خاوند کے طلاق دینے اوراس کے واقع ہونے (Coprational) میں تین ماہ کافاصلہ رکھا گیاہے۔ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾[15]

''جن عورتوں کوطلاق دی گئی، وہ تین مرتبہ ایام ماہواری آنے تک اپنے آپ کوروکے رکھیں۔''

اس کے علاوہ شوہر کےحق رجعت کودوطلاقوں تک محدودکیا گیاہے۔جیسے کہ ﴿الطلاق مرتان﴾کے جملے سے واضح کیا گیاہے۔ لیکن بہت سے علماءاورفقہاء نے اس کا مطلب یہ بیان کیاہے کہ طلاق دومجلس یادومختلف طہروں میں دی جائے

◉ مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''(مرتان) کے لفظ میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دوطلاقیں بیک وقت اور بیک لفظ نہ ہوں بلکہ دوطہروں میں الگ الگ ہوتی ہیں۔

﴿الطلاق مرتان﴾ سے بھی دوطلاق کی اجازت ثابت ہوسکتی ہے۔مگر مرتان ایک ترتیب وتراضی کی طرف اشارہ ہے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ دوطلاقیں ہوں تو الگ الگ ہوں۔مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ کوئی شخص کسی کو دو روپے ایک دفعہ دے دے تو اسکو دو دفعہ دینا نہیں کہتے۔الفاظ قرآن میں دومرتبہ دینے کا مقصد یہی ہے۔کہ ایک الگ طہر میں دوطلاقیں دی جائیں۔[١٦]

◉ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ایک ہی دفعہ دوطلاق دے دینا مکروہ ہے۔کیونکہ (مرتان) کا لفظ تفریق پر دلالت کرتا ہے۔اور اشارہ عدد پر اور (الطلاق) میں لام جنس کے لیے ہے۔پس قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ اکٹھی دوطلاقیں معتبر نہ ہوں گی اور جب اکٹھی دوطلاقیں معتبر نہ ہوں گی تو تین طلاق اکٹھی دینا تو بالأولی معتبر نہ ہوں گی کیونکہ تین میں دو سے زیادہ زیادتی ہے۔''[١٧]

② اسلام کے قانون طلاق کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جس طرح مرد کو طلاق کا حق ہے۔اسی طرح عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ مہر کی رقم دے کر شوہر سے آزادی حاصل کرے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾[١٨]

''ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہوجانے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کرلے۔''

③ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اگر شوہر عدت کے اندر رجوع نہ کرے لیکن بعد میں بیوی واپس لینا چاہے اور عورت بھی راضی ہو تو وہ عقد جدید کے ذریعے ایسا کرسکتا ہے اس سلسلے میں عورت کے گھر والوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ وہ رجعت کے اس عمل میں مانع نہ ہوں۔

﴿فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾[١٩]

''تو پھر اس میں مانع نہ ہو کہ وہ اپنے زیرتجویز شوہروں سے نکاح کرلیں، جبکہ وہ معروف طریقے سے باہم مناکحت پر راضی ہوں۔''

اس سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ رجعت، اسلام کی نظر میں ایک نہایت پسندیدہ امر ہے۔ان علماء کی عقل پر رونا آتا ہے، جو منشاء قرآن وسنت کے خلاف زوجین کو ملنے سے روکتے ہیں۔محض اس بناء پر کہ نادان شوہر کے منہ سے غصے میں یا جہالت کی وجہ سے تین طلاق کے لفظ نکل گئے۔

④ اسلام کے قانون طلاق کی چوتھی اہم خصوصیت یہ ہے کہ طلاق رجعی کے بعد عورت کو گھر سے نکالنا منع ہے۔اِلّا کہ اس نے بے حیائی کا کام کیا ہو۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ﴾[٢٠]

''تم انہیں، ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں اِلّا یہ کہ وہ کسی صریح برائی کی مرتکب ہوں۔''

⑤ اسلام کے قانون طلاق کی پانچویں اہم خصوصیت یہ ہے کہ عدت مکمل ہونے پر، خواہ عدت کو واپس لیا جائے یا رخصت کیا جائے یعنی طلاق کا عمل واقع ہوجائے دونوں صورتوں میں دو معتبر گواہوں کی گواہی ضروری ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ﴾ [21]

''پھر جب وہ اپنی (عدت کی) مدت کے خاتمہ پر پہنچیں تو یا انہیں بھلے طریقے سے (اپنے نکاح میں) روک رکھو، یا بھلے طریقے پر ان سے جدا ہو جاؤ اور دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنالو جو تم میں سے صاحب عدل ہوں اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے لئے ادا کرو۔''

## مقصد طلاق

جہاں تک مقصد طلاق کا تعلق ہے تو وہ نکاح کے مقاصد سے معلوم ہوگا، اس لیے کہ عربی کا مقولہ ہے ''تعرف الأشياء بإضدادها'' کہ اگر کسی چیز کی معرفت حاصل کرنی ہو تو اس کی متضاد چیز پر نظر ڈالنے سے حقیقت سے شناسائی ہوجائے گی اسی طرح نکاح، خاندان کے وجود کی اساس اور بنیاد ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ خاوند، بیوی کے اور بیوی، خاوند کے حقوق پورے کرے۔

اگر دونوں کے درمیان، اس چیز کا فقدان پایا گیا تو مقصد نکاح ختم ہو جائے گا اور طلاق کی نوبت آن پڑے گی۔

◉ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر نکاح کے ذریعے حقوق ادا نہ کیے جائیں تو نکاح کا مقصود حقیقی فوت ہو گیا اور ضروری ہو گا کہ دونوں کے لئے علیحدگی کی راہ کھول دی جائے اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان کے آزادانہ حق انتخاب میں ایک ظالمانہ رکاوٹ ہوتی اور ازدواجی زندگی سے محروم کر دینا ہوتا۔[22]

◉ مولانا مودودی رحمہ اللہ طلاق کا مقصد بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اسلامی قانون زواج کی اصل یہ ہے کہ مناکحت کے تعلق کو امکانی حد تک مستحکم بنایا جائے لیکن جب ان کے درمیان محبت اور موافقت کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور رشتہ مناکحت سے قانون کے اصل مقصد کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو ان کی نفرت اور کراہت کے باوجود ان کو ایک دوسرے سے وابستہ کرنے کی کوشش نہ کی جائے اس صورت میں ان کے لیے علیحدگی کا راستہ کھول دیا جائے۔''[23]

# طلاق کے آداب وشرائط

شریعت اسلامیہ کی تعلیمات کو اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو طلاق کے آداب وشرائط کثیر تعداد میں ملیں گے۔لیکن ہم یہاں آیات قرآنیہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے چند ایک اہم آداب وشرائط کا تذکرہ کرتے ہیں:

① طلاق دینے کے آداب وشرائط میں سے پہلی ہدایت یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق نہ دی جائے۔

"ان عبدالله بن عمر اخبره:أَنَّهُ طلق امرأته وهی حائض فذكر عمر لرسول الله ﷺ فتغيظ فيه رسول الله ﷺ ثم قال لِيُرَاجِعْهَا ثم ثم يمسكها حتى تطهر ثم تحيض فتطهر فان بداله أن يطلقها فليطلقها طاهر ا قبل أن يمسها فتلك العدة كما أمره الله"[۲۴]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ اس نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی ہے۔تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ بہت زیادہ غضب ناک ہوگئے پھر فرمایا کہ اس سے رجوع کرلیں پھر اس کو اتنی دیر اپنے پاس ٹھہرائیں یہاں تک کہ وہ پاک نہیں ہوتی پھر اس کو حیض آئے پھر پاک ہوجائے۔اس کے بعد اگر طلاق دینا چاہیں تو طلاق دے دیں اور ایسے طہر میں اس کو طلاق دیں جس میں آپ نے اس سے ہم بستری نہ کی ہو پھر وہ عدت گزارے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اس وجہ سے غضب ناک ہوئے کہ اس نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے، گویا حیض کی حالت میں طلاق دینے کی ممانعت ثابت ہوگئی۔

② دوسری شرط یہ ہے کہ حالت نفاس میں طلاق نہ دی جائے کیونکہ نفاس، طہر نہیں ہوتا۔لہذا حالت طہر میں طلاق دی جائے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا تھا۔

"مره يراجعها ثم ليمسكهاحتى تطهرثم تحيض ثم تطهر"

''کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دے دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرلے اور پھر اتنی دیر تک اس کو روکے رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائے۔پھر حیض آئے پھر پاک ہوجائے۔''

③ تیسری شرط یہ ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس طہر کے اندر خاوند نے اپنی بیوی سے مباشرت نہ کی ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«فليطلقهاطاهرا قبل أن يمسها»[۲۵]

''کہ اسے حالت طہر میں اس سے ہم بستری سے پہلے طلاق دے۔''

اور قرآن مجید میں ہے ﴿فطلقوهن لعدتهن﴾[۲٦]

''تم طلاق عدت (کے آغاز) میں دو۔''

عدت کے آغاز سے مراد عورت حیض سے پاک ہونا ہے۔اور حالت طہر عدت کا آغاز ہے۔اس ہدایت کو سامنے رکھنے سے طلاق کی شرح بہت کم ہوسکتی ہے۔عام طور پر غصہ اور اشتعال ختم یا کم ہوسکتا ہے۔اور صرف وہی شخص طلاق دے گا۔جس نے طلاق دینے کا قطعی

اور حتمی فیصلہ کر رکھا ہے۔

④ ایسے طہر میں طلاق نہ دی جائے جس کے پیچھے حیض میں اس نے طلاق دی ہو۔جیسا کہ آپ ﷺ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو روک لوحتی کہ اسے طہر آئے پھر حیض آئے پھر طہر آئے تو اس طہر میں طلاق دو۔[۲۷]

اگر یہ شرط ہوتی تو رسول اللہ ﷺ پہلے حیض کے بعد آنے والے طہر میں ہی طلاق دینے کا حکم دیتے ۔بعض علماء کا خیال ہے کہ پہلے طہر میں بھی طلاق دی جاسکتی ہے۔اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لیطلقها طاهرا او حاملا»

''پھر اسے حالت طہر میں یا حمل میں طلاق دو''

چونکہ یہاں اول ثانی طہر کی قید نہیں ہے۔لہذا جب عورت ایام ماہواری سے طہارت حاصل کرے تو اسے طلاق دی جاسکتی ہے۔راجح بات یہی ہے کہ صحیحین کی روایت میں زیادتی ہے۔تو اسے قبول کیا جائے یعنی اگر کوئی حیض میں طلاق دے دے تو وہ شخص ایک طہر چھوڑ کر اگلے طہر میں بھی طلاق دے سکتا ہے۔

⑤ شرائط طلاق میں سے پانچویں شرط یہ ہے کہ طلاق صرف ایک ہی دی جائے بیک وقت تین طلاقیں دینا کسی بھی مسلک کی رو سے صحیح نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اس پر سخت ناراضگی اور برہمی کا اظہار فرمایا ہے اور اسے کتاب اللہ کے ساتھ تلعب ( کھیلنا) قرار دیا ہے:

سمعت محمودبن بسیرقال أخبررسول اللهﷺعن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقا تجميعا فقام غضبانا ثم قال «ايلعب بكتاب الله وانابين اظهركم» حتى قام رجل وقال يارسول اللهﷺ!ألاأقتله''[۲۸]

''حضرت محمود بن بسیر رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ایسے آدمی کے بارے میں خبر ملی جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی دے دی تھیں۔تو آپ ﷺ سخت غصے کی حالت میں اٹھے اور فرمایا ''اللہ کی کتاب کو مذاق وتمسخر کا نشانہ بنایا جارہا ہے اس حال میں کہ میں ان کے اندر موجود ہوں یہاں تک کہ ایک آدمی اٹھا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا میں اس آدمی کو قتل نہ کردوں؟۔''

## ایک طلاق کے فوائد

### ① عدت کے اندر رجوع

ایک طلاق کا فائدہ یہ ہے کہ خاوند کو اگر طلاق کے بعد ندامت اور غلطی کا احساس ہو تو وہ عدت (تین حیض یا تین مہینے) کے اندر رجوع کرسکتا ہے اس میں کسی مسلک کا بھی اختلاف نہیں ہے۔جس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی تو آپ ﷺ نے انہیں رجوع کرنے کا کہا۔تو انہوں نے رجوع کرلیا۔

### ② دوبارہ نکاح

ایک طلاق دینے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آدمی کو عدت کے اندر اگر شرمندگی اور ندامت نہ بھی ہو تو عدت کے گزر جانے کے بعد بھی اگر اسے یہ سوچ آجائے کہ یہی بیوی بہتر ہے تو وہ دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بہن کا ایک آدمی سے نکاح کردیا اور میں نے اس کی بڑی تکریم کی اسے عزت سے نوازا ۔لیکن اس نے اسے طلاق دے دی ۔اور جب عدت ختم ہوگئی ۔تو وہ آدمی آیا اور اس نے دوبارہ نکاح کا پیغام

دیا تو میں نے کہا میں نے تجھے عزت سے نوازا اور آپ کی تکریم کرتے ہوئے اپنی بہن کا نکاح تجھ سے کر دیا اور تو نے طلاق دے دی اب پھر نکاح کا پیغام دے رہا ہے اللہ کی قسم! میں تجھ سے اب اس کا نکاح نہیں کروں گا اور عورت رضا مند تھی تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل کر دی ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ پھر (حضرت معقل نے) کہا میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں ایسے ہی کروں گا تو میں نے اپنی بہن کا نکاح اس سے کر دیا۔ ۲۹

## مروجہ حلالہ قطعاً حرام اور ناجائز ہے

پہلے خاوند سے نکاح جائز کرنے کی نیت سے کسی سے مشروط نکاح ''حلالہ'' کیا جاتا ہے۔ نکاح زنا کاری ہے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے:

«لعن رسول الله ﷺ المحلل والمحلل له» ۳۰

''حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے دونوں پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے''

جس کام پر نبی کریم ﷺ لعنت اور بددعا فرمائیں وہ کام کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ اس لیے مروجہ حلالہ لعنتی فعل ہے۔ اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔

## بیک وقت تین طلاقیں دینے کے نقصانات

① بیک وقت تین طلاقیں ایک تو نبی اکرم ﷺ کی ہدایات اور قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ گویا اس میں قرآن وسنت سے صریح انحراف ہے۔

② اسے رسول اللہ ﷺ نے تلعب بکتاب اللہ (اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق اور کھیل) قرار دیا ہے اور اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل و مذاق کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔

③ اسے فقہی مذاہب کو اہمیت دینے والے تین ہی شمار کر لیتے ہیں جس سے اللہ تعالی کی وہ حکمت فنشا فوت ہو جاتی ہے۔ جو اللہ تعالی نے پہلی اور دوسری طلاق میں رکھی ہے۔ کہ انسان اس میں طلاق دینے کے بعد آنے والی مشکلات پر سوچ بچار کر لے۔ اگر وہ محسوس کر لے کہ طلاق سے اس کی پریشانیوں میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ تو وہ مذکورہ دونوں بتلائی ہوئی طلاقوں میں عدت کے اندر رجوع اور عدت گزرنے کے بعد اپنی مطلقہ بیوی سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔

④ بیک وقت تین طلاقوں کے نفاذ سے صلح ومفاہمت کے تمام امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ جس سے خاندان اجڑ جاتے ہیں اور معصوم بچے بے سہارا ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تین طلاقیں تمام فقہی ابواب والوں کے ہاں بھی جائز نہیں۔ (گو وہ اس کے اجر ونفاذ کے قائل ہیں) حتی کہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے اخبارات میں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش بھی شائع ہوئی ہے کہ بیک وقت تین طلاقوں کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے۔

⑥ چھٹا ادب اور شرط یہ ہے کہ طلاق دینے کے بعد (پہلی اور دوسری طلاق میں) عورت کو گھر سے نہ نکالا جائے اور نہ وہ گھر سے نکلے بلکہ خاوند کے گھر میں ہی رہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ﴾ ۳۱

''(طلاق دینے کے بعد) ان عورتوں کو گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔''

پہلی حکمت بھی اللہ تعالی نے خود ہی بیان فرمائی ہے کہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا﴾ ۳۲

''تم نہیں، شائد اس کے بعد اللہ (موافقت کی) کوئی صورت پیدا کر دے۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ فتح المغیث میں لکھتے ہیں:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ شاید اللہ تعالی مرد کے دل میں مطلقہ عورت کی رغبت پیدا کر دے اس کے گھر میں ہی رہنے سے اس کے دل میں ترس آجائے اور وہ رجوع کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ اس لیے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالی نے صرف ایک طلاق دینے کی تلقین کی ہے۔ اور بیک وقت تین طلاق دینے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اگر وہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دے۔ اور شریعت اسے جائز قرار دے کر نافذ کر دے تو پھر یہ کہنا بے ثمر ہے کہ شاید اللہ تعالی کوئی نئی بات پیدا کر دے۔ ۳۳

⑦ ساتواں ادب اور شرط یہ ہے کہ طلاق دینے کے بعد رجوع نہ ہو سکے تو مطلقہ عورت کو اچھے طریقے سے رخصت کیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿أَوْ تَسْرِیْحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ ۳۴

علاوہ ازیں اس موقع پر انہیں کوئی ہدیہ یا تحفہ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

﴿وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ۳۵

''خوش حال آدمی اپنی مقدرت کے مطابق اور غریب اپنی مقدرت کے مطابق معروف طریقہ سے دے، یہ حق ہے نیک آدمیوں پر۔''

دوسرے مقام پر اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ۳۶

''اسی طرح جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، انہیں بھی مناسب طور پر کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کیا جائے۔ یہ حق ہے متقی لوگوں پر۔''

اس متاع (فائدے) کی بابت بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد خادم یا ۵۰۰ درہم یا ایک یا چند سوٹ وغیرہ ہیں۔ اس لیے کہ احسان کرنا اور عورت کی دلجوئی اور دلداری کا اہتمام کرنا، مستقبل کی متوقع خصومتوں کے سد باب کا نہایت اہم ذریعہ ہے۔

لیکن یہ تعین شریعت کی طرف سے نہیں ہے۔ شریعت میں ہر شخص کو اپنی طاقت کے مطابق متاع دینے کا اختیار اور حکم ہے۔ علاوہ ازیں یہ متعہ طلاق ہر قسم کی طلاق یافتہ عورت کو دینا چاہیے۔ قرآن کریم کی مذکورہ آیت کا عموم اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

## طلاق کی شرائط باعتبار صحت طلاق

شرائط طلاق اگر اس کے صحیح ہونے کے اعتبار سے دیکھی جائے تو اس کی تین اقسام بنتی ہے۔

① وہ شرائط جو طلاق دینے والے کے متعلق ہیں۔

② وہ شرائط جن کا تعلق مطلقہ (جس کو طلاق دی گئی ہو) سے ہے۔

③ وہ شرائط جن کا تعلق اس صیغہ اور لفظ سے ہے جو اس کے لیے بولا جاتا ہے۔

## ① مطلق (طلاق دینے والا) کے بارے میں شروط

ایسی شرائط جن کا تعلق طلاق دینے والے سے ہے۔ وہ درج ذیل ہیں۔

① صحیح عقد اور نکاح کے ساتھ وہ مطلقہ کا خاوند ہو۔

② بالغ ہو

③ عاقل ہو

④ وہ ایسا قاصد ہو جسکے پاس مکمل اختیار ہو۔

ان کے علاوہ غلطی کرنے والے، مجبور، غضبناک، بے وقوف اور مریض کی طلاق کی واقع ہونے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

## ② وہ شرائط جو مطلقہ کے بارے میں ہیں

بیوی کا قیام (خاوند کے ہاں) حقیقتا ہو یا حکما ہو۔ اور جب خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کی تعیین بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہو یا اس کی صفت بیان کرتے ہوئے ہو یا اس کی نیت کرتے ہوئے ہو۔

## ③ وہ شرائط جو صیغہ یا لفظ کے بارے میں ہیں

طلاق کے لیے لفظ طلاق بولا جائے یا ایسا لفظ بولا جائے جو سختی اور سنگینی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہو۔ یا ایسا لفظ بولا جائے جس کا اعتبار کیا جا سکے کہ یہ طلاق پر دلالت کرتا ہے۔ اور وہ لفظ طلاق کے عوض میں بولا جائے مختلف حالات کا اعتبار کرتے ہوئے وہ لفظ لکھا جائے یا اس کا اشارہ کیا جائے۔[۳۷]

# خلع کی اہمیت وضرورت

## خلع کی تعریف

### لغوی تعریف

لفظ خلع 'خ' کے ضمہ کے ساتھ اور 'ل' کے سکون کے ساتھ ہے۔جس کا مادہ ''خ، ل، ع'' جس کا معنی ہے۔''اتار دینا، اور لغت میں ''فراق الزوجة علی حال'' بیوی کا اپنے خاوند سے مال (مہر) کے عوض میں آزاد ہو جانا۔ اور یہ خلع 'الثوب' سے ماخوذ ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُن﴾ ۳۸

''کہ عورتیں مردوں کے لیے اور مرد عورتوں کے لیے لباس ہیں۔''

### اصطلاحی تعریف

شرعی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ بیوی اگر کسی معقول وجہ کی بنا پر خاوند سے جدائی چاہتی ہو۔ اور کسی طرح بھی اس کے ساتھ گزر بسر نہ کر سکتی ہو۔ تو اپنا حق مہر واپس کر کے شوہر سے خلع یا تفریق نکاح حاصل کر سکتی ہے۔

## خلع کی ضرورت واہمیت

خلع کی ضرورت واہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ نے خلع کے احکامات بیان کیے ہیں۔ اگر معمولی چیز ہوتی تو احکام بیان نہ ہوتے جو آگے آئیں گے حیات زوجیت، سکون، محبت، مہربانی، حسن معاشرت اور زوجین میں سے ہر ایک پر لازم حقوق کی ادائیگی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرد اپنی بیوی کو پسند نہیں کرتا یا وہ اپنے خاوند کو ناپسند کرتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام صبر کی تلقین کرتا ہے۔ اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کو علاج بتاتا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ ۳۹

''اور تم عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر تم ان کو ناپسند کرو تو قریب ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں خیر کر دے۔''

فرمان نبوی ہے:

"لایفرك مؤمن مؤمنة، إن كره منها خلقا رضی آخر'' ۴۰

''مؤمن مرد، مؤمن عورت کو نہ مارے کیونکہ اگر اس کی ایک عادت اس کو بری لگتی ہے تو قریب ہے کہ اس کی دوسری عادت اس کو اچھی لگے۔''

لیکن کبھی مرض بڑھ جاتا ہے، جھگڑا شدید ہوتا ہے، علاج مشکل ہوتا ہے، صبر ختم ہو جاتا ہے۔ وہ کچھ ختم ہو جاتا ہے کہ جس سے

سکون، محبت، مہربانی اور ادائے حقوق پر گھر کی بنیاد رکھی تھی۔ حیات زوجیت قابل اصلاح نہیں رہتی۔

تو ایسی صورت حال میں اسلام زوجین کے لیے رخصت دیتا ہے کہ جس کے بغیر چھٹکارا نہیں۔ اگر ناپسندیدگی خاوند کی طرف سے ہے تو عورت کو طلاق دے کر چھٹکارا حاصل کر لے۔ اور اگر ناپسندیدگی عورت کی طرف سے ہے۔ تو وہ خاوند کو اس کا دیا ہوا مہر، واپس کر کے اس سے آزادی حاصل کر سکتی ہے۔ جس کو اصطلاح میں ''خلع'' کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَأْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾[41]

''اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو مال تم ان عورتوں کو دئے چکے ہو، اس میں سے کچھ بھی واپس لو مگر اس صورت میں کہ جب اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکنے کا اندیشہ ہو تو پھر دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا جو عورت مرد کو خلع کے عوض میں دے۔''

مزید برآں اسلام میں قانون خلع کو واضح کرنے والی بہت زیادہ احادیث ہیں۔ جو خلع کی ضرورت واہمیت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک حدیث اس سلسلے میں مرکزی کردار ادا کرتی ہے جس کو ذکر کیا جاتا ہے:

"إن إمرأة ثابت بن قيس أتت النبیﷺفقالت یارسول اللهﷺ ثابت بن قيس ما اعتبت عليه فی خلق و لادين ولكنی اكره الكفر فی الإسلام فقال رسول اللهﷺ اتردين عليه حديقته فقالت نعم قال رسول اللهﷺاقبل الحديقة وطلقها تطليقة"[42]

'' ثابت بن قیس کی بیوی، آنحضرت ﷺ کے پاس آئی، کہنے لگی یارسول اللہ ﷺ ثابت بن قیس کی دینداری اور اخلاق کا میں کچھ عیب نہیں کرتی، مگر میں یہ نہیں چاہتی کہ مسلمان ہو کر خاوند کی ناشکری کے گناہ میں مبتلا ہوں نبی کریم ﷺ نے فرمایا اچھا جو باغ ثابت نے تجھ کو مہر میں دیا ہے وہ تم اس کو واپس کر سکتی ہو، اس نے کہا، جی ہاں اس وقت آپ ﷺ نے ثابت سے فرمایا، اپنا باغ واپس لے لے اور ایک طلاق اس کو دے دے۔''

## خلع کے الفاظ

فقہاء کی رائے ہے کہ خلع کے لیے لفظ خلع یا اس سے مشتق لفظ ضروری ہے یا وہ لفظ جو اس کا معنی دے جیسے 'مبارات اور فدیہ ہے۔ اگر لفظ خلع نہ ہو یا اس کے معنی والا لفظ نہ ہو مثلاً وہ کہے تجھے اتنی رقم کے بدلے میں طلاق ہے۔ عورت نے اسے قبول کر لیا تو یہ حال پر طلاق ہوگی، خلع نہ ہوگا۔

علامہ ابن قیم ؒ مذکورہ رائے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جو شخص معاملات کے حقائق اور ان کے مقاصد پر الفاظ کی بجائے، نظر رکھتا ہے وہ خلع کو فسخ شمار کرتا ہے۔ وہ کسی بھی لفظ کے ساتھ ہو خواہ لفظ طلاق سے ہی ہو۔''[43]

## آیت خلع سے استدلال واستنباط

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَأْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ فَلَا

جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ﴾ [۴۴]

''اورتمہارے لیے جائز نہیں کہ جو مال تم ان عورتوں کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس ہو مگر اس صورت میں کہ جب اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکنے کا اندیشہ ہو تو پھر دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا جو عورت مرد کو خلع کے عوض میں دے۔''

### ① حدود اللہ ٹوٹنے کا خوف

خلع کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خوف ہو قرآن کریم کے ان الفاظ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا﴾ کا اس طرف اشارہ ہے کہ خلع بھی اسی طرح مکروہ ہے جیسے طلاق۔ لیکن جب حقوق الزوجین پورے نہ ہو رہے ہوں تو ایسی صورت میں یہ کام مباح ہو جاتا ہے۔

### ② مال کی قربانی

قرآن کریم کے یہ الفاظ کہ ﴿فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے مرد کو طلاق دیتے وقت اپنی قیمت و مال ومتاع کے جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اور اس مال کی قربانی دینی ہوتی ہے۔ جو اس نے مہر کے طور پر دیا ہوتا ہے اس طرح عورت کو بھی خلع لیتے وقت اپنے مال کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ جس سے وہ اپنا چھٹکارا حاصل کرتی ہے۔

### ③ طرفین کی رضامندی

خلع کے وقوع کے لیے زوجین کی رضامندی ضروری ہے اگر مرد خلع کے لیے رضامند نہ ہو تو ایسی صورت میں قاضی فیصلے کو اپنے ہاتھ میں لیکر مرد پر خلع کو واجب کرے جس طرح حضرت ثابت کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ باغ قبول کرلے اور طلاق دے دے تو اس نے باغ کو قبول کرلیا اور طلاق دے دی۔ [۴۵]

### ④ عدالت سے رجوع

عدالت کی طرف رجوع کرنے کی کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب عورت خلع لینا چاہ رہی ہو اور معاوضہ و مہر بھی واپس کر رہی ہو اور مرد اس کا انکار کر رہا ہو تو ایسی صورت حال میں عدالت سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ درج بالا آیت ﴿فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ﴾ میں 'خفتم' کی ضمیر اولی الامر کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور اولی الامر پر فرض ہے کہ وہ حدود اللہ پر عمل درآمد کروائیں اور حدود اللہ کی حفاظت کریں اور مرد انکار کرے تو ایسی صورت حال میں انہیں اس مقدمے میں مداخلت کر کے عورت کو خلع دلوانا چاہیے۔

## خلع میں بیوی کی طرف سے جھگڑا کافی ہے

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کہ اس موضوع کی احادیث کا ظاہر یہ ہے کہ عورت کی طرف سے محض جھگڑے کا وجود خلع کے جواز کے لیے کافی ہے۔ ابن المنذر نے یہ اختیار کیا ہے کہ یہ جائز نہیں کہ جب تک ان دونوں کی طرف سے جھگڑا واقع نہ ہو۔ انہوں نے آیت کے ظاہر کو اپنایا ہے۔ یہی قول طاؤس، شعبی اور تابعین کی ایک جماعت کا ہے۔

اس کا جواب ایک جماعت نے دیا ہے۔ جن میں طبری بھی ہیں۔ کہ مراد یہ ہے کہ جب وہ خاوند کے حقوق ادا نہ کرتی ہو یہ خاوند کے

لئے اس پر بغض کا انداز ہوگا اس میں خاوند کی طرف سے عدم اعتبار کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے حضرت ثابت سے یہ نہ پوچھا کہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو۔ جب عورت نے بتایا میں اس کو ناپسند کرتی ہوں۔[46]

## طہر اور حیض میں خلع کا جواز

خلع طہر اور حیض دونوں میں جائز ہے۔ اس کا وقوع کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾[47]

''تو ان دونوں پر حرج نہیں ہے اس چیز میں جو عورت فدیہ دے۔''

رسول اللہ ﷺ نے بھی حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے خلع کے بارے میں حکم مطلق رکھا ہے آپ ﷺ نے اس سے سوال نہیں کیا کہ اب حالت کیا ہے (حیض کے دن ہیں یا طہر کے) حیض کا وجود عورتوں کی نسبت کوئی نادر چیز نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''احوال کے فیصلوں میں طلب تفصیل کو ترک کرنا قیام احتمال کے باوجود بھی بات کے عموم کے درجہ میں اتر آتا ہے''۔

## دور جاہلیت میں خلع

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے:

"إنه أول خلع كان في الدنيا ان عامربن الظرب زوج ابنته من ابن أخيه عامربن الحارث بن الظرب فلمادخلت عليه نفرت منه فشكا إلى أبيها فقال لا اجمع عليك فراق اهلك ومالك وقد غلتها منك اعطيتها قال فزعم العلماء ان هذا كان اول خلع في العرب"[48]

''کہ دنیا میں سب سے پہلے خلع جو واقع ہوا ہے۔ وہ عامر بن حارث بن ظرب کا خلع تھا کہ اس نے بیٹی کی شادی اپنے بھائی کے بیٹے عامر بن حارث بن ظرب سے کردی۔ جب اس نے اس سے وطی کی تو لڑکی کو لڑکے سے نفرت ہوگئی۔ تو اس نے اپنے باپ کو شکایت کی تو اس نے (لڑکے سے) کہا کہ میں اپنی بیٹی کی زندگی تیرے ساتھ بسر ہوتی نہیں دیکھ سکتا۔ لہذا میں نے تجھ سے جو تو نے مہر وغیرہ دیا تھا (وہ واپس دیتے ہوئے) خلع طلب کرلیا ہے۔ علماء کرام کی رائے ہے کہ یہ عرب میں سب سے پہلا خلع تھا۔ جو واقع ہوا۔''

## نبی اکرم ﷺ اور عہد خلفاء راشدین میں خلع کے مقدمات

آنحضور ﷺ کے مبارک عہد میں جو آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں خلع کا مقدمہ ہوا تھا۔ وہ ثابت بن قیس بن شماس کی دو بیویوں کا تھا۔ ان کی ایک بیوی جمیلہ بنت سلول آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میرے اور اس کے (ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ) سر کو کوئی چیز جمع نہیں کرسکتی۔ میں نے خیمے کے پردے کو اٹھایا اور دیکھا کہ وہ چند آدمیوں کے ساتھ آرہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ان میں سے، سب سے کالا، پست قد اور ان میں سے سب سے زیادہ بدشکل تھا۔ میں اپنے خاوند میں کوئی اخلاقی اور شرعی عیب نہیں دیکھتی البتہ مجھے اس کی شکل سخت ناپسند ہے۔ جب وہ میرے پاس ہوتا ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس کے منہ پر تھوک دوں لیکن مجھے اللہ کا خوف مانع ہے۔[49]

نبی کریم ﷺ نے ان کی یہ شکایت سنی تو فرمایا جو مہر لیا ہو، واپس کر دے گی تو انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ اگر وہ زیادہ بھی چاہے تو زیادہ بھی دے دوں گی تو آپ ﷺ نے فرمایا زیادہ نہیں صرف باغ واپس کر دے۔ پھر ثابت کو حکم دیا کہ باغ واپس لے لو اور اس کو طلاق دے دو۔ ۵۰

④ ثابت بن قیس کی دوسری بیوی حبیبہ بنت سہیل انصاری تھیں۔ایک دن رسول اللہ ﷺ صبح گھر سے باہر نکلے تو حبیبہ بنت سہیل کو اپنے گھر کے دروازے کے باہر کھڑے پایا۔تو انہوں نے کہا"لا انا و لا ثابت بن قیس"یعنی میں اور ثابت بن قیس اکٹھے نہیں رہ سکتے تو آپ ﷺ نے پوچھا کیا معاملہ ہے تو انہوں نے ذکر کیا جو کر سکتی تھی تو آپ ﷺ نے ثابت کو حکم دیا کہ اس سے لے لے جو اس کو دیا تھا تو ثابت نے لے لیا تو وہ اپنے گھر میں چلی گئی۔ ۵۱

## عہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں خلع

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت آئی اس نے اپنے شوہر سے خلع حاصل کرنے کی اپیل کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو خلع سے باز رہنے کا کہا وہ نہ مانی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک بند کوٹھڑی میں تین دن رکھا پھر اس کا حال دریافت کیا تو اس نے کہا۔خدا کی قسم! مجھے ان تین راتوں میں راحت نصیب ہوئی ہے۔یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے شوہر کو خلع کا حکم دے دیا۔

## عہد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں خلع

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت ربیع بنت معوذ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے شوہر کو کہا کہ میرا سارا مال لے لو اور مجھے خلع دے دو۔ وہ مان گیا اور خلع ہو گیا تو ان کے چچا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک یہ معاملہ پہنچایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ خلع برقرار رکھا۔

## کن وجوہات کی بناء پر خلع کا مطالبہ کرنا جائز ہے

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا کہ: اگر تم حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکو گے تو پھر عورت فدیہ دے کر عقد نکاح سے آزاد ہو جائے" تو حدود اللہ سے مراد خاوند اور بیوی کا اپنے حقوق وفرائض کو ادا کرنے میں کوتاہی کرنا ہے۔اگر خاوند کوتاہی کرتا ہے تو عورت کے پاس خلع کا حق ہے اور اگر بیوی حقوق ادا نہیں کرتی تو پھر خاوند طلاق دے سکتا ہے۔

مندرجہ بالا آیات اور احادیث سے درج ذیل وجوہات اخذ ہوتی ہیں:

① شوہر کا بدصورت ہونا، پسند نہ آنا۔

② ازدواجی تعلقات کے قابل نہ ہونا۔

③ نان ونفقہ ادا نہ کرنا۔

④ بیوی کو مارنا پیٹنا۔

⑤ بیوی کا نفرت کرنا۔

⑥ طبیعتوں کا اختلاف اتنا زیادہ ہو کہ نباہ نہ ہو سکے۔

⑦ شوہر بے دین ہو اور کبائر میں مبتلا ہو۔

## خلع سے رجوع کا حق

فقہاء کے ہاں خلع کرنے والی عورت اور مرد آپس میں رجوع نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ عورت نے اپنے مال کی قربانی دے کر خلع حاصل کیا اور معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ گویا خلع سے حاصل کی ہوئی آزادی طلاق بائن کی طرح ہے۔ الا یہ کہ وہ رضامندی سے دوبارہ نکاح کر لیں۔

## خلع والی عورت کی عدت

صحیح سنت سے ثابت ہے کہ خلع کرنے والی عورت کی عدت ایک حیض ہے۔

① حضرت نافع رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مولی تھے۔انہوں نے حضرت ربیع بنت معوذ بن عفرا رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتا رہی تھیں کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد میں اپنے خاوند سے خلع کیا ان کا چچا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہا معوذ رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے اپنے خاوند سے خلع کیا ہے۔ کیا وہ منتقل ہو جائے۔؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ منتقل ہو جائے لیکن ان دونوں کے مابین وراثت نہیں ہوگی۔ اور وہ کسی سے نکاح ایک حیض عدت گزارنے کے بعد کر سکتی ہے۔[۵۲]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے کہ خلع کرنے والی کی عدت ایک حیض ہے۔[۵۳]

## حقوق نسواں کمیٹی ۱۹۹۶ء کی خلع کے معاملے میں بحث

حقوق نسواں کمیٹی ۱۹۹۶ء نے اپنی رپورٹ کی سفارشات دفعہ نمبر۳۳ میں لکھا۔

’’مسلم لاء کے تحت جو عورت خلع کے اصول پر تفریق نکاح کا مطالبہ کرے اور خاوند کو مالی معاوضہ دینے پر تیار ہو اسے اپنا حق تفریق نکاح استعمال کرنے کے لئے عدالت یا قاضی کے سامنے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘

اگر اس رپورٹ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس رپورٹ میں عورت کو خوب ابھارا گیا ہے۔ وہ جب چاہے طلاق لے لے اور گھر بیٹھ جائے۔ سرے سے اس کو کوئی فرد واحد یا عدالت پوچھنے والی نہیں۔ حالانکہ یہ انتہائی غلط بات ہے کہ عورت جب چاہے مرد کو چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ شادی رچالے یا آزادی سے دندناتی پھرے۔ جبکہ ضرورت کے وقت خلع لینے کی عورت اجازت ہے تو پھر اسے شرعی طریقے سے ہی خلع لینا چاہیے۔

# بلاوجہ طلاق کی ممانعت

لفظ طلاق ایسا لفظ ہے جو بڑا حساس اور نازک ہے جس کے زبان سے صادر ہوتے ہی خاندان کی اساس، اپنی ثمر وعمارت سمیت مسمار ہوتی چلی جاتی ہے۔ جو اتنا حساس اور سنجیدہ لفظ ہے جس سے ہر حال میں حقیقت مراد لیا جاتا ہے۔ خواہ یہ لفظ مذاق و مزاح میں کہا جائے یا حقیقت سمجھتے ہوئے کہا جائے یہ ہر صورت میں سنجیدگی اور اٹل حقیقت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"ثلاث جدهن جد، وهزلهن جد النكاح والطلاق والرجعة" ۵۴

''تین چیزیں ایسی ہیں جن کی حقیقت بھی حقیقت ہے اوران کا مذاق بھی حقیقت ہے (وہ ہیں) نکاح، طلاق اور رجوع۔''

لہٰذا اس امر کی سنجیدگی اور حساسیت کو سامنے رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے بغیر سوچے سمجھے طلاق دینے کو پسند نہیں فرمایا۔

## ① بلاوجہ طلاق دینے کی ممانعت

خاوند کا بیوی سے برا سلوک کرنا حرام ہے۔ کہ وہ اس سے خلع طلب کرے اور وہ اپنی بیوی کے بعض حقوق روک کر اس کو ایذا دے حتی کہ وہ مجبور ہو جائے اور اپنے لیے خلع کو پسند کر لے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَايَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُواالنِّسَاءَ كَرْهًا وَّلَاتَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَااٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّااَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ ۵۵

''اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو اور نہ یہ حلال ہے کہ انہیں تنگ کر کے اس مہر کا کچھ حصہ اڑا لینے کی کوشش کرو جو تم انہیں دے چکے ہو، ہاں اگر وہ کسی صریح بدچلنی کی مرتکب ہوں (تو پھر تمہیں سزا دینے کی اجازت ہے)''

اللہ تعالی نے ایک اور انداز میں فرمایا:

﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَاتَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًامُّبِيْنًا﴾ ۵۶

''اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ، دوسری بیوی لے آنے کا ارادہ ہی کرلو تو خواہ تم نے اسے ڈھیر سامان ہی کیوں نہ دیا ہو اس میں سے کچھ واپس نہ لینا، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور صریح ظلم کرکے واپس لوگے۔''

بعض علماء کی رائے میں اس حال میں خلع نافذ ہو جائے گا لیکن علیحدگی کی حرمت ساتھ ہوگی۔ امام مالک کی رائے یہ ہے کہ خلع اس بنا پر نافذ ہوگا کہ وہ طلاق ہے۔ اور خاوند پر لازم ہوگا کہ جو معاوضہ وہ بیوی سے لے چکا ہے اسے واپس کر دے۔ ۵۷

ایک جگہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے خاوند کے بارے میں فرمایا:

"مابال أحدكم يلعب بحدود الله يقول قد طلقت قد رجعت"۵۸

''تم میں سے کسی ایک کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ کی حدود کے ساتھ کھیلتا ہے۔کبھی (اپنی بیوی کو) کہتا ہے کہ میں نے تجھے طلاق دے دی اور کبھی کہتا ہے کہ میں نے تم سے رجوع کر لیا۔''

گویا ایسے لوگ اپنی بیوی سے اس لیے ایسا سلوک کرتے ہیں کہ تا کہ وہ از خود ہی خلع کا مطالبہ کر دے اور ہمارا مال ومتاع اور ہمارا دیا ہوا مہر واپس آ جائے۔گویا ایسے لوگ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ہاں ناپسندیدہ ہیں۔

## عورت کا بلاوجہ خلع طلب کرنا

ایسی عورت جس کو خاوند ہر طرح کا نان ونفقہ مہیا کرے اور ہر طرح کے حقوق ادا کرے خواہ وہ ازدواجی حقوق ہوں یا دوسرے حقوق ہوں ان کی بطریق احسن ادائیگی کرتا ہے جن کا مہیا کرنا خاوند پر فرض ہے تو ان تمام حقوق اور اشیاء کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اگر کوئی عورت بغیر کسی عذر اور وجہ کے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے تو ایسی عورت کو رسول اللہ ﷺ نے منافق قرار دیا ہے۔

## بغیر عذر کے خلع طلب کرنے والی منافقہ ہے

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

"المختلعات هن المنافقٰت"۵۹

''خلع طلب کرنے والیاں منافقہ ہیں۔''

مزید برآں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"المختلعات والمنتزعات هن المنافقات"۶۰

''خلع کا مطالبہ کرنے والیاں اور (خاوند سے) جھگڑا کرنے والیاں منافق ہیں۔''

## منافقہ کی وعید

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں منافقین کی ان الفاظ میں وعید بیان فرمائی ہے۔

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا﴾ ۶۱

''بلاشبہ، منافقین جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے اور تم ان کے لئے کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔''

## مختلعہ (یعنی خلع لینے والی) جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گی

ایسی عورت جو بغیر کسی عذر اور معقول وجہ کے اپنے خاوند سے طلاق اور خلع کا مطالبہ کرتی ہے۔وہ عورت جنت میں داخلہ تو کیا جنت کی خوشبو سے بھی دور رہے گی۔اسے جنت کی پاکیزہ خوشبو بھی حاصل نہیں ہوگی۔جو بعض احادیث کے مطابق چالیس ہزار سال کے فاصلے پر بھی پائی جائے گی اور بعض احادیث میں ہے کہ جنت کی خوشبو ستر ہزار سال کے فاصلے پر پائی جائے گی گویا خلع طلب کرنے والی اللہ کے ہاں اتنی ناپسندیدہ عورت ہے کہ اللہ اسے اپنی پاکیزہ جنت کی خوشبو سے بھی دور رکھے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"أيما إمرأة اختلعت من زوجها من غير باس لم ترح رائحة الجنة"۶۲

''جوعورت اپنے خاوند سے بغیر وجہ (بغیر کسی شرعی عذر) کے خلع کا مطالبہ کرتی ہے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گی۔''

شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

مزید برآں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"أيما امرأة سألت طلاقا من غير بأس فحرام عليها رائحة الجنة"[٦٣]

''جو کوئی عورت اپنے خاوند سے بغیر کسی وجہ سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے۔ تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔''

الشیخ ناصرالدین البانی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

## جنت کی خوشبو کی مسافت

جنت کی خوشبو کی مسافت کے بارے میں بہت زیادہ احادیث ہیں جن میں جنت کی مسافت مختلف بیان ہوئی ہے۔ بعض احادیث میں چالیس سال کی مسافت کا ذکر ہے اور بعض میں ستر سال کی مسافت کا۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة وإن ريحها توجد من مسيرة أربعين عاما"[٦٤]

''جس شخص نے ذمی آدمی کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا اور جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت پر پائی جائے گی۔''

ایک اور موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"من قتل رجلا من أهل الذمة لم يجد ريح الجنة وإن ريحها ليوجد من مسيرة سبعين مرة"[٦٥]

''جس شخص نے اہل ذمہ میں سے کسی شخص کو قتل کر دیا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا اور جنت کی خوشبو ستر سال کی مسافت پر پائی جائے گی۔''

## مختلعہ (خلع طلب کرنے والی) کے لئے جنت میں داخلے کی ممانعت

ایسی عورت جو بلا عذر اپنے خاوند سے طلاق یا خلع کا مطالبہ کرتی ہے وہ جنت میں ہی داخل نہیں ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

"أيما امرأة اختلعت من زوجهامن غيرباس لم ترح رائحة الجنة"[٦٦]

''وہ عورت جو بغیر کسی شرعی عذر کے اپنے خاوند سے خلع کا مطالبہ کرتی ہے وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گی۔''

مذکورہ حدیث مبارکہ میں مختلعہ کے لیے جنت کی خوشبو سے محرومی کا ذکر ہے۔ اصول فقہ کا ایک قاعدہ ہے۔ جو قیاس اولی کے نام سے معروف ہے اس اصول کے تحت خلع طلب کرنے والی عورت پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہوجاتی ہے وہ اس طرح کہ جب اسے جنت کی خوشبو نہیں پہنچے گی تو جنت تو بہت دور کی بات ہے جیسے قرآن میں ''والدین'' کو 'اف' کہنا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ تو ان کو مارنا تو بالا ولی ناجائز ہوا، اسی طرح اگر یہ عورت جنت کی خوشبو سے محروم رہے گی تو جنت سے بالاولی محروم رہے گی۔

## حلال اشیاء میں سے ناپسندیدہ چیز طلاق

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

"أبغض الحلال إلى الله تعالى الطلاق"[٦٧]

''اللہ تعالی کے نزدیک حلال اور جائز اشیاء میں سے ناپسندیدہ اور مکروہ چیز طلاق ہے۔''

"ماأحل الله شيئا أبغض إليه من الطلاق"۶۸؎

''اللہ تعالی نے کسی ایسے حلال کی تخلیق ہی نہیں کی جو طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ ہو۔''

گویا خاندانی نظام کو چلانے کے لیے اللہ تعالی نے زوجین کا رشتہ بنایا ہے جب یہ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے سے دست بردار ہوجائیں تو ایسی حالت میں طلاق کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ ورنہ اصلاً یہ ناجائز ہے اور ممنوع چیز ہے۔ اور 'امام احمد بن علی المعروف بابن الساعاتی' نے بھی ''شرح مجمع البحرین'' میں اسے اصلاً ممنوع اور ناجائز قرار دیا ہے۔

## بلاوجہ خلع طلب کرنے والی ملعونہ ہے

نبی اکرم ﷺ کے ایسے بہت سے ارشادات ہیں۔ جن میں بلاوجہ خلع طلب کرنے والیوں کو ملعونہ قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے زوجین کے رشتے کو نعمت بنایا ہے، اور طلاق اللہ کی نعمت کا انکار ہے۔ الغرض ملعونہ کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دور ہونا اور جو اللہ کی رحمت سے دور ہوگیا، گویا وہ بدبخت ہوگیا۔ تو گویا خلع کا مطالبہ کرنے والی اللہ کی رحمت سے دور اور بدبخت ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

"لعن الله كل ذواق مطلاق"۶۹؎

''کہ اللہ تعالی نے ہر مزا چکھنے والی اور (بلاوجہ) طلاق کا مطالبہ کرنے والی پر لعنت فرمائی ہے۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

" أيما إمرأة اختلعت من زوجها من نشوز ، فعليها لعنة الله والملائكة والناس أجمعين"۷۰؎

''جو عورت (بلاوجہ) اپنے خاوند سے خلع کا مطالبہ کرتی ہے۔ پس اس پر اللہ تعالی اور اس کے فرشتوں اور پوری بنی نوع انسانیت کی لعنت برستی ہے۔''

مزید برآں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"أيما إمرأة اختلعت من زوجها لم تزل في لعنة الله وملائكته ورسوله والناس اجمعين"۷۱؎

''ایسی عورت جو (بلاشرعی عذر کے) خلع طلب کرتی ہے تو اس عورت پر اللہ تعالی، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور تمام عالم کے انسانوں کی لعنت پڑتی ہے۔''

◉............◉............◉

# حوالہ جات

(۱) نظام الأسرة

(۲) مجموعہ قوانین اسلام:۲/۳۵۷

(۳) موسوعه الاسرة:۲/۱۶۳

(۴) النساء:۲۱

(۵) المغنی:۶/۴۴۶

(۶) الروم:۲۱

(۷) النساء:۱۹

(۹) النساء:۱۹

(۱۰) النساء:۳۴

(۱۱) سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہﷺ، باب فضل أزواج النبی:۳۸۹۵

(۱۲) النساء:۳۴

(۱۳) النساء:۳۵

(۱۴) النساء:۲۲۹،۲۳۲

(۱۵) البقرة:۲۲۸

(۱۶) محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، ۲۰۰۱ء:۱/۵۶۰

آلوسی، شہاب الدین محمود،، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، مکتبہ امدادیہ، ملتان، س ن:۱/۱۳۶

(۱۷) پانی پتی، قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۳۹۳ھ:۱/۳۰۰

(۱۸) البقرة:۲۲۹

(۱۹) البقرة:۲۳۲

(۲۰ الطلاق:۱

(۲۱) الطلاق:۲

(۲۲) آزاد، مولانا ابوالکلام، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی، لاہور، ۱۹۸۲ء:۱/۳۲۰

(۲۳) ابوالاعلیٰ مودودی، حقوق الزوجین، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۲ء:۵۰

(۲۴) صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب وقال مجاهد إن ارتبتم:۴۹۰۸، صحیح مسلم، کتاب

النکاح ، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاها وأنه لو خالف وقع الطلاق:۱۴۷۱

(۲۵) صحیح بخاری ، کتاب تفسیر القرآن ، باب وقال مجاهد إن ارتبتم:۴۹۰۸،صحیح مسلم ، کتاب الطلاق ،باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاها وأنه لو خالف وقع الطلاق:۱۴۷۱

(۲٦) الطلاق:۱

(۲۷) صحیح بخاری ، کتاب التفسیر القرآن ، باب وقال مجاهد إن ارتبتم:۴۹۰۸

(۲۸) سنن نسائی .کتاب الطلاق باب الثلاث المجموعة ومافیه من التغلیظ:۳۴۳۰،والمحلی لابن حزم ،احکام الطلاق:۱۰/۱٦۷

(۲۹) سنن دارقطنی ، باب النکاح

(۳۰) سنن الترمذی ، النکاح ، باب ماجاء فی المحلل والمحلل له:۱۱۲۰

(۳۱) الطلاق:۱

(۳۲) الطلاق:۱

(۳۳) السخاوی ،ابی عبد الله محمد عبد الرحمن ،فتح المغیث ،وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیه ، السعودیه ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳ء۵/۲۸۸

(۳۴) البقرة:۲۲۹

(۳۵) البقرة:۲۳٦

(۳٦) البقرة:۲۴۱

(۳۷) موسوعة الاسرة اللجنة التربویه الکویتیه: ۲/۱٦۴

(۳۸) البقرة:۱۸۷

(۳۹) النساء:۱۹

(۴۰) صحیح مسلم ، کتاب الرضاع ، باب الوصیة بالنساء:۱۴٦۹

(۴۱) البقرة:۲۲۹

(۴۲) صحیح بخاری، کتاب الطلاق ، باب الخلع وکیف الطلاق فیه:۴۸٦۷، سنن النسائی ، کتاب الطلاق ، باب ما جاء فی الخلع:۳۴٦۳

(۴۳) ابن قیم الجوزیة ، محمد بن ابی بکر:زاد المعاد فی هدی خیر العباد ، مؤسسة الرسالة ، بیروت ، ۱۹۹٤ء:۴/۲۷

(۴۴) البقرة:۲۲۹

(۴۵) صحیح بخاری ، کتاب الطلاق ، باب الخلع وکیف الطلاق فیه:۵۲۷۳

(۴۶) سید سابق مصری، نظام الأسرۃ ترجمہ فقہ السنۃ، خاندانی نظام، مترجم حافظ محمد اسلم شاہدروی، حدیبیہ پبلی کیشنز، لاہور، س ن:۴۱۰
(۴۷) البقرۃ:۱۲۹
(۴۸) فتح الباری لابن حجر:باب الخلع وکیف الطلاق فیه
(۴۹) المزی، جمال الدین ابی الحجاج، تهذیب الکمال فی اسماء الرجال، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۸ء:۸۱۰/۷، الاسماء المبهم فی الابناء:۹۹
(۵۰) مالك بن أنس، الإمام: الموطأ، تحقیق وتعلیق: محمد فؤاد عبد الباقی:۱۰۳۲
(۵۱) مؤطاامام مالك:۱۰۳۲، صحیح بخاری، الخلع وکیف الطلاق فیه
(۵۲) عون المعبود:۱۰۸/۵
(۵۳) عون المعبود:۱۰۸/۵
(۵۴) سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی الطلاق علی الهزل:۲۱۹۴، سنن ترمذی، کتاب الطلاق واللعان عن رسول اللهﷺ:۱۱۸۴، سنن ابن ماجة، کتاب الطلاق، باب من طلق أو نکح أو راجع لا عبا:۲۰۳۹
(۵۵) النساء:۹
(۵۶) النساء:۱۲۰
(۵۷) خاندانی نظام:۴۱۰
(۵۸) صحیح ابن حبان:۴۳۳۹
(۵۹) سنن الترمذی، کتاب الطلاق اللعان عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی المختلعات:۱۱۸۶
(۶۰) السنن الکبری للبیهقی:۳۱۶/۷
(۶۱) النساء:۱۴۵
(۶۲) سنن الترمذی، کتاب الطلاق واللعان عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی المختلعات:۱۱۸۶
(۶۳) سنن الترمذی، کتاب الطلاق واللعان عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی المختلعات:۱۱۸۷
(۶۴) صحیح بخاری، کتاب الجزیة، باب إثم من قتل معاهدا بغیر جرم:۳۱۶۶
(۶۵) سنن النسائی، کتاب القسامة، باب تعظیم قتل المعاهد:۴۸۴۹
(۶۶) سنن الترمذی، کتاب الطلاق واللعان عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی المختلعات:۱۱۸۶
(۶۷) سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی کراهیة الطلاق:۲۱۷۸
(۶۸) السنن الکبری للبیهقی:۳۲۲/۷
(۶۹) فتح القدیر:۴۲۷/۷
(۷۰) المبسوط:۱۲۷/۷
(۷۱) مسندالحارث:۷۵/۱

# باب سوم

## زوجین کے حقوق وفرائض

# فصل اول

## خاوند کے بیوی پر حقوق

① خاوند کے جسمانی وطبعی حقوق

② خاوند کے دینی واخلاقی حقوق

③ خاوند کی اطاعت اور اس کی عصمت کی حفاظت

④ مال واولاد کی نگرانی

# خاوند کے بیوی پر حقوق

حقوق وفرائض کی تعیین سے قبل یہ بات واضح رہے کہ رشتہ دین داری کی بنیاد پر کیا جائے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ : لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَلِجَمَالِهَا، وَلِدِيْنِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ»[1]

''عورت سے چار چیزوں کی بنیاد پر نکاح کیا جاتا ہے: اس کے مال، حسب ونسب، خوبصورتی اور دین کی وجہ سے پس تم دین داری کو ترجیح دو، تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔''

حدیثِ نبوی سے یہ مراد نہیں ہے کہ عورت سے نکاح کے وقت اُس کی خوبصورتی اور دیگر امور کو نظر انداز کر دینا چاہیے بلکہ آپ ﷺ کی مراد دراصل یہ ہے کہ دین دار عورت کو خوبصورت عورت کے مقابلہ میں ترجیح دینی چاہیے اور اسی طرح مال دار اور خاندان والی عورت کے بالمقابل دین دار عورت کو اختیار کرنا چاہیے۔اس حدیث سے اُس شخص کی مذمت ثابت ہو رہی ہے جو عورت کے آداب اور دین کے بجائے صرف اس کے حسن اور خوبصورتی کی وجہ سے اس سے نکاح کرتا ہے۔حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام سے مروی ہے:

"اَلْجَمَالُ كَاذِبٌ وَالْحُسْنُ مُخْتَلِفٌ"[2]

''حسن جھوٹا ہے اور خراب ہونے والا ہے۔''

جیسا کہ شاعر کا قول بھی ہے:

فَلَا تَجْعَلِ الْحُسْنَ الدَّلِيْلَ عَلَى الْفَتَى
فَمَا كُلُّ مَصْقُوْلِ الْحَدِيْدِ يَمَانِيْ

''تم حسن کو نوجوانی کی دلیل نہ بناؤ، کیونکہ ہر چمکتا ہوا لوہا عقیق (ایک قیمتی پتھر) نہیں ہوتا۔''

اَکثم بن صیفی نے اپنے بعض بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: ''رذیل عورت کو اختیار کرنے سے بچو، کیونکہ اگر اس کے پاس مال ہے تو وہ ختم ہو جائے گا اور تمہارے ہاتھ صرف اس کی بدبختی آئے گی''۔[3]

ہمارے ہاں شادی بیاہ کے وقت عورت کے حسن کو بہت زیادہ ترجیح دی جاتی ہے اور یہ بھی اَمر واقعہ ہے کہ اکثر حسین عورتیں بدمزاج، اکھڑ اور مغرور ہوتی ہیں۔اور اپنے حسن پر ناز کی وجہ سے اکثر اوقات ان کے تعلقات اپنے خاوندوں سے کشیدہ رہتے ہیں۔اگر کسی عورت میں حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسن سیرت بھی ہو تو اس کا کیا کہنا! دین و دنیا ایک ہی عورت میں مل جائے تو اس سے بڑھ کر اور نعمت کیا ہو سکتی ہے۔نوجوانوں کو اور ان کے والدین کو چاہیے کہ شادی کے وقت اصل معیار عورت کے حسن اخلاق اور اس کی دینداری کو بنائیں، اس کے بعد باقی خصوصیات کو پیش نظر رکھیں۔

جب دین داری کے ساتھ ساتھ عورت کا حق مہر بھی کم ہو، وہ ضروری علوم اور گھریلو کام کاج وغیرہ سے بھی واقف ہو اور اس کے علاوہ اس کی پرورش بھی ایسے والدین نے کی ہو، جن میں کمال درجہ کی باہمی محبت و الفت ہو اور باعزت خاندان میں اس عورت نے پرورش پائی ہو تو ایسی عورت سے دنیا و آخرت کی سعادت اور ہمیشہ کی خوش بختی حاصل ہو گی۔

ہم زوجین کے حقوق میں سے ہر ایک کے لیے دس حقوق کا تذکرہ کریں گے۔ پہلے خاوند کے بیوی پر جو حقوق ہیں، اُن کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

## ① خاوند کے جسمانی وطبعی حقوق

خاوند کے بیوی پر درج ذیل جسمانی وطبعی حقوق ہیں:

### ① اپنے خاوند کے ساتھ محبت میں مخلص ہو

عورت کو چاہیے کہ وہ اجنبیوں سے پردہ میں گفتگو کرے، اجنبی مردوں سے گفتگو میں احتیاط کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ [4]

''آپ کہہ دیں اہل ایمان سے، کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں۔''

مزید فرمایا:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾ [5]

''اور آپ کہہ دیں اہل ایمان عورتوں سے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں۔''

عورت کے اندر جس قدر اپنی نگاہ نیچی رکھنے کی عادت ہوگی، یہ اس کے شوہر کے لیے اس کے خلوص پر دلیل ہوگی۔ اسی بات میں خوش بختی اور سعادت ہے اور یہ عادت بکھری ہوئی محبتوں کو اکٹھا کرنے اور اختلافات کو بالکل ختم کرنے کا باعث بنتی ہے۔

عورت پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ پڑوسیوں کے گھروں، بازاروں اور گلیوں میں سوراخ، روشن دان یا کھڑکی سے نہ جھانکے۔ عورت کو اس بات سے بھی بچنا چاہیے کہ وہ بلاضرورت کسی اجنبی کی آواز سنے یا کوئی اجنبی اس کی شخصیت کے بارے میں جانے۔ اس کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ اپنے خاوند کی غیر موجودگی میں اس کے کسی دوست کو اپنا تعارف نہ کروائے۔ اس کے خاوند کا کوئی دوست اگر اس کے خاوند کے بارے میں دریافت کرے اور وہ گھر پر نہ ہو تو اس کے سامنے نہ آئے، بلکہ پردے کے پیچھے سے اس سے گفتگو کرے اور اس سے اس کے کام اور نام کے بارے میں سوال کرے۔ اسے چاہیے کہ کلام کو طول نہ دے، تاکہ شیطان اس کلام کو اُس کے خاوند اور اُس کے دوست کے درمیان یا خود اس کے اور خاوند کے درمیان جدائی اور پھوٹ کا ذریعہ نہ بنا دے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنَ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ» [6]

''بے شک شیطان ابن آدم میں یوں دوڑتا ہے جیسا کہ خون اُس کی رگوں میں دوڑتا ہے۔''

### ② گھر کی ذمہ داری سنبھالے

عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ صبح ہی صبح گھر کے کام کاج کے لیے کمر کس لے تاکہ اس کا جسم اور عقل دونوں قوی ہوں اور مرض و بیماری اس سے بھاگ جائے اور گھر کے باقی افراد بھی اس کی اتباع میں صبح جلد بیدار ہوسکیں۔ روزانہ گھر میں جھاڑو دینا، اس کے فرش کو دھونا، جس چیز کے پکانے کی ضرورت ہو اُس کو پکانا، آٹا گوندھنا، روٹیاں پکانا، سینے پرونے کے کام کرنا، وقت اور ضرورت کے اعتبار سے گھر میں ٹھنڈا یا گرم پانی مہیا کرنا، یہ سب باتیں عورت کی توجہ طلب کرتی ہیں۔ عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر کے حالات کو سنوارنے کے لیے اپنی ہمت بڑھائے اور اس معاملے میں اپنی طاقت اور وسعت کے مطابق جتنا کرسکتی ہے کرے جو کہ عادت وعرف کے مطابق ہو۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ بیان فرماتی ہیں:

''زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے مجھ سے شادی کی اور آپ رضی اللہ عنہ کے پاس مال یا کوئی دوسرا ساز و سامان نہ تھا سوائے گھوڑے اور اونٹ کے' تو میں ان کے گھوڑے کو گھاس دانہ ڈالتی تھی''۔ مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: ''میں اُن کے گھوڑے کی دیکھ بھال کرتی تھی' ان کے اونٹ کے لیے کھجور کی گٹھلیاں کوٹتی تھی' پانی نکالتی تھی اور پانی نکالنے والے چمڑے کے ڈول کو سی بھی لیتی تھی اور آٹا گوندھتی تھی۔ میں دو میل کے فاصلے سے گٹھلیاں اٹھا کر لاتی تھی یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے خادم مہیا کر دیا جو گھوڑے کی نگرانی میں مجھے کفایت کر جاتا تھا' اور اس غلام نے تو جیسے مجھے آزاد کروا دیا ہوا ایک روز میں اپنے سر پر گٹھلیاں رکھے واپس آ رہی تھی تو مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا اور کہا ''اِخْ اِخْ'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی کو بٹھانے لگے تا کہ مجھے اپنے پیچھے سوار کر سکیں' تو مجھے شرم محسوس ہوئی کہ مَردوں کے ساتھ چلوں۔ مجھے زبیر رضی اللہ عنہ اور اُن کی غیرت یاد آ گئی' وہ لوگوں میں سب سے زیادہ غیرت مند تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ میں شرم محسوس کر رہی ہوں۔ پھر میں زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان کو تمام قصہ سنایا تو انہوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! تیرا سر پر گٹھلیاں اٹھانا، مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیرے سوار ہونے سے زیادہ بھاری گزرا۔''[7]

## ④ خاوند کو اپنی توجہ' وقت' محبت اور اسبابِ راحت فراہم کرے

اس عورت میں کوئی خیر نہیں، جو اپنے خاوند کو اِس حال میں ملے کہ اسکا دل تنگ ہو' ماتھے پر تیوری چڑھی ہوئی ہو' کپڑے میلے ہوں' بدن پر گندگی ہو' اداسی چھائی ہو' چہرہ پژمُردہ ہو۔ ایسی حرکات کر کے عورتیں شیطان کیلئے دروازہ کھول دیتی ہیں اور لڑائی جھگڑے اور اختلاف کا راستہ آسان بنا دیتی ہیں۔ ایسی حرکات ازدواجی زندگی کی بنیادوں کو منہدم کرنے کیلئے کافی ہیں اور خاندانی نظام کو بگاڑنے میں عورت کی ایسی حرکات کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔ پس عورت کو ایسی بری عادات سے بچنا چاہیے اور اسے خاوند کو مسکراہٹ اور فرحت کے ساتھ ملنا چاہیے۔ اسے چاہیے کہ تمام امور میں اپنے خاوند کی خوشی اور رضا کی متلاشی رہے اور جب خاوند سے ملے تو خوشبو لگا کر' میک اپ کر کے' جسم کو صاف ستھرا کر کے ملے۔ اسی طرح اپنے کپڑوں اور گھر کے ساز و سامان کو بھی صاف رکھے اور اپنے آپ سے پسینہ اور میل کی بدبو کو دور کرتی رہے۔ اپنے خاوند کے سامنے ایسے کھانے تیار کر کے پیش کرے جن کی وہ فرمائش کرے اور جن میں اسکی رغبت ہو۔

جب عورت یہ کام کرے گی تو وہ ان عورتوں میں سے ہو گی جن کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی ہے کہ وہ بہترین عورتیں ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سی عورت بہترین ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلَّتِی تَسُرُّہٗ اِذَا نَظَرَ»[8]

''وہ عورت جو اپنے خاوند کو خوش کر دے جب وہ اُس کی طرف دیکھے۔''

ایک بزرگ خاتون نے اپنی بیٹی کو شادی کے وقت درج ذیل نصیحت کی: اے میری بچی! اپنے بدن کی صفائی سے غافل نہ ہونا' بے شک بدن کا صاف رکھنا تیرے چہرے کو روشن کر دے گا' تیرے شوہر کی تیرے ساتھ محبت میں اضافے کا باعث ہو گا' تجھ سے مختلف امراض اور بیماریوں کو دُور کر دے گا اور تیرے جسم کو عمل پر آمادہ کرے گا۔ بدبودار عورت طبیعت پر ناگوار گزرتی ہے اور آنکھیں اور کان اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اور جب تو اپنے شوہر سے ملے تو ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ مل' کیونکہ محبت جسم ہے اور اس کی روح چہرے کی تر و تازگی ہے۔

## ② خاوند کے دینی واخلاقی حقوق

### ① خاوند سے ایسا مطالبہ نہ کرے کہ جس کی وہ استطاعت نہیں رکھتا

عورت پر یہ بات لازم ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ میانہ روی اور حسن تدبیر کے ساتھ زندگی گزار کر اس کی مدد کرے‘ اللہ نے جو رزق دے دیا ہے اس پر قناعت کرے اور اپنے خاوند سے زیادہ کھانے یا لباس کا مطالبہ نہ کرے‘ کیونکہ حرص کی ہوا، محبت کی آگ کو بجھا دیتی ہے اور ناپسندیدگی کا گرد وغبار اڑاتی ہے۔ قناعت و میانہ روی عورت کی بہترین صفات میں سے ہے اور جب عورت کو قناعت مل جاتی ہے اور وہ اچھے اخلاق کو حاصل کر لیتی ہے تو ممکن ہے کہ تھوڑے رزق کو اپنی اچھی تدبیر کے ذریعہ نفع بخش بنا لے اور اس میں اچھا تصرف کرے۔ اس کی قناعت کے ذیل میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ حرام سے بچ جائے‘ کیونکہ حرام کے کھانے میں ابدی ہلاکت ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ ، اَلنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ»[9]

''وہ جسم جنت میں نہ جائے گا جو حرام سے پروان چڑھا‘ وہ آگ کا زیادہ حق دار ہے۔''

اسلاف کی عورتوں کی عادت تھی کہ جب کوئی مرد گھر سے باہر کمانے کیلئے نکلتا تو اسکی بیوی یا بیٹی کہتی حرام کمائی سے بچنا‘ بیشک ہم بھوک اور تکلیف تو برداشت کر لیں گے‘ لیکن آگ پر صبر نہیں کر سکتے۔ عورت کو چاہیے کہ اپنے خاوند کی تنگی یا مزاج کی خرابی کیوجہ سے دل چھوٹا نہ کرے اور اسکے مالی حالات تبدیل ہونے کیوجہ سے خود بھی تبدیل نہ ہو جائے‘ بلکہ تمام حالات کا مقابلہ صبر و رضا سے کرے۔ پس آزاد عورت تو وہ ہے جو تنگی میں بھی خاوند کے ساتھ ایسے ہی رہے جیسا کہ آسانی کے حالات میں۔ ہم نے ایسی فضیلت والی عورت کو بھی دیکھا ہے جو ہمیشہ تنگی کے ایام میں اپنے خاوند کی مدد کرتی ہے اور اسکے ساتھ تنگی کی مشکلات کو برداشت کرتی ہے۔ چنانچہ وہ قطرہ قطرہ اکٹھا کر کے اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرتی اور اپنی مفلسی کو دُور کرتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ خوشحالی کا انتظار افضل عبادت ہے‘ اور یہ کہ تنگی کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے اور دنیا کی نعمتیں بعض اوقات آخرت میں آزمائش بن جاتی ہیں اور خوش بختی بعض اوقات بدبختی بن جاتی ہے۔

### ② اپنے دینی فرائض کو ادا کرنے کی کوشش کرے

عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نماز‘ روزہ اور تمام دوسرے فرائض کو باقاعدگی سے ادا کرے۔ صبح سویرے بستر سے اٹھنے کے بعد اس کا پہلا عمل یہ ہونا چاہیے کہ وہ فجر کی نماز ادا کرے اور اس کے لیے اپنی اولاد کو بھی بیدار کرے تاکہ اس طرح سے اپنی اولاد اور شوہر کے لیے نماز ادا کرنے کے راستہ کو آسان بنائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے نیک بیوی کو دنیا کی نعمتوں میں سے سب سے بہترین نعمت قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«الدنيا متاع و خير متاع الدنيا المرأة الصالحة»[10]

''دنیا فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور سب سے بہتر کہ جس سے اس دنیا میں فائدہ اٹھایا جائے‘ نیک بیوی ہے۔''

عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والی ہو‘ عبادت کا شوق رکھنے والی ہو‘ اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرائض کو جاننے والی ہو اور اپنے دینی معاملات پر کسی شے کو مقدم نہ کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

«اِذَا صَلَّتِ الْمَرْاَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ زَوْجَهَا دَخَلَتْ جَنَّةَ رَبِّهَا»[11]

''جب عورت پانچ وقت کی نماز ادا کرے' (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھے' اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو اپنے ربّ کی جنت میں داخل ہو جائے گی۔''

### ④ شوہر کی ناشکری نہ کرے اور اسکے ساتھ حسن سلوک کرے

عورت کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے حق کو، اپنی ذات اور اپنے باقی رشتہ داروں کے حقوق پر ترجیح دے۔ شوہر کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے گھر والوں کا احترام کرے اور خاص طور پر اس کی ماں کا' کیونکہ وہ اس کی شادی کا سبب بنتی ہے۔ اسے چاہیے کہ گھر کی ذمہ داری اور باگ ڈور اپنے شوہر کی ماں کے سپرد کر دے' اس کی بات مانے اور اس کی نصیحتوں پر عمل کرے۔ اکثر اوقات ماں اور بیوی کے درمیان اختلافات، نکاح کے ٹوٹنے کا باعث بن جاتے ہیں یا پھر خاوند، ماں کی نافرمانی کرنے لگ جاتے ہیں اور اپنے ربّ کی رضا حاصل نہ کرنے کی وجہ سے خسارہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شوہر کے ساتھ حسن سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ جو وہ گھر میں لے کر آتا ہے اس پر اس کا شکریہ ادا کرے' چاہے وہ کھانے کی چیز ہو' کپڑے ہوں' پینے کی چیز ہو' پھل ہوں یا گھر کا سامان وغیرہ ہو' کیونکہ منحوس عورتوں کی نشانی ہے کہ وہ اچھی باتوں پر تعریف نہیں کرتیں اور شوہر کے احسانات کا انکار کرتی ہیں۔

شوہر کا شکر ادا نہ کرنا اور اس کے اچھے سلوک کا انکار کرنا یہ اُن صفات میں سے ہے جو کہ اکثر عورتوں کو جہنم میں داخل کریں گی' خاص طور پر دوسری خصلت کہ عورت کا کثرت سے اپنے شوہر کو لعن طعن کرنا' جہنم میں جانے کا سبب بنے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ: فَقُلْنَ وَبِمَا ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ» [12]

''اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ کیا کرو' کیونکہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم اکثر جہنم میں ہو''۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسا کیوں ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم کثرت سے لعن طعن کرتی ہو اور اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔''

اور جب شوہر پر تنگی ہو یا وہ کسی دن اپنے فرائض کو ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو اے میری مسلمان بہن! یہ مت بھول کہ اس نے تیرے ساتھ سابقہ ایام میں کیا بھلائیاں کی ہیں اور اللہ کے اس قول کو یاد کر:

﴿وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ﴾ [13]

''اپنے درمیان ایک دوسرے پر احسان کرنے کو مت بھولو۔''

اور ان عورتوں میں سے نہ ہو جا جن کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ، ثُمَّ رَاَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ: مَا رَاَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطّ» [14]

''اگر تو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ عمر بھر اچھائی کرتا رہے' پھر کسی دن اس کو تمہاری طرف سے کوئی ناگوار بات پہنچ جائے تو کہتی ہے کہ میں نے تو تیری طرف سے خیر کبھی دیکھی ہی نہیں ہے۔''

اس کی نیکی میں یہ بھی شامل ہے کہ اپنی اولاد کی تربیت کرے' ان کے ساتھ شفقت سے پیش آئے اور اولاد کی خاطر جو تکالیف دورانِ حمل و مابعد اٹھانا پڑتی ہیں، اُن کو برداشت کرے۔ بچوں کو بددعا نہ دے' ان کو سادہ زندگی اور مشکلات کو برداشت کرنے کا عادی بنائے' ان کے نظریات کو مہذب بنائے' دوسروں کا ادب کرنا سکھائے' ان کے دلوں میں ایمان و اسلام کی محبت ڈالے۔ نیکی کے کام ان

کے نزدیک پسندیدہ بنائے اور ان کو برائی سے نفرت دلائے۔

## ③ خاوند کی اطاعت اور اس کی عصمت کی حفاظت

### ① اللہ کی نافرمانی کے علاوہ ہر معاملہ میں خاوند کی اطاعت

بیوی کا فرض ہے کہ اللہ کی نافرمانی کے علاوہ ہر معاملہ میں خاوند کی اطاعت کرے۔اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بہت ساری احادیث مروی ہیں۔حضرت ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

عَنْ اَبِیْ اَوْفٰی رَضِیَ اللہ عَنْہُ قَالَ : لَمَّا قَدِمَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ مِنَ الشَامِ سَجَدَ النَّبِیَّ ﷺ ، فَقَالَ ﷺ: «مَا هٰذَا؟» قَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! قَدِمْتُ الشَّامَ فَرَاَیْتُھُمْ یَسْجُدُوْنَ لِبَطَارِقَتِھِمْ وَاَسَاقِفَتِھِمْ، فَاَرَدْتُ اَنْ اَفْعَلَ ذٰلِكَ بِكَ، قَالَ : «فَلَا تَفْعَلْ، فَاِنِّیْ لَوْ اَمَرْتُ شَیْئًا اَنْ یَسْجُدَ لِشَیْءٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَۃَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا، وَالَّذِیْ نَفْسِی بِیَدِہٖ لَا تُؤَدِّی الْمَرْاَۃُ حَقَّ رَبِّھَا حَتّٰی تُؤَدِّیَ حَقَّ زَوْجِھَا» [15]

''جب حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ شام سے واپس آئے تو انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو سجدہ کیا۔آپ نے فرمایا:''یہ کیا ہے؟'' حضرت مُعاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں شام سے آیا ہوں' میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے علماء اور پادریوں کو سجدہ کرتے ہیں' چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ ایسا کروں''۔آپ ﷺ نے فرمایا:''تم ایسا مت کرو! بے شک اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! عورت اپنے ربّ کا حق کبھی پورا نہ کر سکے گی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کر دے۔''

مزید برآں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِذَا صَلَّتِ الْمَرْاَۃُ خَمْسَھَا وَحَصَّنَتْ فَرْجَھَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَھَا دَخَلَتْ مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّۃِ شَاءَتْ» [16]

''جب عورت اپنی پانچوں نمازیں پڑھے' اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔''

جب عورت اپنے خاوند کی اطاعت کرتی ہے تو وہ بہترین عورت شمار ہوتی ہے۔اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا گیا کہ عورتوں میں سے بہترین عورت کون سی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلَّتِیْ تَسُرُّہُ اِذَا نَظَرَ وَتُطِیْعُہٗ اِذَا اَمَرَ وَلَا تُخَالِفُہُ فِیْ نَفْسِھَا وَمَا لِھَا بِمَا یَكْرَہُ» [17]

''وہ عورت کہ جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے' جب وہ اسے حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے' اپنی ذات سے متعلق معاملات میں اپنے خاوند کی مخالفت نہ کرے اور اپنے مال کو اس طرح سے صرف نہ کرے جس کو وہ ناپسند جانے۔''

بعض علماء کا کہنا ہے کہ بہترین بیویاں وہ ہوتی ہیں جو فرمانبردار' حیادار' سمجھ دار' بہت زیادہ بچے جننے والی' بہت زیادہ محبت کرنے والی' زبان کو احتیاط سے استعمال کرنے والی اور اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرنے والی ہوں۔حکماء کا یہ قول ہے کہ جو عورت یہ چاہتی ہے کہ اس کا خاوند اس کی بات مانے اسے چاہیے کہ وہ اپنے خاوند کی اطاعت کرے۔شوہر کی اطاعت سے مراد یہ ہے کہ شوہر جس کام کا ارادہ کرے اس سے اس کام کے بارے میں جھگڑا نہ کرے' چاہے اس کی اپنی رائے کتنی ہی معتبر کیوں نہ ہو' کیونکہ شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری اس کے لیے افضل ہے۔اس لیے کہ بعض اوقات چھوٹے چھوٹے اختلافات کے نتیجہ میں بڑے بڑے مسائل پیدا ہو جاتے

ہیں۔ اور یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ عورت جب اپنے بغض وعناد کو ایک طرف رکھ چھوڑتی ہے تو وہ مرد کو اکثر اوقات اپنی رائے کی طرف محبت سے مائل کر لیتی ہے۔ اس لیے عورتوں کو چاہیے کہ اپنے شوہروں سے اپنی بات منوانا چاہتی ہیں تو محبت سے منوائیں۔

مزید برآں عورت جب اپنے خاوند کی اطاعت کرتی ہے تو اس کے ذریعہ سے وہ اپنے ربّ کی رضا حاصل کرتی ہے' اپنی زندگی کو مبارک بناتی ہے' اپنے بچوں کے لیے والدین کی اطاعت کی راہ ہموار کرتی ہے اور اولاد پر اپنی حکمرانی تسلیم کرواتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ فرمانبرداری خاوند اور بیوی کے درمیان جھگڑے کو ختم کرنے میں کافی مدد دیتی ہے۔

## ② خاوند کی مرضی کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے

جب عورت خاوند کی موجودگی میں اس کی مرضی کے بغیر نفلی روزہ رکھے گی، تو نہ صرف وہ بھوکی پیاسی رہے گی' بلکہ اسے اس روزے کا گناہ بھی ہوگا اور وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ عورت کا نفلی روزہ اس کے خاوند کی مرضی کے بغیر بالکل صحیح نہیں ہوتا۔ یہ تو نفلی روزوں کی بات ہے' البتہ جہاں تک فرض روزوں کا تعلق ہے تو اُس میں وہ خاوند کی اجازت کی محتاج نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تَصُمِ الْمَرْاَةُ وَبَعْلُهَا شَاهِدٌ اِلاَّ بِاِذْنِهٖ »[18]

''عورت کو اپنے خاوند کی موجودگی میں اس کی مرضی کے بغیر (نفلی) روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔''

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورت کا اپنے خاوند کے ازدواجی حقوق پورے کرنا نفل عبادت سے افضل ہے۔ بعض اوقات عورتیں کسی لڑائی جھگڑے یا طبیعت کی معمولی خرابی کی وجہ سے اپنے شوہروں کے ازدواجی حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرتی ہیں جو کہ مناسب نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی ایسی عورت کے بارے میں بہت سخت وعید آئی ہے جو کہ اپنے شوہر کے بلانے پر بستر پر نہیں آتی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

« إذا دعا الرجل امرأته الى فراشه فأبت فبات غضبان عليها لعنتها الملائكة حتى تصبح»[19]

''جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ (بستر پر آنے سے) انکار کر دے اور خاوند اس وجہ سے غصے میں رات گزارے تو ایسی عورت پر فرشتے صبح ہونے تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ لڑائی جھگڑے یا طبیعت کے آمادہ نہ ہونے کی وجہ سے عورت کے لیے اپنے شوہر کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرنا ایک صبر آزما مرحلہ ہے لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی خاوند کی ضرورت کو پورا کرنا عورت کے لیے عبادت ہے بلکہ نفلی عبادت سے بھی افضل ہے اور مزید برآں اللہ کے رسول ﷺ کا حکم بھی ہے۔ غالباً اس میں حکمت یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے دوری کی وجہ سے کسی برائی میں نہ جا پڑے اور بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ یہی ازدواجی تعلق دل کی نرمی' باہمی نفرت کو کم کرنے اور لڑائی جھگڑے کے خاتمے کا سبب بن جاتا ہے۔

## ③ خاوند کی مرضی کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾[20]

''اورتم اپنے گھروں میں بیٹھی رہواور سابق زمانۂ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کر کے باہر نہ نکلو۔''

جب خاوند عورت کو کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دے تو عورت کو چاہیے کہ شرم وحیا کا لباس پہن کر باہر نکلے۔ بناؤ سنگھار کر کے باہر نہ نکلے تا کہ اسکی زیب وزینت، خائن آنکھوں کی توجہ کا باعث نہ بن جائے۔ بارونق سڑکوں اور بازاروں کی بجائے خالی راستوں پر سفر کرے۔ اگر وہ خاوند کی مرضی کے بغیر، بلاضرورت گھر سے باہر نکلے گی تو گناہ گار ہوگی۔اسی طرح گھر سے باہر نکلنے کے علاوہ گھر کی چھت پر یا اونچی جگہوں پر بغیر خاوند کی اجازت کے نہ چڑھے اور پڑوسیوں کے ہاں بھی خاوند کی اجازت سے ہی جائے۔

ضرورت کے تحت گھر سے نکلنے میں عورت کا ایک تو نماز کے لیے نکلنا ہے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

«لا تمنعوا إماء الله مساجد الله »۲۱

''اللہ کی لونڈیوں کو مسجدوں سے مت روکو۔''

اسی طرح عورت کا گاہے بگاہے اپنے والدین سے ملنے کے لیے نکلنا بھی ضرورت کے تحت آتا ہے اور خاوند کو اُس سے بھی منع نہیں کرنا چاہیے۔

عورت مسجد یا اس کے علاوہ کسی جگہ کے ارادے سے گھر سے نکلے تو زیب وزینت اختیار نہ کرے اور نہ ہی خوشبو لگائے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«إذا شهدت إحداكن الْعشاء فلا تطيب تلك الليلة »۲۲

''جب تم عورتوں میں سے کوئی عشاء کی نماز کے لیے نکلے تو اُس رات خوشبو نہ لگائے۔''

امام ترمذی ؒ نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے:

«اَلْمَرْاَةُ عَوْرَةٌ، فَإذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ»۲۳

''عورت چھپانے کی چیز ہے' جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے۔''

اس حدیث میں ابن حبان نے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں:

«وَاَقْرَبُ مَا تَــكُوْنُ مِنْ رَّبِّهَا اِذَا هِيَ فِيْ قَعْرِ بَيْتِهَا»۲۴

''اورعورت اپنے ربّ کے سب سے زیادہ قریب اُس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو جائے۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَيُّمَا امْرَاَةٍ اسْتَعْـطَرَتْ ، فَخَرَجَتْ، فَمَرَّتْ عَلى قَوْمٍ لِيَجِدُوْا رِيْحَهَا فَهِيَ زَانِيَةٌ وَكُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ »۲۵

''کوئی عورت جب خوشبو لگائے' پھر گھر سے نکلے اور کسی قوم پر سے اُس کا گزر ہو تو وہ عورت زانیہ وبدکار ہے اور اس کی طرف اٹھنے والی ہر آنکھ بھی زانیہ ہے۔''

یہ تو واضح ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمان عورت کے اپنے گھر میں ٹھہرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ اسکو گھر میں قید کر دیا گیا ہے' جیسا کہ بعض دشمنانِ اسلام اس بات کا پروپیگنڈا کرتے ہیں' بلکہ اسکے برعکس عورت کو گھر میں ٹھہرنے کا حکم اسلام نے اس لیے دیا ہے تا کہ اسکی حفاظت ہو اور اُسکی عزت وتکریم بھی ہو تا کہ وہ دوسروں کے ہاں ملازمت کر کے ذلیل ہونیکی بجائے، گھر کی مالکن بن کر رہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ عورتوں کا اجنبی مَردوں کے ساتھ مخلوط محفلوں میں شرکت نہ کرنا اُن کی عزت اور وقار کو بڑھاتا ہے اور ایسی عورت قابل تعریف ہوتی ہے' کیونکہ کتنے ہی مفاسد اور نقصانات ایسے ہیں جو کہ عورتوں کے مَردوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

اہل مغرب اس بات پر حیران ہیں اور انہیں یہ نہیں معلوم ہو رہا کہ کس طرح سے اپنے شہروں اور قوموں سے مَرد و زن کی مخلوط مجالس کے فتنے کو روکیں' اگرچہ انہیں اس بات کا پختہ یقین ہے کہ اِن مخلوط محفلوں کا انجام عورت کی ذلت و رسوائی' اخلاقِ رذیلہ کا پھیل جانا اور اخلاقیات وآداب کی موت ہے۔ چنانچہ مشہور رائٹر لیڈی کوک رسالہ ''ایلو'' میں لکھتی ہیں:

''جس قدر مخلوط محفلوں کا رواج ہوگا، حرامی بچوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔ عورت کے لیے اس سے بڑی آزمائش کیا ہوسکتی ہے کہ جو آدمی اس کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرتا ہے بچے کی پیدائش پر اُس کو اُس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور وہ بے چاری فقر و فاقہ اور تکالیف برداشت کرتی ہے، ذلت وحقارت اور ظلم وستم کے مراحل سے گزرنے کے بعد بالآخر موت کے دروازے تک جا پہنچتی ہے۔ جہاں تک فقر و فاقہ کا تعلق ہے تو چونکہ وہ حاملہ ہوتی ہے لہٰذا بچے کا بوجھ' سر درد اور گرمی وغیرہ اس کے کمانے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اور جہاں تک مشقت و تکلیف کا معاملہ ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ عورت معاشرے کی نگاہوں میں رذیل بن جاتی ہے اور اس تردّد میں مبتلا ہو جاتی ہے کہ اپنی ذات کے ساتھ کیا کرے۔ جہاں تک ذلت و رسوائی کی بات ہے تو اس سے زیادہ ذلت و رسوائی اور کیا ہوگی؟ لیکن جہاں تک موت کا تعلق ہے تو ایسی عورت خودکشی کے مشکل ترین راستے اختیار کرتی ہے۔ یہ اُس عورت کا حال ہے اور مَرد اِن تمام چیزوں سے لاتعلق رہتا ہے۔ اب ہمیں ان باتوں کی تحقیق کرنی چاہیے اور ایسا حل تلاش کرنا چاہیے جو اِن مصائب کو بالکل ختم نہ سہی کم از کم کر دے جن کی وجہ سے آج مغربی معاشرہ ذلت و رسوائی کی طرف جا رہا ہے۔ آج ہم ایسے راستے اختیار کریں جن کے ذریعے ہم ان ہزاروں معصوم بچوں کو قتل ہونے سے بچا سکیں جن کا کوئی گناہ نہیں ہے''۔

اے والدین! تم کو وہ چند روپے جو کہ تمہاری بیٹیاں کارخانوں اور مختلف اداروں میں کام کر کے کما کر لاتی ہیں کہیں تمہیں اس انجام کی طرف نہ لے جائیں جس کا میں نے ذکر کیا ہے! انہیں مَردوں سے دُور رہنے کی تعلیم دو' انہیں اُن پوشیدہ جالوں کے بارے میں باخبر رکھو جن کو اُن کے لیے بچھایا جاتا ہے۔

اعداد و شمار کی رپورٹیں یہ بات واضح طور پر بیان کر رہی ہیں کہ جس قدر مخلوط محافل کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اسی تیزی سے آزمائش و مصائب میں اضافہ ہو رہا ہے۔ آج ہمارا معاملہ اس قدر سنگین ہو چکا ہے کہ اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ افسوس اس بدنصیبی اور بدبختی پر!!

◉ مشہور رائٹر 'مس آنی رود' لکھتی ہیں:

''ہماری بیٹیاں اپنے گھر میں نوکروں کی طرح کام کریں' یہ ہمارے لیے زیادہ بہتر ہے اس سے کہ وہ باہر جا کر کارخانوں وغیرہ میں کام کریں، کیونکہ جب عورت باہر نکلتی ہے تو وہ آلودہ ہو جاتی ہے اور اس کی زندگی کی رونق ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جاتی ہے۔ کاش کہ ہمارے شہر بھی اسلام کے شہروں جیسے ہوتے جہاں شرم وحیا ہے' پاکیزگی ہے' عزت ہے......''

پچھلی بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ عورت کا اپنے گھر میں ٹھہرنا، اسے بہت بڑی آزمائشوں اور آفات سے بچا لیتا ہے اور شریعتِ اسلامیہ

کے عورت کو گھر پر ٹھہرنے کے حکم کی مصلحت عورت کا فائدہ اور راحت ہے۔ اسلام عورت کو اُن چیزوں کی طرف لے جانا چاہتا ہے جن کی وجہ سے عورت کی شان، مرتبہ، راحت اور خوش نصیبی میں اضافہ ہو۔

## ④ مال واولاد کی نگرانی

### ① خاوند کے گھر سے کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر نہ دے

عورت کے محاسن میں سے ہے کہ شوہر کے مال کو ضائع نہ کرے، چاہے وہ مال ذخیرہ کی شکل میں ہو، کھانے پینے کی چیزیں ہوں یا لباس ہو، بلکہ اس کی حفاظت کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گی تو شوہر کے مال میں کمی ازدواجی محبت میں بھی کمی کا باعث ہوگی۔ اس طرح ازدواجی زندگی کی رونق ختم ہو جائے گی اور نیاپن پرانا ہو جائے گا اور یہی کوتاہی نفرت کا سبب اور ضد کی وجہ بن جائے گی۔ اسی وجہ سے بیوی کا یہ فرض ہے کہ مال کو ضائع کرنے سے بچے اور اس مال کو نفع بخش بنانے اور بڑھانے کی طرف توجہ دے۔ چنانچہ اگر وہ شوہر کے مال میں سے کچھ مال فقیر کو یا کسی اور کو دے دے، چاہے وہ کتنا ہی تھوڑا کیوں نہ ہو، تو یہ شوہر کی اجازت سے ہو، یا کم از کم اس کے علم میں ہونا چاہیے۔

سنن ابی داؤد اور سنن الترمذی میں ایک حدیث ہے، جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔ حضرت ابواُمامہ الباہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«لَا تُنْفِقِ امْــرَاَةٌ شَيْئًا مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا اِلاَّ بِاِذْنِ زَوْجِهَا» قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا الطَّعَامُ؟ قَالَ :«ذَاكَ اَفْضَلُ اَمْوَالِنَا»[26]

''کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خرچ نہ کرے۔'' آپ ﷺ سے کہا گیا: کیا کھانا بھی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو ہمارا بہترین مال ہے۔''

اور اگر وہ عورت شوہر کی اجازت سے خرچ کرے گی تو دونوں اجر میں برابر ہوں گے، کیونکہ مرد نے کمایا اور اجر پایا، جبکہ عورت اس مال کا صدقہ کر کے اجر حاصل کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَــــرْاَةُ مِـــــنْ طَــعَامِ بَيْـــتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا اَجْرُهَا بِمَا اَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا اَجْرُهٗ بِمَا كَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ اَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا »[27]

''جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے کچھ اللہ کی راہ میں دیتی ہے تو جتنا وہ دیتی ہے اُسی قدر اُسکو اجر ملتا ہے بشرطیکہ یہ دینا بغیر کسی فساد کے ہو، اور اسکے شوہر کو بھی اجر ہوگا کیونکہ اس نے کمایا اور منتظم کے لیے بھی ایسا ہی اجر ہوگا، اور بعض کی وجہ سے بعض کا اجر کم نہ ہوگا۔''

عورت کو چاہیے کہ وہ شوہر کے مال کو اپنا مال سمجھے جب وہ شوہر کے مال کو اپنا مال سمجھے گی اور حقیقت بھی یہی ہے تو اس کو ضائع کرنے سے بچے گی۔ ہمارے ہاں عورتوں میں یہ عام عادت پائی جاتی ہے وہ یہ سمجھتی ہیں کہ شاید ان کے شوہروں کا مال ان کا اپنا مال نہیں ہے اس لیے وہ ضرورت سے زائد زیورات، کپڑے، گھریلو ساز وسامان بنانے کے لیے ہر وقت اپنے شوہر کی جیب سے کچھ نہ کچھ نکلوانے کے چکر میں ہوتی ہیں۔ اور فضول جگہوں پر شوہر کا مال خرچ کر کے یہ سمجھتی ہیں کہ انھوں نے بڑا معرکہ مار لیا ہے۔ ایک اچھی بیوی ہمیشہ شوہر کے مال کو اپنا مال ہی سمجھتی ہے اور فضول خرچی کی بجائے، کفایت شعاری کو اپنا شیوہ بناتی ہے۔

# حوالہ جات

(۱) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الأکفاء فی الدین:۵۰۹۰، صحیح مسلم کتاب الرضاع، باب استحباب ذات الدین:۳۶۳۵

(۲) اندلسی، عبد ربہ، العقد الفرید، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۳۸۵ھ-۱۹۶۵ء:۸۲/۶

(۳) غذاء الالباب شرح منظومة الأداب:۳۲۷/۲

(۴) النور:۳۰

(۵) النور:۳۱

(۶) صحیح بخاری، کتاب الإعتکاف، باب هل یدرأ المعتکف عن نفسه:۲۰۳۹، صحیح مسلم، کتاب السلام، باب بیان أنه یستحب لمن رئي خالیا بامرأة وکانت زوجته:۵۶۷۸

(۷) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الغیرة:۵۲۲۴، صحیح مسلم کتاب السلام، باب جواز إرداف المرأة الأجنبیةإذا أعیت فی الطریق:۵۶۹۲

(۸) سنن النسائی، احمد بن شعیب، سنن النسائی، دار السلام، *الریاض*،۱۹۹۹ء کتاب النکاح، باب أی النساء خیر:۳۲۳۱

(۹) الدارمی، عبد الله بن عبد الرحمن:سنن دارمی، شرکة الطباعة الفنیة المتحدة، ١٩٦٦ء، کتاب الرقاق، باب فی أکل السحت:۲۷۷۶، صحیح ا بن حبان، کتاب الصلاة، باب فضل الصلوات الخمس:۱۷۲۰

(۱۰) صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب خیر متاع الدنیا المرأةالصالحة:۱۴۶۷

(۱۱) مسند احمد، کتاب مسندالعشرةالمبشرین بالجنة:۱۶۶۴

(۱۲) صحیح بخاری، کتاب الزکاة، باب الزکاة علی الأقارب:۱۴۶۲

(۱۳) البقرة:۲۳۷

(۱۴) صحیح بخاری، کتاب الإیمان، باب کفران العشیروکفر دون کفر:۲۹

(۱۵) سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب حق الزوج علی المرأة:۱۸۵۳

(۱۶) مسند احمد، کتاب مسندالعشرةالمبشرین بالجنة:۱۶۶۴

(۱۷) سنن النسائی، کتاب النکاح، باب أي النساء خیر:۳۲۳۱

(۱۸) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب صوم المرأة زوجهاتطوعا:۵۱۹۲، صحیح مسلم، کتاب

الزكاة، باب ما أنفق العبدمن مال مولاه:١٠٢٦

(١٩) صحيح بخارى، كتاب النكاح، باب إذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها:١٥٩٣

(٢٠) الأحزاب:٣٣

(٢١) صحيح بخارى، كتاب الجمعة، باب هل على من لم يشهد الجمعةغسل من النساء والصبيان:٩٠٠، صحيح مسلم، باب خروج النساء إلى المساجدإذا لم يترتب عليه فتنة:٤٤٢

(٢٢) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة:٣٣٤

(٢٣) سنن الترمذى، كتاب الرضاع، باب ما جاء فى كراهية الدخول على المغيبات:١١٧٣، صحيح ابن حبان، كتاب الحضر والإباحة:٥٥٧٠

(٢٤) صحيح ابن حبان، كتاب الحضر والإباحة:٥٥٧٠

(٢٥) مستدرك حاكم، تفسير سورة النور:٣٩٦/٢

(٢٦) سنن ابى داؤد، كتاب البيوع، باب فى تضمن العور:٣٥٦٥

(٢٧) صحيح بخارى، كتاب الزكاة، باب من أمرخادمه بالصدقةولم يناول بنفسه:١٤٢٥، صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب أجر الخازن الأمين والمرأة إذا تصدقت من بيت:١٠٢٤

# فصل دوم

## بیوی کے خاوند پر حقوق

① بیوی کے طبعی حقوق

② بیوی کے اخلاقی وتمدنی حقوق

③ بیوی کے معاشی حقوق

④ بیوی کے تعلیمی حقوق

# بیوی کے خاوند پر حقوق

اس سے پہلے کہ ہم بیوی کے حقوق کا آغاز کریں، ہم یہ بات عورت اور اس کے اولیاء کے لیے بطورِ نصیحت ذکر کیے دیتے ہیں کہ انہیں اپنی بیٹی کے لیے اچھے اخلاق کے مالک، دین دار، مؤدب اور سمجھ دار شوہر کا انتخاب کرنا چاہیے۔ انہیں شہرت، مال کی محبت اور جمال کے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ ہمارے ہاں عورت سے رشتہ کرتے وقت سب سے زیادہ جس چیز کو اہمیت دی جاتی ہے وہ اس کا حسن ہے جبکہ مرد کا انتخاب کرتے وقت اصل معیار، اس کی ملازمت ہوتی ہے۔ عورت کے اُولیاء کو چاہیے کہ وہ اس معاملے میں جلدی اور عجلت پسندی سے کام نہ لیں اور لڑکے کی تلاش کرتے وقت اس کی دینداری اور حسن اخلاق کو ترجیح دیں۔

## ① بیوی کے طبعی حقوق

### ① بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق اور خوش طبعی کرنا

خوش طبعی سے عورتیں زندگی میں خوشگواری محسوس کرتی ہیں اور تر و تازہ رہتی ہیں۔ گھر کے کام کاج میں چستی ونشاط پیدا کرنے میں بھی خوش طبعی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ہمارے آقا رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں سے ہنسی مذاق فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ ان کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو فرماتے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دوڑ بھی لگاتے۔ ایک دفعہ وہ آپ ﷺ سے آگے بڑھ گئیں، اور کبھی آپ ﷺ بھی اُن سے آگے بڑھ جاتے۔ آپ ﷺ نے اسی پر ایک دن فرمایا:

«هٰذِهٖ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ»[1]

''یہ (جیتنا) تمہارے اُس جیتنے کے بدلے میں ہے۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا ،وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ خُلُقًا»[2]

''اہل ایمان میں کامل ترین ایمان والے وہ ہیں جن کے اخلاق بہترین ہیں، اور تم میں سے سب سے بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں اخلاق کے معاملے میں بہتر ہیں۔''

شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنے قیمتی اوقات میں سے بیوی بچوں کے لیے وقت نکالے۔ بیوی کے ساتھ خوش طبعی میں اچھی نیت رکھے اور اس کے ساتھ خوش طبعی میں اس حد تک نہ نکل جائے کہ اس کے اخلاق کو بگاڑ دے اور اسے جری بنا دے۔ ہر معاملے میں میانہ روی اختیار کرنا اچھی بات ہے۔ شوہر کے لیے لازم ہے کہ عورت کی موافقت ومخالفت میں حق بات کو ترک نہ کرے، کیونکہ زمین وآسمان اور ان میں موجود ہر شے کا قیام بھی عدل پر منحصر ہے۔

### ② عورت کی بدمزاجی اور برے اخلاق کو برداشت کرنا

شوہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیوی پر شفقت ورحم کرتے ہوئے اس کی غفلتوں سے چشم پوشی اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے بیوی کے

ساتھ حسن سلوک کو والدین کے ساتھ حسن سلوک سے تشبیہہ دی ہے۔ جیسا کہ والدین کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ ۳

''اور اُن دونوں سے دنیا کے معاملہ میں بھلائی کر۔''

اسی طرح بیویوں کے بارے میں حکم دیا:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ۴

''اوران کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔''

عورت کے غصے کو برداشت کرنا اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاقِ عالیہ میں سے ہے۔ آپ ﷺ اپنی بعض بیویوں کی طرف سے پہنچنے والی زبانی اذیت کو برداشت کرتے تھے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے:

''مَا رَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ اَرْحَمَ بِالْعِيَالِ مِنْ رَسُوْلِ الله ﷺ'' ۵

''میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ اپنے اہل وعیال کے لیے رحیم وشفیق کسی کو نہیں دیکھا۔''

اگر عورت میں کچھ بُرے اخلاق ہوں جن کو خاوند ناپسند کرتا ہو تو اُس میں ایسے بہت سارے اچھے اخلاق بھی لازماً ہوں گے جن کو مَرد پسند کرتا ہے۔ خاوند کو چاہیے کہ وہ اُن اچھے اخلاق کو دیکھے اور بیوی کی برائی کے بدلے میں اس سے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرے۔ اسی بارے میں آپ ﷺ کا قول ہے:

«لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ آخَرَ» ۶

''کوئی مؤمن مَرد (اپنی) مؤمن عورت سے بغض نہ رکھے۔ اگر وہ اس کی کسی عادت کو ناپسند کرتا ہے تو کسی دوسری عادت کو پسند بھی تو کرتا ہے۔''

## ۲ بیوی کے اخلاقی وتمدنی حقوق

### ۱ بیوی کے رازوں کو فاش نہ کرنا

یہ عورت کی عزت کی حفاظت کے لیے ضروری ہے اور اس کے ساتھ وفا کا تقاضا بھی ہے کہ شوہر' میاں بیوی کے مشترک معاملات کو نہ پھیلائے۔ اگر شوہر بیوی کی خفیہ باتوں کو افشا کرتا ہے تو یہ عہدِ زوجیت کے منافی ہوگا اور عورت کے ساتھ خیانت اور اسے تکلیف دینے کے مترادف ہوگا۔ اس طرح کی حرکات سے شوہر عورت کو اُس کے بلند مقام سے گرادینے کا مرتکب ہوگا۔ ایسا رویہ اس کی بے مروّتی 'بدمزاجی اور بداخلاقی کی دلیل ہوگا۔ بعد ازاں یہی وعدہ خلافی میاں بیوی کے درمیان اختلافات کی آگ بھڑکنے اور ضد وہٹ دھرمی (اور عدم اعتماد) میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔

شریعت میں بھی اس قبیح فعل کی حرمت اور اس کے فاعل کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے

«اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِيْ اِلَى امْرَاَتِهٖ وَتُفْضِيْ اِلَيْهِ ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا» ۷

''بے شک لوگوں میں بدترین آدمی اللہ کے ہاں قیامت کے دن وہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی سے خواہش پوری کرتا ہے اور اس کی بیوی اس سے خواہش پوری کرتی ہے' پھر وہ اپنی بیوی کے راز کو افشا کر دیتا ہے۔''

## ④ اس کے معاملے میں غیرت کھاتے ہوئے اعتدال کی روش اختیار کرنا

عورت کے معاملے میں مَرد کا غیرت مند ہونا، اس کی عظمت کی علامت ہے۔ خود دار اور باوقار لوگ ایسی صفات سے متصف ہوتے ہیں۔ مَرد کے دل میں غیرت کا جذبہ اس کی مَردانگی کی دلیل ہے۔ مَرد کی سب سے بڑی خامی اگر کوئی ہوسکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کے معاملے میں غیرت مند نہ ہو۔ اسی طرح مَرد کی سب سے اہم صفت جو کہ اس کی عزت وحمیت سے متعلق ہے' وہ عورت کے معاملے میں اس کا غیرت مند ہونا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھانا ہے۔

دین اسلام اس لیے آیا ہے کہ مکارمِ اخلاق کو مکمل کرے اور اخلاق کی تکمیل میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس ذمہ داری کو اچھی طرح سے نبھایا جائے' تاکہ عورت ہر اُس چیز سے بچ سکے جو اُسے شک میں ڈال سکتی ہے۔ اسلام نے اجنبی مَرد وعورت کے اختلاط کو اس لیے منع کیا ہے تاکہ عورت کو تہمت اور شکوک وشبہات کا نشانہ بننے سے بچایا جا سکے۔ اسی طرح عورت کا بغیر ضرورت کے گھر سے باہر نکلنا اور میک اپ وغیرہ کر کے خوشبو لگا کر چلنا بھی حرام ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے :

''تم حیا کیوں نہیں کرتے ؟ تم غیرت کیوں نہیں کھاتے ؟ کیا تم اپنی عورت کو اجازت دیتے ہو کہ وہ گھر سے باہر نکلے اور مَرد اُس کو دیکھیں اور وہ مَردوں کو دیکھے؟''

حافظ سمعانی نے ''الانساب'' میں موسیٰ بن اسحاق الخطمی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بہت فصیح اللسان' متقی' ثقہ اور کثیر السماع قاضی تھے۔ ابوعبداللہ بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ موسیٰ بن اسحاق کی مجلس میں حاضر ہوا جبکہ وہ ''رَے'' کے قاضی تھے۔ ایک عورت اُن کے سامنے پیش ہوئی جس کے ولی نے اس کے شوہر پر پانچ سو درہم حق مہر کا دعویٰ کیا۔ شوہر نے اس دعویٰ کا انکار کر دیا۔ قاضی نے گواہی مانگی۔ ولی نے کہا میں اُن گواہوں کو حاضر کر دیتا ہوں۔ قاضی نے ایک گواہ سے مطالبہ کیا کہ وہ اس عورت کو دیکھ کر بتائے کہ کیا یہ وہی عورت ہے جس کے بارے میں وہ گواہی دے رہا ہے۔ وہ گواہ کھڑا ہو گیا۔ عورت سے کہا گیا تو بھی کھڑی ہو جا۔ اُس وقت شوہر نے کہا تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ تو وکیل نے کہا یہ گواہ تمہاری بیوی کے چہرے کو دیکھے گا تاکہ وہ اس کو پہچان سکے۔ اِس پر شوہر نے اسی وقت کہا کہ میں قاضی کے سامنے اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اس عورت کا اتنا حق مہر میرے ذمہ ہے' تم اس کے چہرے کو نہ کھولو۔ عورت کو واپس بھیج دیا گیا اور جو اُس کے شوہر نے کہا تھا اس کی خبر اسے دی گئی تو اس نے کہا: ''میں گواہی دیتی ہوں کہ میں نے اس کو یہ حق مہر معاف کر دیا اور میں دنیا و آخرت میں اپنے اس حق سے دست بردار ہوتی ہوں''۔ تو قاضی نے کہا: ''یہ مکارمِ اخلاق میں سے ہے''۔ ان قاضی صاحب کی ولادت ۲۱۰ھ میں ہوئی اور انہوں نے اہواز میں ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔

ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ ایسی جگہ غیرت کا مظاہرہ کرے جہاں واقعتاً غیرت کی ضرورت ہو اور خواہ مخواہ ظن وتخمین سے کام نہ لے اور باطنی امور کو تجسس کے ذریعہ نہ کھولے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ کوئی مَرد رات کو اپنی بیوی کے پاس آئے اور اس پر خواہ مخواہ تہمت اور الزام لگائے۔ بعض مردوں کو تقوے کا ہیضہ ہو جاتا ہے اور ان کے نزدیک کل دین اپنی عورت کا پردہ بن جاتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں ان کو اس بات کی فکر لاحق ہوتی ہے کہ کوئی مرد ان کی بیوی کو پردے میں بھی نہ دیکھ سکے۔ اور اگر گھر میں کوئی فون سن لے تو قیامت برپا ہو جاتی ہے ۔ پردے کے احکامات اسلام میں ہیں لیکن ان میں اس درجے غلو کرنا بالکل بھی مناسب نہیں ہے ۔ میرے ایک دوست نے ایک دفعہ شکایت کی کہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی اہلیہ کو گھر کے دروازے پر جا کر دودھ

لینا پڑتا ہے جبکہ ان کے والد صاحب بھی گھر میں موجود ہوتے ہیں۔ ہمارے دوست یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح وہ اپنے والد صاحب کو مجبور کریں کہ وہ دودھ لیا کریں۔ میں نے اپنے ان دوست کو قرآن کی یہ آیت پیش کی:

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ﴾ [8]

''اور جب تم ان (یعنی ازواج مطہرات) سے سوال کرو کسی چیز کے بارے میں تو ان سے پردے کے پیچھے سے سوال کرو۔''

مذکورہ آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کے بارے میں بیان کیا کہ وہ صحابہؓ کو پردے کی اوٹ میں کوئی چیز دے سکتی ہیں اور ان سے ضرورت کے مطابق بات بھی کر سکتی ہیں۔ بہر حال کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام میں بے جا غیرت اچھی نہیں ہے کہ جس سے انسان اپنے گھر والوں کو مشقت اور تکلیف میں ڈال دے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مِنَ الْغَيْرَةِ مَا يُحِبُّ اللّٰهُ وَمِنْهَا مَا يُبْغِضُ اللّٰهُ ، فَاَمَّا الَّتِيْ يُحِبُّهَا اللّٰهُ فَالْغَيْرَةُ فِي الرِّيْبَةِ، وَاَمَّا الْغَيْرَةُ الَّتِيْ يُبْغِضُهَا اللّٰهُ فَالْغَيْرَةُ فِيْ غَيْرِ رِيْبَةٍ» [9]

''ایک غیرت ایسی ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور ایک غیرت ایسی ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ پس جس غیرت کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ شکوک وشبہات کی جگہ غیرت کھانا ہے اور جس غیرت کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ شکوک وشبہات کے علاوہ غیرت کھانا ہے۔''

## ④ عورت کے ساتھ حسن سلوک کرنا

اللہ تعالیٰ نے روزمرہ زندگی میں عورت کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [10]

''اور اُن کے ساتھ معروف طریقے سے (حسن سلوک کے ساتھ) زندگی گزارو۔''

حسنِ خُلق تمام صفاتِ کمال کو شامل ہے اور جو کوئی حسنِ اخلاق کو اختیار کر لیتا ہے وہ سعادت اور خوش بختی کو پا لیتا ہے اور سکون کی زندگی بسر کرتا ہے۔ حکماء کا قول ہے کہ بیوی کے ساتھ حسنِ خلق اور پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک گھروں کو آباد کرتے ہیں۔ مَرد کا عورت کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ عورت کے ساتھ زبان کے استعمال میں لغزش سے بچ سکے گا۔ بہت سے جملے ایسے ہوتے ہیں جو کہ بات بڑھانے کا سبب بنتے ہیں اور اکثر اوقات زبان، انسان کی آزمائش کا سبب بنتی ہے۔ اور بہت سارے سر، زبان کی وجہ سے تن سے جدا ہو جاتے ہیں۔ عورتوں کے حقوق کی تعظیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مَردوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ [11]

''اور وہ تم سے پختہ وعدہ لے چکی ہیں۔''

ہمارے ہاں مردوں کی یہ عادت ہے کہ وہ لڑائی جھگڑے کے وقت اپنی بیویوں کو گالیاں دیتے ہیں، فضول بکواس کرتے ہیں، ان پر الزام تراشی کرتے ہیں اور ان کو دوسروں کے سامنے ذلیل کرنے کے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے اور ظلم ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بعض مرد اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے پھر عدت ختم ہونے سے پہلے ان سے رجوع کر لیتے تھے تاکہ ان کو تنگ کر سکیں اور ان پر ظلم کر سکیں اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾ [12]

''اور تم اپنی بیویوں کو تنگ کرنے کے لیے نہ روکے رکھو تا کہ تم ان پر زیادتی کرو۔ پس جس نے ایسا کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی آخری وصیت میں تین باتوں کی تاکید فرمائی۔ اِن باتوں کی نصیحت کرتے ہوئے آپ ﷺ کی زبان لڑکھڑانے لگی اور آپ ﷺ کی آواز پست ہوگئی۔ آپ ﷺ کہہ رہے تھے:

«الصلاة!الصلاة!اتقو الله فيما ملكت أيمانكم »[13]

''نماز' نماز! اور جو تمہاری ملکیت میں ہیں (یعنی غلام اور بیویاں) اُن کے بارے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔''

مزید برآں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ، فَاِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَاِنَّ أَعْوَجَ شَيْ ءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ »[14]

''عورتوں کے بارے میں مجھ سے وصیت حاصل کرلو۔ بے شک عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھی اوپر والی پسلی ہوتی ہے۔ اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو اُس کو توڑ دو گے اور اگر اُس کو اُس کے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی' پس عورت کے بارے میں وصیت حاصل کرلو۔''

### ④ تعدّدِ ازواج کی صورت میں عدل سے کام لینا

جب کسی آدمی کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اُس کے ذمہ ہے کہ ان کے درمیان شریعت کے احکام کے مطابق عدل کرے۔ عجیب ترین بات یہ ہے کہ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ تعدّدِ ازواج اسلام میں بغیر کسی شرط و نظام کے جائز ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تعدّدِ ازواج مَردوں کے علاوہ عورتوں کے لیے بھی فائدہ مند ہے کیونکہ بعض اوقات جنگ کے حالات میں مَردوں کی تعداد بہت کم ہو جاتی ہے' عورتیں بوڑھی ہو جاتی ہیں اور انہیں اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے شوہر میسر نہیں آتا۔ اسی طرح بعض عورتیں بانجھ ہوتی ہیں' جبکہ شوہر کو اولاد کی خواہش ہوتی ہے' بعض عورتیں ہم بستری کے لائق نہیں ہوتیں یا اُن کو مختلف قسم کے پیچیدہ امراض ہوتے ہیں یا وہ جنسی افعال سے گھبراتی اور دور بھاگتی ہیں' جبکہ شوہر اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ ایسے حالات میں دوسری شادی مَرد کے علاوہ عورت کے لیے بھی آسودگی کا باعث ہوتی ہے۔

ہمارے معاشروں میں عموماً دوسری شادی کو عورتیں گناہ کبیرہ سمجھتی ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جو شوہر دوسری شادی کرتے ہیں وہ اپنی پہلی بیویوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان کے حقوق پورے نہیں کرتے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دوسری شادی کرنے میں اصل فائدہ عورتوں کا ہے۔ عام طور پر عورتیں اپنے شوہروں کے مظالم اس لیے سہنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کو معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کو ایک بار طلاق ہوگئی تو ساری عمر اپنے والدین کے سر پر بوجھ بن کر بیٹھا رہنا پڑے گا۔ اگر کسی معاشرے میں دوسری شادی کو رواج دے دیا جائے تو ایسی بہت ساری مطلقہ اور بیوہ عورتوں کی زندگی سنور سکتی ہے جو کہ اپنے سابقہ شوہروں کی وفات یا ان سے علیحدگی کے نتیجے میں تنگ دستی کی زندگی بسر کر رہی ہوتی ہیں۔ اسلام نے تعدّدِ ازواج کی اجازت دی ہے اور اس کے ساتھ کچھ شرائط بھی مقرر کی ہیں جن سب کا مرکز ومحور عدل ہے۔ ان شرائط کا مقصد عورت کو راحت پہنچانا یا اس سے تکلیف کو دور کرنا ہے۔

علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ جس شخص کو عورتوں کے درمیان تقسیم اور نشوز (عورت کا خاوند کی اطاعت نہ کرنا) کے احکامات معلوم نہ ہوں اس کے لیے تعدّدِ ازواج حرام ہے۔ اور جو کوئی ان احکامات کا علم حاصل کیے بغیر ایک سے زیادہ شادیاں کرتا ہے

دنیا میں بھی عتاب کا شکار رہتا ہے اور آخرت میں بھی ظالموں میں سے اٹھایا جائے گا۔

شوہر پر لازم ہے کہ اپنی عورتوں کے ساتھ کھانے پینے' کپڑوں' رہائش اور وقت کے معاملے میں احسان کی روش اختیار کرے۔ اُن سب کو ایک گھر میں اکٹھا کرنا ان کی رضامندی کے بغیر حرام ہے۔ اور جس کی باری ہو اُس کو چھوڑ کر بلاضرورت کسی دوسری بیوی کے پاس جانا بھی حرام ہے۔ جب کہیں سفر کے لیے نکلے تو اُنکے درمیان قرعہ اندازی کر لے اور ایک کو اپنے ساتھ لے لے۔ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ اگر ایک رات کسی عورت کی حق تلفی کی ہو تو اُس کی قضا ادا کرے' کیونکہ اس کی قضا اس پر واجب ہے۔

آپ ﷺ کا قولِ مبارک ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَاَتَانِ ، فَمَالَ اِلَى اِحْدَاهُمَا ، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ»[15]

''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف زیادہ جھک جائے تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا »[16]

''بے شک اللہ کے نزدیک انصاف کرنے والے قیامت کے دن رحمٰن کی دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے' اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جو کہ اپنے فیصلوں میں' اہل وعیال کے بارے میں اور جن کے وہ نگران بنائے گئے ہوں اُن کے معاملے میں عدل سے کام لیتے ہیں۔''

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

"لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَاشْتَدَّ بِهِ وَجْعُهُ اسْتَاْذَنَ اَزْوَاجَهُ فِيْ اَنْ يُمَرَّضَ فِيْ بَيْتِيْ فَاَذِنَّ لَهُ "[17]

''جب (آخری ایام میں) رسول اللہ ﷺ کا جسم بیماری کی وجہ سے بوجھل ہوگیا اور آپ ﷺ کی تکلیف شدت اختیار کرگئی تو آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے میرے گھر میں بیماری کے ایام گزارنے کی اجازت مانگی تو انہوں نے اجازت دے دی۔''

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾[18]

''پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ اُن کے درمیان عدل نہ کرسکو گے تو ایک (بیوی) ہی کافی ہے۔''

یہ آیت ان لوگوں کے ردّ کے لیے کافی ہے جو کہ مطلقاً تعدّدِ ازواج کو مباح سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ اگر تعدّدِ ازواج کی اجازت نہ ہوتی تو نہ جانے کتنی عورتیں ساری زندگی کے لیے گھر میں اکیلی بیٹھی رہتیں اور اُن کے شرعی نکاح کی نوبت نہ آتی۔ اس طرح اُن کی نسل کا سلسلہ بھی رک جاتا اور فتنہ وفساد کے ایسے دروازے ان کے لیے کھل جاتے جن میں معاشرے کا بگاڑ ہے۔ پس ایک ایسی اُمت جو کہ اپنی نسل کو بڑھانا چاہتی ہو اور اپنے مَردوں کی تعداد میں اضافہ چاہتی ہو' جو پاکیزگی وعفت کی علمبردار ہو اور رقص وسرود اور بے حیائی کے دروازوں کو بند کرنا چاہتی ہو' اس پر لازم ہے کہ تعدّدِ ازواج کی تائید کرے اور اس کے فوائد کو لوگوں میں عام بیان کرے۔ جن لوگوں نے تعدّدِ ازواج سے منع کیا، انہوں نے عورتوں کے لیے زنا وبدکاری کے دروازے کھول

دیئے، جس سے رقص و سرود اور بے حیائی کی محفلوں میں اضافہ ہوا، عورت اپنے آپ کو مطلق آزاد سمجھنے لگی، عورتوں میں آتشک اور سوزاک جیسے جنسی امراض پیدا ہونے لگیں۔ ان کی تعداد کم ہوگئی، بے حیائی عام ہوگئی اور ان کی آئندہ آنے والی نسلیں بیمار پیدا ہونے لگیں۔ ان تمام تر برائیوں سے خلاصی کی ایک ہی صورت ہے، اور وہ یہ کہ تعدّدِ ازواج سے متعلق اسلام کی منشا کی طرف رجوع کیا جائے۔

## ③ بیوی کے معاشی حقوق

عورتوں کے اپنے شوہروں پر درج ذیل حقوق ہیں:

### ① حق مہر کی ادائیگی

عورت کا اُس کے شوہر پر پہلا حق یہ ہے کہ وہ اُس کا مہر پورا پورا ادا کرے۔ امام طبرانی رحمہ اللہ نے "المعجم الصغیر" اور "المعجم الأوسط" میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَاَةً عَلٰى مَا قَلَّ مِنَ الْمَهْرِ اَوْ كَثُرَ ، لَيْسَ فِيْ نَفْسِهٖ اَنْ يُّؤَدِّيَ اِلَـيْهَا حَقَّهَا لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ زَانٍ »[19]

''جس شخص نے بھی کسی عورت سے شادی کی اور اس کے لیے تھوڑا یا زیادہ مہر مقرر کیا، لیکن اس کے جی میں اُس کا حق مہر ادا کرنے کا ارادہ نہ تھا تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ زانی ہوگا۔''

مزید برآں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے

«مِنْ اَعْظَمِ الذُّنُوْبِ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَاَةً ، فَلَمَّا قَضٰى حَاجَتَـهٗ مِنْهَا طَلَّقَهَا وَذَهَبَ بِمَهْرِهَا» [20]

''اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بات عظیم ترین گناہوں میں شمار ہوتی ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے، پھر جب اپنی خواہش پوری کرلے تو اُس کو طلاق دے دے اور اس کا حق مہر لے اُڑے۔''

ہاں اگر عورت اپنی آزاد مرضی سے شادی کے بعد حق مہر معاف کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ہمارے ہاں ہوتا یہ ہے کہ عورت کو یقین ہوتا ہے کہ ملنا تو ہے ہی نہیں، اب معاف ہی کر دیں تو کم از کم خاوند پر احسان ہی ہو جائے گا۔ خاوند کی طرف سے ایسا طرزِ عمل رکھنا جائز نہیں ہے۔ شریعت نے حق مہر کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے یہ زیادہ بھی ہوسکتا ہے اور تھوڑا بھی، بہتر ہے کہ اتنا ہی مقرر کیا جائے جتنا شوہر آسانی سے ادا کر سکے۔

### ② عورت پر معروف (رواج) کے مطابق خرچ کرنا

شوہر کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ احسان وحسن سلوک کرے۔ اس کو خرچہ دے، اس کی ضروریات کا خیال رکھے، اس کے کپڑوں کا دھیان کرے، اس کے ساتھ خوش دلی سے معاملہ کرے اور بات میں نرمی اختیار کرے۔ کیونکہ ان باتوں کے بارے میں شوہر سے سوال ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

«اِنَّ اللهَ سَائِلٌ كُلَّ رَاعٍ عَمَّا اسْتَرْعَاهُ اَحَفِظَ اَمْ ضَيَّعَ ؟ حَتّٰى يُسْاَلَ الرَّجُلُ عَنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ »[21]

''بے شک اللہ تعالیٰ ہر نگہبان (ذمہ دار) سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھنے والا ہے کہ کیا اس نے اپنی ذمہ داری پوری طرح سے ادا کی یا اسے ضائع کر دیا؟ یہاں تک کہ آدمی سے اس کے گھر والوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

مزید برآں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«كَفٰى بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَّقُوْتُ» ۲۲

''کسی آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ جس کا ذمہ دار ہے اس کو ضائع کر دے۔''

اور شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی پر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لے اور نہ ہی اسراف کرے' بلکہ میانہ روی اختیار کرے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ج اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ ۲۳

''اور کھاؤ' پیو' لیکن فضول خرچی سے کام نہ لو' بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کے بارے میں وصیت کی ہے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی ترغیب دی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ۲۴

''اور اُن کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی گزارو۔''

پس شوہر کیلئے لازم ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی گزارے اور نان ونفقہ دینے میں اسکے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرے۔ سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ کی حدیث ہے' جسے امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے' کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

«أ لا وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا' فَاِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ» ۲۵

''خبردار! عورتوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت قبول کرو' بے شک وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں۔''

یہاں تک کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«ألا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ اَنْ تُحْسِنُوْا إِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ» ۲۶

''سنو! تمہاری عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کے ساتھ کھانے اور پہننے کے ضمن میں احسان کا معاملہ کرو۔''

اسی طرح حضرت حکیم بن معاویہ القُشیری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوْهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ اَوِ اكْتَسَبْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ» ۲۷

''یہ کہ تُو اس کو کھلائے جو تو خود کھائے اور اس کو پہنائے جو تو خود پہنے' اور اس کے چہرے پر نہ مار اور نہ اسے برا بھلا کہہ۔''

اگر مرد عورت پر خرچ کرنے میں بخل سے کام لے تو عورت اپنی اور اولاد کی ضرورت کے مطابق اس کے مال سے بغیر اجازت لے سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا قول ابوسفیان کی بیوی ہندہ کے لیے تھا کہ:

«خُذِيْ مَا يَكْفِيْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ» ۲۸

''تو معروف طریقے سے اتنا مال اپنے خاوند کے مال سے لے لے جو تجھے اور تیرے بچوں کو کفایت کر جائے۔''

بیوی کے ساتھ احسان میں یہ بھی شامل ہے کہ بیوی کو چھوڑ کر شوہر، دعوتیں نہ اڑاتا پھرے، بلکہ بیوی کو بھی اپنے ساتھ عمدہ و لذیذ کھانوں میں شریک کرے۔

اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے میں برکت ہے۔رسول اللہ ﷺ کا بھی فرمان ہے:

«فَاجْتَمِعُوْا عَلٰى طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيْهِ»۲۹

''اپنے کھانے پر اکٹھے ہو جایا کرو' تمہارے لیے اس میں برکت ڈال دی جائے گی۔''

اور یہ بات بھی آداب میں داخل ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو بقیہ کھانا صدقہ کرنے کا حکم دے' اور ایسا کھانا کہ جو اگر چھوڑ دیا جائے تو خراب ہونے کا اندیشہ ہو' اُس کو بھی صدقہ کرے۔ مزید یہ کہ روٹی کے ٹکڑوں کو اکٹھا کرے' انگلیوں اور برتن کو چاٹ کر صاف کرے اور پلیٹ میں کھانا باقی نہ چھوڑے۔اور مرد کو اس بات کی امید رکھنی چاہیے کہ اسے اجر ملے گا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا أَنْفَقَ عَلٰى أَهْلِهِ نَفَقَةً وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَـهُ صَدَقَةٌ» ۳۰

''جب مسلمان اپنے اہل وعیال پر کچھ خرچ کرے اور ثواب کی امید رکھے تو یہ اُس کے لیے صدقہ ہوگا۔''

اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«دِيْنَارٌ أَنْفَقْتَـهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدِيْنَارٌ أَنْفَقْتَـهُ فِيْ رَقَبَةٍ وَدِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰى مِسْكِيْنٍ وَدِيْنَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلٰى أَهْلِكَ أَعْظَمُهَا اَجْرًا الَّذِيْ اَنْفَقْتَـهُ عَلٰى أَهْلِكَ» ۳۱

''ایک دینار وہ ہے جو تم اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہو' اور ایک دینار وہ ہے جو تم کسی غلام کو آزاد کرانے کے لیے خرچ کرتے ہو' اور ایک دینار وہ ہے جو تم کسی مسکین پر خرچ کرتے ہو اور ایک دینار وہ ہے جو تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے ہو۔ان میں سب سے زیادہ اجر اُس دینار کا ہے جو تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے ہو۔''

اور جو کوئی اللہ کی رضا کے لیے اپنی بیوی اور گھر کے افراد پر خرچ کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کو ایسا لباس خرید کر نہ دے جو کہ قومی اقدار کا آئینہ دار اور سنجیدہ لباس نہ ہو' اور اپنی بیوی کو مغربی طرز کے مختصر' باریک' چمکدار اور بھڑکیلے لباس سے منع کرے' کیونکہ ایسے لباس کا خریدنا آخرت میں عذاب کا باعث ہے اور دنیا میں اپنے وطن سے غداری کے مترادف ہے۔

## ④ بیوی پر حلال طریقے سے خرچ کرنا

شوہر کو جن باتوں کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے اُن میں یہ بھی ہے کہ وہ اپنی اہلیہ اور گھر کے باقی افراد پر حلال اور پاکیزہ طریقے سے رزق کما کر خرچ کرے۔اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے بیوی بچوں کے لیے وہ گناہ اور بدنامی کے دروازے کھولے۔اگر وہ ایسا کرے گا تو اپنے اوپر بھی اور ان کے اوپر بھی ظلم کرے گا۔حرام کمائی' دنیا میں شرمندگی اور آخرت کی تباہی ہے۔اگر کوئی شخص اپنے بیوی بچوں کو حرام کھلاتا ہے تو عموماً اس کی اولاد اس کی نافرمان ہی نکلتی ہے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ اَلنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ »۳۲

''وہ جسم جنت میں ہرگز داخل نہ ہوگا جو کہ حرام سے پروان چڑھا۔اس کے لیے آگ زیادہ بہتر ہے۔''

اور قرآن مجید میں ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ

اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾ ۳۳؎

''اے اہل ایمان! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آ گ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے' اس آ گ پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو کہ سخت اور تندخو ہیں' وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اس کام میں جس کا وہ ان کو حکم دے' اور جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے اسے وہ بجالاتے ہیں۔''

اور صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ » ۳۴؎

''خبردار! تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

صحیح بخاری میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِیْ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ » ۳۵؎

''اور آدمی اپنے اہل وعیال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اپنی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

## ④ بیوی کے تعلیمی حقوق

### ① بیوی کی دینی تعلیم کا مناسب انتظام کرنا

عورت کی تعلیم مَرد کے ذمہ ہے اور یہ عورت کا حق ہے۔ اہل علم نے کہا ہے کہ آدمی کو اپنی بیوی کی ضروری تعلیم کے لیے کوشاں رہنا چاہیے، عورت پر علماء سے سوال کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلنا ممنوع ہے۔ اسی طرح اگر مَرد علماء سے سوال پوچھنے میں عورت کی نیابت کرے اور خود علماء سے رابطہ کر کے بیوی کو مسائل سے آگاہ کر دے تو پھر بھی عورت کے لیے گھر سے نکلنا ممنوع ہے۔ اگر ایسا معاملہ نہ ہو تو پھر عورت دین کے بارے میں سوال کرنے کے لیے گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور مَرد اگر اس کو منع کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔ اور جب عورت شریعت کے بعض احکامات میں کوتاہی کرتی ہے اور مَرد اس کے لیے مناسب تعلیم کا بندوبست نہیں کرتا تو وہ گناہ گار ہوگا' کیونکہ احکامِ دینیہ' جن کا تعلق عقائد، عبادات اور معاملات سے ہے' ان کا سیکھنا ہر بالغ مَرد وعورت پر فرض ہے۔

شوہر کے لیے ضروری ہے کہ اپنی بیوی کی دینی تعلیم کے معاملے میں بھی ایسی ہی حرص کا مظاہرہ کرے جیسا کہ اس کے کھانے اور کپڑوں کے معاملہ میں مَرد حضرات حساس ہوتے ہیں' کیونکہ ایسی ضرورت جس سے عورت کی آخرت سنور جائے' اس ضرورت سے کئی گنا بہتر ہے جس سے اس کا صرف پیٹ بھرا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا﴾ ۳۶؎

''اے اہل ایمان! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔''

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر بیوی کی تعلیم کا ذمہ دار ہے۔ شوہر اپنی بیوی کو صحیح عقائد کی تعلیم دے اور ہر اُس بدعت کو جو کہ اس کے دل میں اتر گئی ہو زائل کرے۔ اس کو وضو' طہارت' غسل' حیض' نفاس' استحاضہ' نماز اور روزہ کے متعلق احکامات کی تعلیم دے۔ علم کے بغیر عبادت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ پانی کے اوپر لکھنا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس قول: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا﴾ کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

"اَدِّبُوْهُمْ وَعَلِّمُوْهُمْ"؎۳۷

''اُن کو ادب سکھاؤ اور اُن کو تعلیم دو۔''

اور اچھی بات تو یہ ہے کہ عورت کی دینی تعلیم میں اخلاقیات اور تاریخ کا بھی مطالعہ ہونا چاہیے۔ خاص طور پر سیرت النبیﷺ اور اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے حالاتِ زندگی کا' تاکہ وہ اپنی ذات کا تزکیہ کر سکے' اس کی عقل میں وسعت پیدا ہو' اس کے اندر فضائل کی محبت اور مکارمِ اخلاق رچ بس جائیں' وہ اپنے خاوند کے ساتھ خوش ہو اور اُس کا خاوند اُس کے ساتھ خوش ہو اور اپنی زندگی کو خوشی خوشی گزارے۔

جہاں تک لکھنے پڑھنے' بعض ضروری علوم اور گھر کے کام کاج کی تعلیم کی بات ہے تو یہ عورت کی ابتدائی تربیت میں شامل ہونا چاہیے' تاکہ بعد میں عورت کو اس بنیادی تعلیم کے حصول پر ابھارنے اور شوق دلانے کی ضرورت نہ رہے۔

میاں بیوی کو چاہیے کہ وہ احادیث کی کتب میں موجود 'کتاب النکاح' کا مطالعہ ضرور کریں کیونکہ اس میں عموماً خاندانی نظام اور اس کی تدبیر و تنظیم سے متعلقہ احادیث بیان کی جاتی ہیں۔

⦿..........⦿..........⦿

# حوالہ جات

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی السبق علی الرجل:۲۵۷۸

(۲) سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأة علی زوجها:۱۱۶۲

(۳) لقمان:۱۵

(۴) النساء:۱۹

(۵) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمة الصبیان والعیال وتواضعه وفضل ذلك: ۳۳۱۶، مسند احمد، مسند انس بن مالك:۱۱۶۹۲

(۶) صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیة بالنساء:۱۴۶۹

(۷) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم إفشاء سر المرأة:۱۴۳۷

(۸) الاحزاب:۵۳

(۹) سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الخیلاء فی الحرب:۲۶۵۹، سنن النسائی، کتاب الزکاة، باب الاختیال فی الصدقة:۲۵۵۸

(۱۰) النساء:۱۹

(۱۱) النساء:۲۱

(۱۲) البقرة:۲۳۱

(۱۳) سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی حق المملوك:۱۵۵۶

(۱۴) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الوصاة بالنساء:۵۱۸۶، صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیة بالنساء:۱۴۶۸

(۱۵) سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء:۲۱۳۳

(۱۶) صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب فضیلة الإمام العادل وعقوبةالجائر والحث علی الرفق:۱۸۲۷، سنن نسائی، کتاب آداب القضاة، باب فضل الحاکم العادل فی حکمه:۵۳۷۹

(۱۷) صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ماجاء فی بیوت أزواج النبی وما نسب من البیوت:۳۰۹۹، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض وسفر:۴۱۸

(۱۸) النساء:۳

(۱۹) المنذری ،عبد العظیم بن عبد القوی ،الترغیب والترہیب،دار الفکر ،بیروت ،۱۴۰۱ھ-۱۹۸۱ء:۲/۲:۶۰۲

(۲۰) المستدرك حاكم:۲/۱۸۲

(۲۱) سنن الترمذی ، کتاب الجهاد عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی الإمام:۱۷۰۵

(۲۲) سنن ابوداؤد:کتاب الزکوٰة، باب فی صلة الرحم:۱۶۹۲

(۲۳) الاعراف:۳۱

(۲۴) النساء:۱۹

(۲۵) سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأة علی زوجها:۱۱۶۳، سنن ابن ماجه، کتاب النكاح، باب حق المرأة علی الزوج:۱۸۵۱

(۲۶) سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأة علی زوجها:۱۱۶۳

(۲۷) سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی حق المرأة علی زوجها:۱۲۴۲

(۲۸) صحیح بخاری، کتاب الأحکام، باب القضاء علی الغائب:۱۷۸۰

(۲۹) سنن ابی داؤد، کتاب الأطعمة، باب فی الإجتماع علی الطعام:۳۷۶۴، سنن ابن ماجه، کتاب الأطعمة، باب الإجتماع علی الطعام:۳۲۸۶

(۳۰) صحیح بخاری، کتاب النفقة، باب فضل النفقة علی الأهل: ۵۳۵۱، صحیح مسلم، کتاب الزکوٰة، باب فضل النفقة والصدقة علی الأقربین والزوج والأولاد :۱۰۰۲

(۳۱) صحیح مسلم، کتاب الزکوٰة، باب فضل النفقة علی العیال والمملوك وإثم من ضیعهم أو :۹۹۵

(۳۲) سنن دارمی، کتاب الرقاق، باب فی أکل السحت:۲۷۷۶

(۳۳) التحریم:۶

(۳۴) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب المرأة راعیة فی بیت زوجها:۵۲۰۰، صحیح مسلم، کتاب الإمارة ، باب فضیلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث علی الرفق:۱۸۲۹

(۳۵) صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب تأویل قول الله تعالی من بعد وصیة یوصي بها أو دین:۲۷۵۱

(۳۶) التحریم:۶

(۳۷) أدب المجالسة:۱/۱۰۶

# فصل سوم

## اسلامی حقوق زوجین کا غیر اسلامی حقوق زوجین سے تقابل

# اسلامی حقوق زوجین کا، غیر اسلامی حقوق زوجین سے تقابل

یہ بات واضح ہے کہ کسی چیز کی پہچان اوراندازہ اس وقت ہوتا ہے۔جب اسکی نظیریں اورمثالیں اسکی مخالف طرف سے پیش کی جائیں جس طرح عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ "تعرف الأشياء بإضدادها"یاولغيرها تعرف الأشياء "[1]

کہ چیزوں کی پہچان ان کی ضد سے ہوا کرتی ہے۔اسی اصول کے پیش نظر ہم نے پہلے اسلامی حقوق زوجین پیش کیے اورفصل ہذا میں غیر اسلامی حقوق الزوجین کوپیش کر کے ان کا اسلامی حقوق زوجین سے تقابل پیش کریں گے تا کہ یہ بات کسی سے پنہاں نہ رہے کہ اسلام کے اصول وضوابط کے اساسی احکام میں غائت درجہ کا اعتدال اورتوازن پایا جاتا ہے۔ایک طرف اخلاق کا ایک بلندترین نصب العین پیش نظر رکھتا ہے ۔دوسری طرف انسانی فطرت کی کمزوریوں کوبھی نظرانداز نہیں کرتا۔ایک طرف وہ تمدنی اوراجتماعی مصالح کی رعایت ملحوظ رکھتا ہے تو دوسری طرف افراد کے حقوق بھی پامال نہیں ہونے دیتا۔حتی کہ ایسے امکانات کوبھی نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتا جن کا کسی وقت عالم واقع میں آنا متوقع ہے۔الغرض اسلام کے تمام قوانین اورضوابط ایسے معتدل ہیں جن میں سے کوئی قاعدہ اورکوئی حکم افراط وتفریط کی جانب مائل نہیں ہے۔قانون سازی میں جتنے مختلف پہلوؤں کالحاظ رکھنا ضروری ہے۔ان سب کا اسلام میں نظری حیثیت ہی سے نہیں بلکہ عملا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے۔اوران کے درمیان ایسا صحیح توازن قائم کیا گیا ہے۔کہ کہیں کسی ایک طرف نامناسب میلان اورکسی دوسرے پہلو سے غیرمنصفانہ اغراض نظرنہیں آتا۔یہی وجہ ہے آج چودہ سوبرس سے اسلام کے قانون اورضابطے مختلف زمانوں میں اورمختلف تمدنی حالات میں اورمختلف علمی مراتب اورمزاجی کیفیات رکھنے والی قوموں میں رائج رہے ہیں۔اورانہیں کسی شخص یااجتماعی تجربے نے غلط یا قابل ترمیم نہیں پایا یہی نہیں بلکہ انسانی فکر، باوجودسعی بلیغ کے ،اس کی کسی چیز کاایسابدل تجویز کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی جواعتدال وتوازن اورتناسب میں اس کے لگ بھگ پہنچتا ہو۔

یہ کیفیت جواسلامی اصولوں اورقوانین میں پائی جاتی ہے ۔صرف اورصرف اسی حکمت وبصیرت کا ہی نتیجہ ہوسکتی ہے۔انسان کبھی اس پرقادرنہیں ہوسکتا کہ کسی مسئلے کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرے۔حال ومستقبل پر یکساں نظر رکھے ۔مابالفعل اورمابالقوۃ پرایک ساتھ نگاہ ڈالے،خوداپنی اوراپنے تمام ابنائے نوع کی فطرت کے چھپے اورظاہر خصائص کا پورا پورا لحاظ کرے اپنے ماحول کے اثرات سے بالکل آزاد ہوجائے اوراپنے جذبات اورطبعی رجحانات اورعلمی وعقلی کوتاہیوں سے پاک ہوکر کوئی ایسا قائدہ وضع کرسکے جو ہر حال، ہر زمانے اور ہرضرورت پرٹھیک ٹھیک عدل ومناسبت کے ساتھ منطبق ہوسکتا ہو۔یہی وجہ ہے کہ جتنے اصول وضوابط اورقوانین انسانی فکر پرمبنی ہوتے ہیں۔ان میں صحیح توازن نہیں ہوتا لیکن نظریات میں بےاعتدالی ہوتی ہے۔کہیں انسانی فطرت کے مختلف پہلوؤں کی رعائت میں کوتاہی کی جاتی ہے کہیں اشخاص کے حقوق اور واجبات متعین کرنے میں عدل نہیں ہوتا، کہیں فرد اور جماعت کے درمیان حقوق اور حدود کی تقسیم میں بے انصافی ہوتی ہے۔گویا غیر اسلامی حقوق زوجین جوانسانی فکروذہن کی کاوش اورتخلیق ہیں یہ انسانی تخلیق ہونے کی بناء پراپنے اندر بہت سی خامیوں اورنقائص کا احاطہ کیے ہوئے ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ انسان یاتو ہمیشہ ان میں ترمیم کرنے کے درپے رہتا ہے یاان کامتبع رہ کرعملاً ان کی پابندی سے آزاد ہونے کی خواہش کرتا ہے۔اوراسلام اپنے قواعدوضوابط اورقوانین کا فطری،فکری،عقلی،ذہنی اور

طبعی تمام حیثیتوں سے احاطہ کیے ہوئے ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی اصول وقوانین اور قواعد وضوابط کو دنیا کے ہر کونے میں خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔اس فصل میں غیر اسلامی حقوق زوجین کا اسلامی حقوق سے تقابل پیش کیا جاتا ہے۔

## بیوی کے حقوق

| | |
|---|---|
| ① حسن سلوک | ② عزت واحترام |
| ③ حق وراثت | ④ حیات زندگی کا حق |
| ⑤ شہادت | ⑥ حصول اولاد |
| ⑦ تعدد ازواج کی صورت میں عدل وانصاف | ⑧ شوہر کی وفات کے بعد دوسری شادی کا حق |

## ① حسن سلوک

### اہل یونان کے ہاں

یونان علم وتمدن کی دنیا میں امامت کے فرائض ادا کر چکا ہے۔بیشتر علمی، سیاسی، معاشرتی اور فلسفیانہ نظریات کی نسبت یونان کی طرف کی جاتی ہے۔اس لیے اہل یونان کے اپنی بیویوں اور عورتوں کے ساتھ رویے کو پیش کیا جاتا ہے۔

''عورت کی زندگی کا مقصد صرف یہی سمجھا جاتا تھا کہ وہ مرد کی غلامی اور خدمت کرے۔یونانی عموماً عورتوں کو ایک درجہ کم مخلوق سمجھتے تھے، جن کا مصرف صرف خانہ داری اور ترقی نسل تھا۔''[2]

### اہل روم کے ہاں

''روم میں مرد کی حکومت اپنی بیوی پر جابرانہ تھی عورت ایک لونڈی کی حیثیت رکھتی تھی جس کا معاشرت میں کوئی حصہ نہ تھا۔اس کو کسی قسم کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔''[3]

### اہل ایران کے نزدیک

''ایران کی اخلاقی حالت نہایت شرم ناک تھی۔باپ کا بیٹی کو، بھائی کا بہن کو، اپنی زوجیت میں لینا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔''[4]

### اہل مصر کے ہاں

مصر میں بھی فارس کی عورت کی طرح کوئی قدر وقیمت نہ تھی۔اسے حقیر جان کر انسانیت کے تمام حقوق سے محروم کیا گیا۔

فدا حسین ملک کے بقول:

"In egypt and eurpean countries women were treated worse than slaves:

مصر اور یورپی ممالک میں جو سلوک عورتوں سے کیا جاتا تھا وہ غلاموں سے بدتر تھا۔[5]

### یہود کے ہاں

یہودی اپنی بیوی کو (ناپاک سمجھتے ہوئے) ایام ماہواری میں اپنے آپ سے جدا کر دیتے۔

## عیسائی مذہب

ترتولیاں (جو مسیحیت کے اولین آئمہ میں سے ہے) نے عورتوں کے متعلق کہا:

''وہ شیطان کے آنے کا دروازہ اور شجر ممنوعہ کیطرف لے جانے والی اور خدا کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر مرد کو غارت کرنے والی ہے۔''[6]

## بدھ دھرم کے ہاں

''بدھ دھرم، عورت کو گندہ اور غلیظ جانور کہہ کر اپنے پیروؤں کو ان سے علیحدگی کا حکم دیتا ہے۔ اور اسے طرح طرح کے الزام دے کر اس بے گناہ مخلوق سے نفرت دلاتا ہے۔[7]

## زمانہ جاہلیت میں بیوی سے سلوک

عورت بیوی کی حیثیت میں سب سے زیادہ مظلوم تھی معاشرے میں ان کی حیثیت گھر کے مال واسباب کی سی تھی۔[8]

وہ عورت سے لونڈیوں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے۔ شوہر آقا کی حیثیت رکھتا تھا۔[9]

◉ مولانا معین الدین ندوی لکھتے ہیں:

''زمانہ جاہلیت میں قمار بازی میں لوگ اپنی بیویوں تک کی بازی لگا دیتے تھے۔''[10]

اور جاہلیت میں عورتیں رہن میں بھی رکھی جاتی تھیں۔[11]

## اسلام کی نظر میں خاوند کا اپنی بیوی سے حسن سلوک

دین اسلام کے امتیازی خصائص میں سے یہ بات ہے کہ یہ ہر معاملے میں اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اور ہر ایک کو اس کا حق دیتا ہے۔ ادیان باطلہ کی طرح کسی کے حقوق کو سلب نہیں کرتا۔ اللہ تعالی نے روزمرہ زندگی میں عورت سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾[12]

''اوران کے ساتھ معروف طریقے سے (حسن سلوک سے) زندگی گزارو۔''

حسن خلق تمام صفات کمال کو شامل ہے اور جو کوئی، حسن اخلاق کو اختیار کر لیتا ہے۔ وہ سعادت اور خوش بختی کو پا لیتا ہے۔ اور سکون کی زندگی بسر کرتا ہے حکماء کا قول ہے کہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن خلق گھر کو آباد کرتا ہے۔ مرد اور خاوند کا اپنی بیوی سے حسن خلق کا فائدہ یہ ہے کہ وہ عورت کے ساتھ زبان کے استعمال میں لغزش سے بچ سکے گا۔ بہت سے جملے ایسے ہوتے ہیں جو بات کے بڑھانے کا سبب بنتے ہیں اور اکثر اوقات زبان، انسانی آزمائش کا سبب بنتی ہے۔ اور بہت سارے سر صرف زبان کی وجہ سے تن سے جدا ہو جاتے ہیں عورتوں کے حقوق کی تعظیم کے بارے میں اللہ تعالی نے مردوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

﴿وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا﴾[13]

''اور وہ تم سے پختہ وعدہ لے چکی ہے۔''

ہمارے ہاں مردوں کی یہ عادت ہے کہ وہ لڑائی جھگڑے کے وقت اپنی بیویوں کو گالیاں دیتے ہیں۔فضول بکواس کرتے ہیں ان پر الزام تراشی کرتے ہیں۔اور ان کو دوسروں کے سامنے ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔یہ یادرہے کہ یہ بہت بڑا گناہ اور ظلم ہے۔اسلام ان میں سے کسی کام کی بھی اجازت نہیں دیتا۔زمانہ جاہلیت میں بعض مرد اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے اور پھر عدت ختم ہونے سے قبل ان سے رجوع کر لیتے تھے۔تاکہ ان کو تنگ کرسکیں اور ان پر ظلم کرسکیں اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾ [۱۴]

''اور تم اپنی بیویوں کو تنگ کرنے کے لیے نہ روکے رکھو تاکہ تم ان پر زیادتی کرو پس جس نے ایسا کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی آخری وصیت میں تین باتوں کی تاکید فرمائی۔ان باتوں کی نصیحت کرتے ہوئے آپ ﷺ کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔اور آپ ﷺ کی آواز پست ہوگئی۔اور آپ ﷺ فرمارہے تھے۔

"الصلاۃ الصلاۃ!اتقوا اللہ فیماملکت ایمانکم" [۱۵]

''نماز نماز اور جو تمہاری ملکیت میں ہیں (یعنی غلام اور بیویاں) ان کے بارے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔''

مزید برآں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"استوصوا بالنساء فإن المرأة خلقت من ضلع وان أعوج شيء في الضلع أعلاه فان ذهبت تقيمه كسرته وان تركته لم ينزل اعوج فاستوصوا بالنساء" [۱۶]

''عورتوں کے بارے میں مجھ سے وصیت حاصل کرلو بے شک عورتوں کو پسلی پیدا کیا گیا ہے۔اور پسلی میں سے ٹیڑھی اوپر والی پسلی ہوتی ہے۔اگر تم سیدھا کرنا چاہو گے۔تو اس کو توڑ دو گے۔اور اگر اس کو اس حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی پس عورتوں کے بارے میں وصیت حاصل کرلو۔''

## ② عزت واحترام

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ عورت اور بیوی کے دل ودماغ میں اپنے شوہر کی محبت وعقیدت اس وقت ہی راسخ ہوتی ہے جب اس کا شوہر اس سے عزت واحترام اور حسن اخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے۔گویا مذکورہ تسلیم شدہ اصول کا غیر اسلامی مذاہب وادیان میں فقدان پایا جاتا ہے۔جس کی نظیریں پیش کی جاتی ہیں۔

## یونانیوں کے ہاں

یونان عورتوں کے بارے میں بہت برا عقیدہ رکھتے ہیں۔اور اسے کسی قسم کے احترام کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔گویا ان کا عقیدہ تھا:

''آگ سے جل جانے اور سانپ کے ڈسنے کا علاج تو ممکن ہے لیکن عورت کے شر کا مداوا محال ہے۔'' [۱۷]

بحیثیت مجموعی باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ پست تھا اس کی زندگی مدت العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی۔لڑکپن میں اپنے اپنے والدین کی ،جوانی میں اپنے شوہر کی اور بیوگی میں اپنے فرزندوں کی......انتھینیا کا قانون۔یتیم لڑکیوں پر خاص طور پر مہربان تھا۔لیکن ان باتوں کے سوا کوئی حقوق نسواں کی تائید میں نہیں پیش کرسکتی۔افلاطون نے بلاشبہ مرد وعورت کی مساوات کا دعویٰ کیا تھا لیکن یہ تعلیم محض زبانی تھی عملی زندگی اس سے بالکل غیر متاثر رہی۔[۱۸]

یونانی عورت کی شادی اس کی مرضی کے بغیر کر دی جاتی اس کی مرضی کا کوئی خیال نہ رکھا جاتا تھا۔۱۹

As ameer ali says among the athemians the wife was a mere chattel mahet-allo aml tramslerable to other and a subject of trtamenfary disposition.She was regarden in the light of am evil indispensable for the ordeijng of a hourehold and precahion of children.

سید امیر علی لکھتے ہیں کہ یونانیوں کے ہاں عورت کی حیثیت لونڈی کی سی تھی ۔جیسے فروخت کیا جاتا اور دوسروں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔اسے ایک ایسی ناگزیر برائی سمجھا جاتا تھا۔جو امور خانہ داری اور بچوں کی پرورش کے لیے ضروری تھی۔۲۰

## مصریوں کے ہاں

مصر میں بھی فارس کی عورت کی طرح اس کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔اسے حقیر جان کر انسانیت کے تمام حقوق سے محروم کیا گیا۔

فدا حسین ملک لکھتے ہیں:

In egypt and all the european countries women were treated worst than slaves.

مصر اور یورپی ممالک میں عورتوں سے جو سلوک کیا جاتا تھا وہ غلاموں سے بھی بدتر تھا۔۲۱

## یہودیوں کے ہاں

کتاب مقدس میں لکھا ہے:

''عورت بعض حالات میں ملک کی ملکیت قرار دی جاتی یا قوم کی ملکیت ہوتی تھی۔جس کا ثبوت یوں ملتا ہے کہ ان کے ہاں ہر شخص کا نام اسرائیل میں باقی رہنا ضروری تھا۔اوراس مقصد کے حصول کے لیے عورت کی خواہشات اور عزت نفس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔انہوں نے ایسی تمام خواتین کے لیے جن کے خاوند بے اولاد فوت ہوجائیں لازمی قرار دے رکھا تھا۔کہ اگر چند بھائی اکٹھے رہتے ہوں اوران میں سے کوئی بے اولاد فوت ہوجائے تو اس کا نکاح نہ کسی دوسرے آدمی سے کیا جائے بلکہ اس کے شوہر کا بھائی یعنی دیور اس سے خلوت کرے اسے اپنی بیوی بنائے اور بھاوج کا حق اسے ادا کرے۔تو یوں ہوگا کہ پہلا بچہ جو پیدا ہوگا وہ متوفی بھائی کے نام سے منسوب ہوگا تاکہ اس کا نام اسرائیل سے نہ مٹ جائے۔اگر یہ اس کا شوہر بننے سے انکاری ہوجائے،تو اس کے بھائی کی بیوی ججوں کے سامنے اس کے نزدیک اپنے پاؤں کی جوتی نکالے اسکے منہ پر تھوک دے اور کہے کہ اس شخص کے ساتھ جو اپنے بھائی کا گھر نہ آباد کرے یہی کیا جائے گا۔اور اسکا نام یہ رکھا جائے گا کہ یہ اس شخص کا گھر ہے جس کا جوتا اتارا گیا ہے''۔۲۲

## عیسائیوں کے ہاں

◉ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

کلیسا نے عورت کی حیثیت یہاں تک گرادی کہ ۵۸۱ء میں آئمہ کلیسائی مجلس منعقدہ کولون اس بات پر زوردار بحث ہوئی کہ عورت انسان بھی ہے کہ نہیں بڑی ردوقدح کے بعد اسے معمولی اکثریت کے ساتھ انسان تسلیم کیا گیا۔''۲۳

جس کی عربی عبارت یہ ہے:

"حتی انهاجمع فی ماثون سنة ٥٧١م جری بحث فیها، إذا كان للمرأة نفس وعما إذاكانت تعبر من

جملة الشرية وحيافى كرامة اعضاء هذا لمجمع فلسنادوالى التصريح بانه ولكن جدال طويل وعفيف كان الجواب ايجابتا ولكن باكثرية فليلة"۲۴

◉ محمد جمیل بہیم زیدی لکھتے ہیں:

''عیسائی عورت کونجاست کی پوٹ، سانپ کی نسل، منبع شر برائی کی جڑ، جہنم کا دروازہ وغیرہ کے القابات سے یاد کرتے تھے۔''۲۵

بڑے بڑے راہب اپنی ماں تک سے ملنا اوراس کے چہرے پر نظر ڈالنا معصیت سمجھتے تھے۔۲۶

## ہندومت میں بیوی کا عزت واحترام

سنسکرت میں لڑکی کو دوہتر (دورکی ہوئی) اور بیوی کو پتن (مملوکہ) کہا جاتا ہے۔۲۷

◉ معین الدین ندوی لکھتے ہیں:

''ہندووں کے اخلاقی حالات بھی اتنے روبہ زوال تھے۔کہ محرمات تک سے تمتع بھی کارثواب سمجھا جاتا تھا۔عصمت کی کوئی قدروقیمت نہ تھی۔ بڑے بڑے ذی وجاہت امراء کی عورتیں جامۂ عصمت اتار پھینکتی تھیں۔''۲۸

علاوہ ازیں عورتوں کی عصمت اس قدر ارزاں تھی کہ ہندوؤں کے ہاں آٹھ قسم کے نکاح تھے۔

① ابراہیم ② دیو ③ آرش ④ برجاہت ⑤ آسرا ⑥ گاندھاب ⑦ راکش ⑧ پیشاج

دولہا دولہن دونوں کامل، برہمن پورے فاضل دھارمک اور نیک سیرت ہوں۔ انکا باہم رضامندی سے نکاح ہونا ابراہیم کہلاتا ہے۔

بڑے نگینہ میں عمدہ طور پر یگیہ کرتے ہوئے کو زیور پہنی ہوئی لڑکی دینا، دیو دوتھما سے کچھ لے کر دواہ ہوتا۔

آرش دونوں کا بیاہ درہم کی ترقی کے لئے ہونا۔ پرجاہت دولہا اور دولہن کو کچھ دے مہر بیاہ کرنا آلبر بے قاعدہ، بے موقع کسی وجہ سے دولہا، دولہن کا مرضی باہم میل ہونا۔

گاندھرب لڑائی کر کے جبراً یعنی چھین جھپٹ یا فریب سے لڑکی حاصل کرنا۔

راکش سوئی ہوئی یا شراب وغیرہ پی کر بے ہوش ہوئی یا پاگل لڑکی سے بالجبر ہمبستری ہو۔ پیشاج پیاہ کہلاتا ہے۔

نیوگر۔ نکاح کے بعد اگر کسی وجہ سے اولاد نہ ہو تو ہندوؤں کے ہاں اس کیلئے بھی ایک قانونی راستہ ہے۔ (یعنی اولاد حاصل کرنے کا) جس کو نیوگ کہا جاتا ہے۔ اولاد نہ ہونے کی صورت میں خبر وغیرہ کے حکم سے عورت رشتہ دار یا دیور سے حسب دلخواہ اولاد حاصل کرے۔۲۹

مجموعی اعتبار سے عورت جن خصلتوں کی حامل سمجھی جاتی ہے وہ یہ تھیں۔

تقدیر، طوفان، حوت، جہنم، زہر، زہریلے سانپ اوران میں سے کوئی اس قدر خراب نہیں جتنی عورت خراب ہے۔۳۰

## آریہ دھرم کے ہاں

آریہ دھرم میں بیوی کا اتنا بھی احترام نہیں کہ اس کے محرم اس سے شادی رچا لیتے ہیں۔ بلکہ آریہ دھرم میں عورت بیک وقت متعدد حقیقی بھائیوں سے شادی کرسکتی ہے۔۳۱

## زمانہ جاہلیت میں بیوی کی عزت واحترام

زمانہ جاہلیت میں عورت، بیوی کی حیثیت سے سب سے زیادہ مظلوم تھی۔معاشرے میں ان کی حیثیت گھر کے مال واسباب کی سی تھی۔۳۲

اسلامی جمہوریت میں لکھا ہے:

''ملک کی سیاست میں، نظام حکومت میں، انتخابات عام میں، سرکاری اورنیم سرکاری مناصب میں آئین وقانون کے دربار میں، نہ اس کا کوئی حصہ تھا اور نہ اس کی کوئی آواز۔۳۳

## اسلام میں بیوی کی عزت وتکریم

ایک عورت چار حیثیتوں سے زندگی گزارتی ہے۔بیٹی کی حیثیت سے، بیوی کی حیثیت سے، ماں کی حیثیت سے، بہن کی حیثیت سے۔ دین اسلام ہرحالت میں عورت سے حسن سلوک اوراس کی تکریم کا حکم دیتا ہے۔اورعورت کی عزت وتکریم یہی ہے کہ ہر حالت میں اس کی عصمت کی حفاظت کی جائے اگر وہ بیٹی ہے تو والدین اور بھائی اس کی حفاظت کریں اوراگر وہ ماں ہے تو اولاد اور باپ اس کی حفاظت کرے اوراگر وہ بیوی ہے تو شوہر اس کی حفاظت کرے اوراسے چادر اور چار دیواری کا پورا ماحول فراہم کرے۔جو شخص اپنی بیوی کی عزت وآبرو کا خیال نہیں کرتا احادیث میں اس کو دیوث (یعنی بے غیرت) کہا گیا ہے۔جبکہ غیراسلامی مذاہب میں فحاشی، عریانی عام ہے اور بھائی، بہن کی عصمت کو داغ دار کررہا ہے والد بیٹی کی عزت سے کھیل رہا ہے دین اسلام ہی ایساپاکیزہ اورعالی شان خصوصیات کا حامل مذہب ہے جو بے غیرتی اوردیوثی کو برداشت نہیں کرتا کیونکہ یہ ہرایک کوعزت وعظمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے دیوث کے بارے میں جہنم کی وعید سنائی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"ثلاثة لايدخلون الجنة: العاق لوالديه والديوث ورجلة النساء"۳۴

''تین شخص جنت میں داخل نہیں ہوں گے: والدین کا نافرمان، عورتوں کی مشابہت اختیا کرنے والا مرداور دیوث (بے غیرت)''

ایک روایت میں ہے:

"والديوث الذی يقرفی اهله الخبث"۳۵

''دیوث وہ ہے جو اپنے اہل وعیال میں خباثت اور بے حیائی کو برقرار رکھتا ہے۔''

## ④ حق وراثت

## اہل یونان کے ہاں

یونانی مذہب میں عورت کو حق وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا اگر وہ عورت وارث بنتی بھی تھی تو اس وقت جب اولاد نانے کی طرف منسوب ہوتی تو پھر وارث بنتی یونانی عورت کی شادی اس کی مرضی کے بغیر کردی جاتی بعض دفعہ تو باپ مرتے وقت اپنی بیٹی کی کسی کے حق میں وصیت کرجاتا تو بیٹی کو وہ وصیت پوری کرنا پڑتی تھی۔ بھائی کی موجودگی میں وراثت سے محروم رہتی اکیلی ہوتی تو وراث بنتی مگر اس

صورت میں اس کیلئے ضروری ہوتا تھا کہ باپ کے ورثاء میں سے سب سے بڑے کی بیوی بنے اور اس سے جو بچہ پیدا ہو، وہ نانا کی طرف منسوب ہو کر اس وراثت کا حقدار بنے۔ ۳۶

## اہل روم کے ہاں

روم میں مرد کی حکومت اپنی بیوی پر جابرانہ تھی عورت ایک لونڈی کی حیثیت رکھتی تھی جس کا معاشرت میں کوئی حصہ نہ تھا۔ یہاں تک کہ حق وراثت بھی نہیں دیا گیا۔ ۳۷

## اسلام عورت کے حق وراثت کا قائل وفاعل ہے

غیر اسلامی مذہب تو عورت کو عزت واحترام سے دیکھنا اور اس سے حسن سلوک کرنا تو بجا، اسے انسان ماننے میں بھی اختلاف کرتے ہیں۔ ۳۸

اسلام ہی واحد اور لاثانی مذہب ہے جو عورت کو نا صرف ایک انسان مانتا ہے بلکہ اسے احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اسے معاشرے کا ایک فرد تسلیم کرتے ہوئے اسے ہر طرح کے حقوق فراہم کرتا ہے۔ خواہ وہ داخلی حقوق ہوں یا خارجی خواہ وہ انفرادی حقوق ہوں یا اجتماعی اور مذکورہ حق وراثت کا بھی قائل وفاعل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ءَابَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا O وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ ۳۹

''تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ اگر (میت کی وارث) دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے گا۔ اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے۔ اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے۔ اور اگر وہ صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں تیسرا حصہ دیا جائے۔ اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصہ کی حق دار ہوگی۔ (یہ سب حصے اس وقت نکالے جائیں گے) جبکہ وصیت جو میت نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو اس پر ہوا ادا کر دیا جائے۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں سے کون بلحاظ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ حصے اللہ نے مقرر کر دیے ہیں، اور اللہ یقیناً سب حقیقتوں سے واقف اور ساری مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔ اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا اگر وہ بے اولاد ہوں، ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ترکہ کا ایک چوتھائی حصہ تمہارا ہے جبکہ وصیت جو انہوں نے کی ہو پوری کر دی جائے، اور قرض جو انہوں نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے۔ اور وہ تمہارے

ترکہ میں سے چوتھائی کی حقدار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو، ورنہ صاحبِ اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہوگا، بعد اس کے کہ وصیت تم نے کی ہو وہ پوری کر دی جائے اور قرض تم نے چھوڑا ہو وہ ادا کر دیا جائے۔

اور اگر وہ مرد یا عورت (جس کی میراث تقسیم طلب ہے) بے اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں، مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے، جبکہ وصیت جو کی گئی ہو پوری کر دی جائے، اور قرض جو میت نے چھوڑ ہو ادا کر دیا جائے، بشرطیکہ وہ ضرر رساں نہ ہو۔ یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ دانا و بینا اور نرم خو ہے۔''

جب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"یوصیکم الله فی أولادکم للذکرمثل حظ الأنثیین وذلك إنه لمانزلت الفرائض التی فرض الله فیها مافرض للولد الذکر والأنثی والأبوین کرهها الناس أو بعضهم وقالوا تعطی المرأة الربع والثمن وتعطی الابنة النصف ویعطی الغلام الصغیر ولیس من هؤلاء احد یقاتل القوم ولایجوزالغنیة اسکتوا عن هذا الحدیث لعل رسول اللهﷺ للنساء لوبقول له صغیرفقالوا یارسول اللهﷺ تعطی الجاریة نصف ماترك ابوها ولیست ترك الفرس ولایقاتل القوم ویعطی الصبی المیراث ولیس یغنی شیئا وکانوا یفعلون ذلك فی الجاهلیة لایعطون المیراث الا لمن قاتل القوم ویعطونه الاکبرفالاکبر"[40]

''میراث کے احکام نازل ہونے کے بعد بعض لوگوں نے کہا کہ یہ اچھی بات ہے کہ عورت کو چوتھا اور آٹھواں حصہ دلایا جا رہا ہے اور ننھے بچوں کا حصہ مقرر کیا جا رہا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی بھی نہ لڑائی کے لئے نکل سکتا ہے نہ مال غنیمت لاسکتا ہے۔ اچھا ہو کہ تم اس آیت سے خاموش بولو شاید رسول اللہ ﷺ سے تو یہ بھول ہو جائے۔ اور ہمارے کہنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ ان احکام کو بدل دیں۔ پھر انہوں نے رسول ﷺ کو کہا کہ لڑکی کو اس کے باپ سے آدھا مال دلوا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ گھوڑے پر بیٹھنے کے قابل ہیں نہ دشمن سے لڑنے کے آپ ﷺ بچوں کو ورثہ دلا رہے ہیں۔ بھلا وہ کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس طرح جاہلیت میں ہی ہوتا تھا۔ وہ صرف اس کو وراثت میں حصہ دلا دیتے تھے۔ جو لڑنے کے قابل ہوتا اور جو بڑا ہوتا اسے دیتے تھے۔''

گویا اسلام نے عورتوں کو ہر حال میں حصہ دیا ہے خواہ وہ بیٹی ہو یا ماں یا بہن یا بیوی ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«الحقوالفرائض بأهلها»[41]

''کہ میراث ان کے حق داروں تک پہنچا دو۔''

رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ

«إن الله قد أعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث»[42]

''اللہ تعالی نے ہر حقدار کو اس کا حق فراہم کر دیا ہے۔ اس لیے اب کسی وارث کے لئے وصیت کی اجازت نہیں۔''

سر ولیم جونز، اسلامی قانون وراثت کی خصوصیات کو اس طرح اجاگر کرتا ہے۔

I am strangly disposed to belive heat no passible question could occur on the Muhammadan law of succession which might not be rapidly and corrected answered.

## شوہر کی وفات کے بعد دوسری شادی کا حق

### ہندومت میں بیوی کی عقد ثانی سے محرومی

منوسمرتی میں ہے:

بیوی کو شوہر کی موت کے بعد، عقد ثانی کی اجازت نہیں اس کا فرض ہے کہ 'قوت لایموت' پر پاکبازی سے زندگی بسر کرے۔[43]

'چانکیہ نیتی' میں عورتوں کے متعلق یہ خیالات ہیں جھوٹ بولنا، بغیر سوچے سمجھے کام کرنا، فریب، حماقت، طمع، ناپاکی، بے رحمی، عورت کے جبلی عیب ہیں۔[44]

'Wives of the prophet' میں ہے:

In india the cuel life of sati was practiced by wich the window of a hindu used to burn herself on the byer of her husband.

wives of the prophet:18

ہندومعاشرے میں عورت جوئے میں ہاری جاتی تھیں ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے تھے۔ بیوہ عورت قانونی طور پر ہر لذت سے محروم کردی جاتی۔ سماج کے ایسے ہی شرمناک برتاؤ کی وجہ سے ایک عورت شوہر کی لاش کے ساتھ جل جانا گوارہ کرلیتی تھی۔[45]

## اسلام میں عورت کے نکاح ثانی کا حق

اسلام، عورت کو نکاح ثانی کا حق دیتا ہے۔ کہ ایک عورت کا شوہر فوت ہوجائے تو اس کی بیوی کے بارے میں دین اسلام میں بہت زیادہ اصول بیان کیے گئے ہیں۔ اور حضرت محمد ﷺ جن پر شریعت اسلامیہ کا نزول ہوا، انہوں نے خود صرف ایک کنواری لڑکی سے شادی کی ورنہ تمام بیویاں بیوہ ہی تھیں۔ یہاں تک اسلام میں اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی کرنا جائز ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کا نکاح اللہ تعالی نے حضرت زینب سے کیا جس کا ذکر قرآن میں اس طرح ہے:

﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾[46]

''اے نبی ﷺ یاد کرو اس موقع کو جب تم کہہ رہے تھے اس شخص کو جس پر اللہ نے اور آپ ﷺ نے احسان کیا تھا کہ تم اپنی بیوی کو نہ چھوڑو اور اللہ سے ڈرو! پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا۔ تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے۔ جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں۔ اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا۔''

◉ مولانا ابوالاعلی مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس شخص سے مراد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور آپ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ اور ان

کی بیوی سے مراد ہیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا۔ مگر دونوں کا نباہ نہیں ہو رہا تھا۔ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ ان کو طلاق دینے پر آمادہ ہو رہے تھے۔''[47]

◉ مولانا ابوالاعلی مودودی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

''اللہ تعالی کی مرضی یہ تھی کہ جب حضرت زید، حضرت زینب کو طلاق دے دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان سے نکاح کر کے عرب کی اس قدیم رسم کو توڑ دیں جس کی رو سے منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس اندیشے سے کہ اس پر اہل عرب سخت نکتہ چینیاں کریں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آزمائش میں پڑنے سے بچنا چاہتے تھے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوشش فرمائی کہ زید اپنی بیوی کو طلاق نہ دیں تو انہوں نے اسے طلاق دے دی اور اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے خود آسمانوں پر کر دیا۔''[48]

## حق اطاعت وحفاظت گھر

### عیسائی مذہب میں

عیسائی، عورت کو اپنے پاؤں کی جوتی خیال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ عورت کو چپ چاپ تابعداری سے سیکھنا چاہیے اور عیسائی مذہب اجازت نہیں دیتا کہ عورت سکھائے اور مرد پر حکم چلائے بلکہ چپ چاپ رہے۔[49]

### ہندومت میں شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری

ہندومت میں عورت کی حالت سب سے بدتر تھی اور وہ زندگی کے ہر مرحلے میں مردوں کی محکوم تھیں۔ عورت، صغرسنی میں باپ کی متبع، جوانی میں شوہر کی اور شوہر کے بعد بیٹوں کی اور اگر شوہر نہ ہو تو اپنے اقرباء کی کیونکہ کوئی عورت ہرگز اس لائق نہیں کہ خودمختار زندگی بسر کرے۔[50]

منوسمرتی میں ہے:

''عورت نابالغ ہو یا جوان یا بوڑھی گھر میں کوئی کام خودمختاری سے نہ کرے۔''[51]

### اسلام میں خاوند کی اطاعت بیوی پر فرض ہے

اسلام ایسا سچا، اعلی خصائل کا مالک اور مقبول عام دین ہے جو عورت کو دیگر مذاہب کی طرح حقیر اور دوسری مخلوق نہیں جانتا اور نہ اسے شر کا مداوا قرار دیتا ہے۔ بلکہ اسے احترام کے لائق، جنس انسانی کا حصہ اور اولاد آدم اور معاشرے کا ایک فرد اور خاندانی گاڑی کا ایک پہیہ قرار دیتا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ جیسے مرد اور شوہر کی ذمہ داری ہے۔ جو اسلام نے اس پر عائد کی ہے کہ وہ گھریلو اخراجات کی ذمہ داری اپنے سر لے اور اسے بطریق احسن انجام دے، ایسے ہی عورت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی عصمت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ گھر و مال کی حفاظت اور اپنے شوہر کی اطاعت کو بجالائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«إذاصلت المرأة خمسها وصامت شهرها وحصنت فرجها واطاعت بعلها دخلت من اى ابواب

الجنة شاء ت» ۵۲؎

''جب عورت پانچوں نمازیں پڑھے اور رمضان کے مہینے کے روزے رکھے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔''

جب عورت اپنے خاوند کی اطاعت کرتی ہے تو وہ بہترین عورت شمار ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ بہترین عورت کون سی ہے۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«التی تسره إذا نظر و تطیعه إذا امر و لا تخالفه فی نفسها و ما لها بما یکره» ۵۳؎

وہ عورت کہ جب اس کا خاونداس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کردے اور اپنی ذات کے متعلق معاملات میں اپنے خاوند کی مخالفت نہ کرے اور اپنے مال کو اس طرح سے صرف نہ کرے جس کو وہ ناپسند جانے۔

## حق طلاق

### شریعت یہودیہ

شریعت یہودیہ میں طلاق کی عام اجازت ہے البتہ عورت کے صرف مرد کے زنا کار ثابت ہونے کی صورت میں طلب تفریق کا حق ہے۔طلاق کے بعد مرد اپنی زوجہ سے دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا۔جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرکے دخول کے بعد اس سے تفریق حاصل نہ کرلے یا وہ خود اسے طلاق دے یا وہ مرجائے۔۵۴؎

### ہندو مذہب

عام ہندو مذہب طلاق کے نام سے آشنا نہیں کیونکہ ہندو نقطہ نظر کے مطابق 'نکاح' شوہر و زوجہ کے درمیان ناقابل تنسیخ ہے۔لہذا کسی فریق کو بھی طلاق کی اجازت نہیں حتی کہ مرد کا زوجہ سے ترک تعلق کرلینا یا کسی ایک کا مرتکب زنا ہونا بھی فسخ نکاح کا موجب نہیں مگر اب ہندوں کے قانون میں بھی طلاق کا حق تسلیم کرلیا گیا ہے۔۵۵؎

### عیسائی مذہب

عیسائی مذہب نکاح کو ناقابل انقطاع تصور کرتا ہے۔لیکن بالآخر مجبور ہو کر یہ قرار دیا گیا کہ فریقین میں سے کسی ایک کا مرتکب زنا ہونا، علیحدگی کا موجب ہوسکتا ہے۔مگر یہ علیحدگی صرف جسمانی ہوگی رشتہ نکاح بدستور قائم رہے گا کیونکہ ''جس کو اللہ نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔۵۶؎

بالفاظ دیگر زوجین میں سے کسی ایک کو نکاح ثانی کی اجازت نہ ہوگی بلکہ وہ بقیہ عمر ''ازدواجی زندگی'' سے محروم رہیں گے۔جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہر اخلاقی برائی اور حرام کاری کو کھلی چھٹی مل گئی۔اس موضوع پر ''اسٹیٹ'' میں زبردست آویزش ہوئی اور عیسائی چرچ دوگروہوں میں بٹ گیا۔ایک رومن کیتھولک اور دوسرا پروٹسٹنٹ، ایک وہ جو ازدواجی تعلق کو ناقابل انقطاع تصور کرتا ہے اور دوسرا قابل انقطاع۔۵۷؎

## اسلام میں خاوند کا حق طلاق

اسلام کے ہر آئین اور دستور میں دنیاجہاں کی مصالح پنہاں ہیں۔اسلام ہر فرد کے لئے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔''ان الدین یسر''اور معاشرے کو اعلی بنیادوں پر قائم کرنا چاہتا ہے۔اسی لیے اس کے اصول وضوابط میں آسانی پائی جاتی ہے اسلام میں شوہر کا اپنی بیوی کو طلاق دینا پسندیدہ نہیں جس پر قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ دلالت کرتی ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآاَمَرَاللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾۵۸

''اور وہ لوگ جو اللہ کے وعدے کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے اسے کاٹ دیتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے پھرتے ہیں۔یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔''

جبکہ احادیث میں اس کی کراہت کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أبغض الحلال إلى الله الطلاق»۵۹

''کہ حلال اشیاء میں سے اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔''

لیکن یاد رہے کہ طلاق خاوند کا حق ہے اور اسلام میں اس کا جواز ہے مذکورہ حدیث میں ''الحلال'' کے لفظ سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں اس کا جواز موجود ہے لیکن اسلام اسے پسند نہیں کرتا البتہ جب زوجین کا معاملہ حد سے بڑھ جائے تو پھر اسلام اس چیز کی رخصت دیتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«كانت تحتی امرأة أحبها وكان أبی يكرهها فأمرنی أبی أن أطلقها فأبيت فذكرت ذلك للنبیﷺ فقال ياعبدالله بن عمر طلق امرأتك»۶۰

''میری ایک بیوی تھی میں اس سے (بے حد) محبت کرتا تھا لیکن میرے والد نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے طلاق دے دوں، میں نے انکار کر دیا پھر میں نے نبی کریم ﷺ سے یہ ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی عورت کو طلاق دے دے۔''

اسی طرح سورۃ الاحزاب میں ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تھی پھر اللہ تعالی نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح کیا۔

اسی طرح صحیح بخاری کی روایت ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنی چوکھٹ بدلنے کا حکم دیا تھا (یعنی اپنی بیوی کو طلاق دے دے) تو انہوں نے طلاق دے دی تھی۔۶۱

# حوالہ جات

(۱) الغنیة فی اصول الدین:۱۷۱/۱

(۲) تمدن عرب:۴۵۸

(۳) تمدن عرب:۴۶۰

(۴) تاریخ ایران:۱۹۰، سیرت النبی ﷺ:۲۱۴، تاریخ اسلام:۶/۱

(۵) wives of the islam. p17

(۶) ابوالاعلیٰ مودودی، پردہ، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور:۲۵،

محمد ظفیر الدین، اسلام کا نظام عفت وعصمت، مکتبہ نذیریہ، لاہور، ۱۹۷۵ء:۴۲

(۷) احمد علی سعید، سید، اسلام اور عورت، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۷ء:۲۲

(۸) خاتون اسلام کا دستور حیات:۱۱

(۹) عربوں کا عروج وزوال:۲۳

(۱۰) تاریخ اسلام:۱۰/۱

(۱۱) اسلام کا نظام عفت وعصمت:۳۴

(۱۲) النساء:۱۹

(۱۳) النساء:۲۱

(۱۴) البقرة:۲۳۱

(۱۵) سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی حق المملوك:۵۱۵۶

(۱۶) صحیح بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم وذریته:۳۳۳۱

(۱۷) صحابیات:۱۱، عورت اسلامی معاشرے میں:۲۰

(۱۸) تاریخ اخلاق یورپ (اردو):۲۲۰

(۱۹) عورت اسلامی معاشرہ میں:۴

(۲۰) The sprit of islam. p:223

(۲۱) wives of the prophet. P:17

(۲۲) کتاب مقدس۔ استثناء:۱۹۰

(۲۳) الکلام:۱۵۶

(۲۴) المرأة فی التاریخ والشرائع:٦٢

(۲۵) المرأة فی التاریخ والشرائع:٦٢

(۲٦) دین رحمت:١٠٦

(۲۷) دیانند ستیارتھ پرکاش:۱۴۱

(۲۸) تاریخ اسلام:۱/۷

(۲۹) دیانند مہرشی سوامی ستیارتھ پرکاش، آریہ برقی، لاہور،۱۹۴۳ء:۱۵۸۔۱۵۹

(۳۰) تمدن عرب:۴۵۹

(۳۱) اسلام اور عورت:۲۲

(۳۲) خاتون اسلام کا دستور حیات:۱۱

(۳۳) اسلامی جمہوریت:۱۹۱

(۳۴) المستدرك حاکم:۴/۱۴٦

(۳۵) مجمع الزوائد:۸/۱۴۷

(۳٦) عورت اسلامی معاشرے میں:۴

(۳۷) تمدن عرب:۴٦٠

(۳۸) الکلام:۱۵٦

(۳۹) النساء:۴/۱۲

(۴۰) تفسیر القرآن العظیم:۱/۴۵۸

(۴۱) صحیح بخاری، کتاب الفرائض ، باب میراث الولد من أبیه وأمه:٦٧٣٢

(۴۲) سنن ابی داود، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الوصیة للوارث:۲۸٧٠

(۴۳) منوسمرتی ادھیائے،۵/۱۵۷،۱۰۳

(۴۴) چانکیہ نیتی:۱۲/۸

(۴۵) شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، محمد سعید اینڈ سنز، کراچی، س ن:۴/٦٣٢

(۴٦) الاحزاب:۳۷

(۴۷) مختصر تفہیم القرآن:۱۰٦۹

(۴۸) مختصر تفہیم القرآن:۱۰٦۹

(۴۹) تیھمس کے نام پولس رسول کا پہلا خط:۲۰۲

(۵۰) منوسمرتی ادھیائے:۱۰۲

(۵۱) منوسمرتی ادھیائے:۱۰۲

(۵۲) مسند احمد ، کتاب مسندالعشرۃالمبشرین بالجنة:۱۶۶۴

(۵۳) سنن النسائی ، کتاب النکاح ، باب أی النساء خیر:۳۲۳۱

(۵۴) مجموعہ قوانین اسلام :۳۴۸/۲

(۵۵) مجموعہ قوانین اسلام :۳۴۸/۲

(۵۶) انجیل برناباس، مترجم محمد حلیم انصاری، ادارہ اسلامیات، کراچی، ۲۰۰۳ء:۱۹، ۶

(۵۷) مجموعہ قوانین اسلام :۹/۲، ۳۴۸، حقوق الزوجین: ۴۵، ۱۷

(۵۸) البقرۃ:۲۷

(۵۹) سنن ابوداؤد ، کتاب الطلاق ، باب فی کراھیة الطلاق:۲۱۷۸

(۶۰) سنن الترمذی ، کتاب الطلاق ، باب ما جاء فی الرجل یسأله أبوه أن یطلق زوجته:۱۱۸۹

(۶۱) صحیح بخاری ، کتاب أحادیث الأنبیاء ، باب قول الله تعالی واتخذ الله إبراھیم خلیلا:۳۳۶۴

# باب پنجم

## والدین کے حقوق وفرائض

# فصل اول

والدین کی اطاعت

خلاف دین معاملات اور اطاعت والدین

والدین کی خدمت

# والدین کی اطاعت

انسانی معاشرے کی بنیادی اکائی خاندان ہے۔اس لئے اسلام نے خاندانی استحکام اور اس کی بقاء پر بڑا زور دیا ہے اور خاندان کو اللہ تعالیٰ کا انعام اور اس کی توڑ پھوڑ کو اللہ تعالیٰ کی ناشکری قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ﴾[1]

''اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے ہم جنس بیویاں بنائیں اور اسی نے ان بیویوں سے تمہیں بیٹے پوتے عطا کئے اور اچھی اچھی چیزیں تمہیں کھانے کو دیں کیا پھر بھی یہ لوگ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔''

اسلام کے خاندانی نظام کی بنیاد دو چیزوں پر ہے:

① رحم (رشتہ داری وصلہ رحمی) ② ولایت (نظم ونسق)

جب اولاد والدین کی اطاعت نہیں کرتی تو وہ مندرجہ ذیل امور کا ارتکاب کرتی ہے:

- قطع رحمی کرتی ہے۔
- گھر اور خاندان کے نظم ونسق کو توڑتی ہے۔
- والدین کی نافرمانی کرتی ہے۔

## ① رحم (رشتہ داری وصلہ رحمی)

## قرآن مجید سے دلائل

قرآن کریم نے صلہ رحمی پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور قطع رحمی کی شدید مذمت کی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَآ أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَاءً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾[2]

''لوگو، اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے، اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ وقرابت تعلقات کے بگاڑنے سے پرہیز کرو۔یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سے قیامت کے روز ارحام (رشتہ داری) کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ منافقوں کو ڈانٹتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْا أَرْحَامَكُمْ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰى أَبْصَارَهُمْ﴾[3]

''اب کیا تم لوگوں سے اس کے سوا کچھ اور توقع کی جا سکتی ہے کہ اگر تم الٹے منہ پھر گئے تو زمین میں پھر فساد برپا کرو گے اور آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹو گے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کا تو حال یہ ہے کہ اگر ان کو دنیا میں حکومت دی جائے تو یہ قطع رحمی کریں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ منقول ہے، جسے مستدرک حاکم میں روایت کیا گیا ہے:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے ایسی لونڈی جو کہ کسی بچہ کی ماں ہو (اُم الولد) کو بیچنا حرام قرار دیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے اتفاق فرمایا تھا۔ چونکہ اس کو بیچنے میں ماں اور بیٹے کے درمیان جدائی واقع ہوتی تھی۔ چنانچہ امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا کہ یکا یک محلّہ میں شور مچ گیا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک لونڈی فروخت کی جارہی ہے اور اس کی لڑکی رو رہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت انصار او رمہاجرین کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ جو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں کیا اس میں آپ حضرات کو قطع رحمی کا کوئی جواز ملتا ہے؟ سب نے جواب دیا نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر یہ کیا بات ہے کہ آپ کے ہاں ماں کو بیٹی سے جدا کیا جارہا ہے۔ اس سے بڑی قطع رحمی او رکیا ہوسکتی ہے؟ پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ اس کو روکنے کے لئے جو صورت مناسب سمجھیں، اسے اختیار کریں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام بلاد اسلامیہ کے لئے یہ فرمان جاری کردیا کہ کسی ایسی لونڈی کو فروخت نہ کیا جائے جس کے مالک سے اس لونڈی کی اولاد ہو کیونکہ یہ قطع رحمی ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔''[4]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عدالت، قطع رحمی کو بذریعہ حکم روک سکتی ہے، اس لئے اگر عورت باپ کے اذن کے بغیر گھر سے جاتی ہے یا والدین کی اطاعت نہیں کرتی تو یہ قطع رحمی میں شامل ہے اور عدالت بذریعہ حکم اس کو باپ کے گھر رہنے پر مجبور کرسکتی ہے۔

والدین کے ساتھ احسان، سلوک اور صلہ رحمی کی اس قدر اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد اس کو سب سے زیادہ اہم قرار دیا، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَـقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾[5]

''تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اسی کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ انکے ساتھ احترام سے بات کرو۔''

## احادیث سے دلائل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"ان الرحم شجنة من الرحمن فقال الله: من وصلك وصلته ومن قطعك قطعته"[6]

''لفظ 'رحم' رحمٰن سے ماخوذ ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا: جس نے تجھے جوڑا، میں اسے جوڑوں گا اور جس نے تجھے توڑا، میں اسے توڑوں گا۔''

صحیح بخاری میں ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان جبیر بن مطعم کی روایت سے یوں موجود ہے:

«لا يدخل الجنة قاطع»۷

''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

مزید برآں، حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" أنا الله وأنا الرحمن خلقت الرحم و شققت لها من اسمى فمن وصلها و صلته ومن قطعها بتتّه"۸

''میں اللہ ہوں اور میں رحمان ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام سے اس کو مشتق کیا ہے جو کوئی اس کو ملائے گا میں اس کو ملاؤں گا اور جو اس کو کاٹے گا میں اس کو کاٹوں گا۔''

## والدین سے قطع رحمی کفر ہے

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« لا ترغبوا عن آبائكم فمن رغب عن أبيه فقد كفر»۹

''اپنے باپوں سے بے رغبتی کا اظہار مت کرو جس نے اپنے باپ سے بے رغبتی دکھائی تو اس نے کفر کیا۔''

مسند احمد بن حنبل میں سہل اپنے باپ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی زبانی نبی اکرم ﷺ کا یہ قول روایت کرتے ہیں:

«إن لله تبارك و تعالى عبادا لا يكلمهم الله يوم القيامة ولا يزكيهم ولا ينظر اليهم قيل له من اولئك يارسول الله قال متبر من والديه راغب عنهما و متبر من ولده»۱۰

''اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ قیامت کے روز نہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرے گا۔ لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ وہ کون لوگ ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ والدین سے براءت کا اظہار کرنے والا ان سے بے رغبتی کرنے والا اور اسی طرح اپنی اولاد سے بے رغبتی کرنے والا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک غلام ہانی نے ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس اللہ کے رسول ﷺ کا دیا کوئی خاص علم ہے جس کو آپ رضی اللہ عنہ ظاہر نہیں فرماتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے میری تلوار لاؤ۔ ہانی نے تلوار انہیں دی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کچھ تہہ کیے ہوئے صفحات نکالے اور فرمایا:

" هذا ما سمعت رسول اللهﷺ لعن الله من ذبح لغير الله . . . و لعن الله العاق لوالديه" ۱۱

''یہ ہے جو میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جس نے غیر اللہ کے لئے ذبح کیا اور اللہ تعالیٰ لعنت کرے والدین کے نافرمان پر۔''

# خلاف دین معاملات اور اطاعت والدین

ولایت عربی زبان میں قرب، مدد، دوستی، تصرف، اختیار اور حکومت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ان تمام استعمالات میں ایک مفہوم مشترک پایا جاتا ہے۔ جو ذمہ داری کا ہے۔ گویا ولایت کے اندر اصل مفہوم ذمہ داری کا ہے یہی وجہ ہے کہ انسانی معاشرے میں نظم ونسق کیلئے ولایت ایک اصطلاح بن گئی ہے۔ قرآن مجید نے ولایت کو دو معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ولایت عامہ اور ولایت خاصہ۔

ولایت عامہ سے عام معاشرتی نظم (جسے حکومت بھی کہا جاتا ہے) مراد ہے جبکہ ولایت خاصہ سے معاشرے کی بنیادی اکائی (خاندانی نظم) مراد ہے اور اس خاندانی نظم میں والدین اہم کردار ادا کرتے ہیں۔اور یہی ہمارا موضوع بحث ہے کہ اسلام میں والدین کی اطاعت کا دائرہ کار کیا ہے۔کن امور میں والدین کی اطاعت فرض اور کن امور میں ناجائز ہے۔

## قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللهِ﴾ ۱۲؎

''مگر اللہ تعالی کی کتاب میں خون کے رشتے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔''

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ﴾ ۱۳؎

''مگر اللہ تعالی کی کتاب میں عام مومنین اور مہاجرین کی بہ نسبت رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔''

فرمان باری تعالی ہے:

﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ﴾ ۱۴؎

''اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو، اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے۔پس چاہیے کہ وہ قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے۔''

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رشتہ داری کو نہایت اونچا مقام دیا ہے اور ظاہر ہے والدین سے بڑھ کر زیادہ رشتہ داری کسی کی نہیں ہوسکتی۔

## والدین کی اطاعت فرض، لیکن شرک میں ان کی اطاعت جائز نہیں

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ ۱۵؎

''اور ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے، لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی

ایسے کو شریک ٹھہرائے جسے تو میرے شریک کی حیثیت سے نہیں جانتا تو ان کی اطاعت نہ کر۔''

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ○ وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾[16]

''اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچانے کی تاکید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے، (اس لئے ہم نے اسے وصیت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک ٹھہرائے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔''

◉ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت یہ واقعہ لائے ہیں:

''طبرانی کی کتاب العشر (زندگی گزارنا) میں حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ میں اپنی ماں کی بہت خدمت کیا کرتا تھا اور ان کا پورا اطاعت گزار تھا۔ جب مجھے اللہ نے اسلام کی طرف ہدایت دی تو میری والدہ مجھ پر بہت بگڑیں اور کہنے لگیں بیٹا یہ نیا دین تو کہاں سے نکال لایا۔سنو میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اس دین سے دستبردار ہوجاؤ۔ ورنہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیئوں گی اور یونہی بھوکی مرجاؤں گی۔ میں نے اسلام کو چھوڑا نہیں اور میری ماں نے کھانا پینا ترک کردیا اور ہر طرف سے مجھ پر آوازیں کسی جانے لگیں کہ یہ اپنی ماں کا قاتل ہے۔ میں بہت ہی تنگ دل ہوا اپنی والدہ کی خدمت میں بار بار عرض کیا خوشامدیں کیں، سمجھایا کہ اللہ کے لئے اپنی ضد سے باز آجاؤ۔ یہ تو ناممکن ہے کہ میں اس سچے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی ضد میں میری والدہ پر تین دن کا فاقہ گزر گیا اور اس کی حالت بہت ہی خراب ہوگئی تو میں اس کے پاس گیا اور میں نے کہا میری اچھی اماں جان سنو تم میری جان سے زیادہ عزیز ہو لیکن میرے دین سے زیادہ عزیز نہیں۔ واللہ ایک نہیں تمہاری ایک سو جانیں بھی ہوں اور اسی بھوک و پیاس میں ایک ایک کرکے سب نکل جائیں تو بھی میں آخری لمحہ تک اپنے سچے دین کو نہ چھوڑوں گا۔ اب میری ماں مایوس ہوگئیں اور کھانا پینا شروع کردیا۔''[17]

◉ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

''یعنی والدین کی خدمت واجب ہے اور انکی اطاعت لازم ہے سوائے ان امور کے جن سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو جب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ترک ہونا لازم آئے تو پھر والدین کی اطاعت نہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ اتباع کر، اس شخص کے راستے کی جو میری طرف پلٹ آیا...... یعنی والدین کے ساتھ رہو اپنے جسم کے ساتھ بیشک ان کا تمہارے جسم پر حق ہے اور پیروی کرو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کے ساتھ کیونکہ انہوں نے تمہاری عقلی تربیت کی ہے۔ جسطرح کہ والدین نے تمہاری جسمانی تربیت کی ہے۔''[171]

والد خاندان کا سربراہ اور ذمہ دار ہے قیامت کے روز والد سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ والد کو چاہیئے کہ اپنے گھر والوں کو نیکی کا حکم دیتا رہے، کیونکہ وہ اپنے کنبے کا ذمہ دار ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾[18]

''اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کر اور اس پر ثابت قدم رہ کر۔''

اللہ تعالیٰ نے والد کو قرآن مجید میں حکم دیا کہ اپنے گھر والوں کو جہنم سے بچائے۔

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ ١٩

''اے ایمان والو، اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔''

◉ امام بخاری ؒ، اسی آیت کو عنوان بنا کر، اس کے تحت نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان لائے ہیں

«كلكم راع وكلكم مسئول فالإمام راع فهو مسئول والرجل راع على أهله وهو مسئول والمرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة ...... ألا فكلكم راع وكلكم مسئول» ٢٠

''تم میں ہر ایک شخص کچھ نہ کچھ حکومت (ذمہ داری) رکھتا ہے اور قیامت کے روز اس کی رعیت کے بارے میں اس سے پوچھ ہوگی ہر ایک آدمی اپنے گھر والوں پر حاکم ہے اور اس سے ان کی پوچھ ہوگی اسی طرح عورت اپنے خاوند کے مال کی حاکم (ذمہ دار اور محافظ) ہے۔ اس سے اس کی پوچھ ہوگی غرض کہ تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا (ذمہ داری) کے بارے میں باز پرس ہونا ہے۔''

باپ اپنے گھر والوں پر حاکم ہے (جیسا کہ اس حدیث میں ہے) اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حاکم کی اطاعت کا حکم دیا ہے:

﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ ٢١

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے میں سے اولی الامر کی بھی۔''

## اولاد پر والد کی ذمہ داری کب تک ہے؟

## والدین کی نافرمانی چند بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«ألا أنبئكم بأكبر الكبائر قلنا بلى يا رسول الله ﷺ قال الإشراك بالله و عقوق الوالدين» ٢٣

''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتلاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول ﷺ، آپ نے فرمایا: سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا ہے۔''

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے

"ذكر رسول الله الكبائر او سئل عن الكبائر ، فقال: الشرك بالله وقتل النفس و عقوق الوالدين" ٢٤

''نبی ﷺ نے کبیرہ گناہوں کا ذکر فرمایا یا آپ سے کبیرہ گناہوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور کسی جان کو ناحق قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔''

حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ نے حضرت معاویہ ؓ کو ایک خط لکھا جسے صحیح مسلم میں بیان کیا گیا ہے اس میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

« إن الله حرم ثلاثا و نهى عن ثلاث حرم عقوق الوالد» ٢٥

''اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو حرام کیا اور تین چیزوں سے منع فرمایا ہے: والد کی نافرمانی کو حرام کیا ہے۔''

مزید برآں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

« إن الله حرم عليكم عقوق الأمهات و منع وهات ووأد البنات» ٢٦

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی، حق داروں کو حق نہ دینا اور بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینا، حرام کر دیا ہے۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے دس چیزوں کی وصیت فرمائی، آپ نے فرمایا:

" لا تشرك بالله شيئا وإن قتلت و حرقت ولا تعقن والديك وإن أمراك أن تخرج من أهلك و مالك'' ۲۷

① اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنا اگر چہ تو قتل کر دیا جائے اور تجھے جلا دیا جائے۔

② اپنے ماں باپ کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا اگر چہ تجھے حکم دیں کہ اپنے گھر والوں کو اور مال و دولت کو چھوڑ کر نکل جا۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«رضى الرب فى رضى الوالد وسخط الرب فى سخط الوالد» ۲۸

''اللہ تعالیٰ کی رضا مندی باپ کے راضی ہونے میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی باپ کے ناراض ہونے میں ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک غلام 'ہانی' نے ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ سے استفسار کی کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ کے پاس اللہ کے رسول ﷺ کا دیا، کوئی خاص علم ہے جس کو آپ ظاہر نہیں فرماتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میری تلوار لاؤ، ہانی نے تلوار انہیں دی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کچھ تہہ کئے ہوئے صفحات نکالے اور فرمایا:

" هذا ما سمعت رسول الله ﷺ لعن الله من ذبح لغير الله ولعن الله العاق لوالديه" ۲۹

''یہ ہے تو میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے، جس نے غیر اللہ کے لئے ذبح کیا اور اللہ تعالیٰ لعنت کرے والدین کے نافرمان پر۔''

اسی طرح ایک شخص کو اس کے باپ نے حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس شخص نے نذر مان لی کہ اگر وہ اپنی عورت کو طلاق دے تو اس کو سو غلام آزاد کرنے لازم ہوں گے۔ پھر وہ شخص ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور دریافت کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

" إنى سمعت رسول الله ﷺ يقول: الوالد أوسط أبواب الجنة فإن شئت فحافظ على الباب أو اترك " ۳۰

''میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے اگر تو چاہے تو اس دروازے کی حفاظت کر لے یا اس کو چھوڑ دے۔''

## والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کرنے اور نفلی عبادت کی بھی اجازت نہیں

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

" أن رجلا هاجر إلى رسول الله ﷺ من اليمن فقال هل لك أحد باليمن فقال أبواى فقال: أذنا لك قال :لا ، قال: ارجع إليهما فاستأذنهما فإن آذنا لك فجاهد ولا فبرهما "۳۱

''ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا (اور جہاد کی اجازت طلب کی) تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا یمن میں تمہارا کوئی ہے؟ اس نے کہا: ہاں میرے والدین موجود ہیں تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا انہوں نے تجھے جہاد کرنے کی اجازت دی ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے پاس واپس چلے جاؤ، پھر ان سے اجازت طلب کرو، اگر اجازت دے دیں تو جہاد کرو، اور اگر نہ دیں تو ان کی خدمت کرو۔''

امام مسلم رحمہ اللہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ جریج نامی ایک شخص بہت عبادت گزار تھا، اس کی ماں نے

اپنے بیٹے کو نماز کی حالت میں بلایا اور کہا:

"یا جریج أنا أمك كلمنى فصادفته يصلى فقال: اللهم أمى و صلاتى قال: فاختار صلاته فرجعت ثم عادت فى الثانية فقالت: يا جريج أنا أمك فكلمنى فقال: اللهم أمى و صلاتى فاختار صلاته فقالت: اللهم إن هذا جريج وهو ابنى وإنى كلمته فأبى أن يكلمنى اللهم لا تمته حتى تريه المومسات قال ولو دعت عليه أن يفتن لفتن "۳۲

''اے جریج (بیٹا) میں تیری ماں ہوں، مجھ سے بات کر۔ جریج اس وقت نماز میں تھا۔ اس نے دل میں سوچا، اے اللہ! میری ماں پکارتی ہے اور میں نماز میں ہوں۔ چنانچہ وہ اپنی نماز میں ہی رہا۔ اس کی ماں لوٹ گئی دوسرے دن پھر آئی اور بولی: اے جریج، میں تیری ماں ہوں، مجھ سے بات کر۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا: میرے رب، میری ماں پکارتی ہے اور میں نماز کی حالت میں ہوں۔ بالآخر وہ نماز پڑھتا گیا تو وہ بولی: یا اللہ یہ جریج تو میرا بیٹا ہے میں نے اس سے بات کی لیکن اس نے بات کرنے سے انکار کیا۔ یا اللہ اس کو فوت نہ کر جب تک کہ یہ بدکار عورتوں کا سامنا نہ کرلے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس کی ماں اس وقت کسی بھی فتنے یا آزمائش کی دعا کرتی تو جریج اس فتنے میں مبتلا ہو جاتا۔''

صحیح مسلم میں اس حدیث کے بعد اگلی حدیث میں اس آزمائش کا بھی تذکرہ ہے جو ماں کی بددعا کے نتیجے میں جریج پر واقع ہوئی۔

## والد کی اطاعت، جائز کاموں میں امر لازم ہے حتیٰ کہ والد اگر بیٹے کو طلاق کا حکم دے، تو بیٹے کو طلاق دینا ہوگی۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس کو محدثین نے ''باپ بیٹے کو اس کی بیوی کو طلاق دینے کا حکم دے تو باپ کا حکم ماننا پڑے گا'' کے عنوان کے تحت متعدد کتابوں میں روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"كانت تحتى امرأة و كنت أحبها وكان أبى يبغضها فذكر ذلك عمر للنبى ﷺ فأمر أن أطلقها فطلقتها" ۳۳

''میرے نکاح میں ایک عورت تھی، جس سے میں محبت کرتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ (والد) اس (عورت) کو بُرا جانتے تھے۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے شکایت کی کہ (میں اس کو طلاق دینے کا کہتا اور یہ اپنی بیوی کو طلاق نہیں دیتا) تو نبی اکرم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ اس کو طلاق دے دو تو میں نے طلاق دے دی۔''

اسی طرح ایک شخص کو اس کے باپ نے حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس شخص نے نذر مان لی کہ اگر وہ اپنی عورت کو طلاق دے تو اس کو سو غلام آزاد کرنے لازم ہوں گے۔ پھر وہ شخص ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور دریافت کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"إنى سمعت رسول الله ﷺ يقول: الوالد أوسط أبواب الجنة فإن شئت فحافظ على الباب أو اترك" ۳۴

''میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے۔ اگر تو چاہے تو اس دروازے کی حفاظت کرلے یا اس کو چھوڑ دے۔''

والد کی اطاعت اولاد پر لازمی ہے الا یہ کہ کوئی خلاف شرع کام ہو، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ذکر کرتے ہیں: "لا طاعة فى معصية إنما الطاعة فى المعروف"۳۵

''اللہ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ کرنا چاہئے۔ اطاعت اسی کام میں لازمی ہے جو شریعت کے موافق ہو۔ (یعنی اطاعت صرف جائز کاموں میں ہے)''

# والدین کی خدمت

والدین کی خدمت اولاد پر فرض ہے اور والدین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی اولاد کے مال میں سے تصرف کرے۔

## باپ اپنے بیٹے کے مال میں سے بقدرِ ضرورت لے سکتا کیونکہ بیٹے اوراس کے جان و مال پر باپ اختیار رکھتا ہے

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"إن اطيب ما أكلتم من كسبكم وإن أولادكم من كسبكم"[۳۶]

''سب سے پاکیزہ مال وہ ہے جو تم اپنے ہاتھوں کی کمائی سے کھاتے ہو اور اولاد بھی تمہاری کمائی ہے۔''

حدیث کی متعدد معتبر کتابوں میں نبی اکرم ﷺ کا یہ واقعہ اور فرمان، دس مختلف صحابہ ؓ نے متعدد روایات کی صورت میں ذکر کیا ہے۔حضرت عمرو بن شعیب ؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے بالاختصار ذکر کرتے ہیں:

" جاء رجل إلى النبيﷺ فقال:إن أبي اجتاح مالي فقال: أنت و مالك لإ بيك وقال رسول اللهﷺ إن أولادكم من أطيب كسبكم فكلوا من أموالهم "[۳۷]

''ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرے باپ نے میرا مال تباہ کردیا ہے آپ نے فرمایا کہ تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کے ہیں مزید فرمایا کہ اولاد تو تمہاری بہترین کمائی ہے تو تم ان کا مال کھاؤ۔''

اسی حدیث کو ایک اور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ ؓ نے یوں روایت کیا:

" أن رجلا قال: يارسول الله إن لي مالا وولدا وإن أبي يريد أن يجتاح مالي فقال: أنت و مالك لإبيك "[۳۸]

''ایک شخص نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ، میرے پاس مال ہے لیکن میری اولاد بھی ہے اور میرا باپ چاہتا ہے کہ میرا مال اڑا دے (ضائع کردے) آپ ﷺ نے فرمایا: تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کے ہیں۔''

گذشتہ دونوں احادیث میں ذکر ہونے والا واقعہ بعض کتابوں میں پوری تفصیل سے موجود ہے۔حضرت جابر بن عبداللہ ؓ تفصیل سے بیان کرتے ہیں:

"جاء رجل إلى النبيﷺ فقال: يارسول اللهﷺ: إن أبي أخذ مالي ، فقال النبي للرجل: اذهب فاتني بأبيك ، فنزل جبريل عليه السلام ، على النبيﷺ فقال: إن الله يقرئك السلام و يقول: إذ جاء ك الشيخ فسله عن شئ قاله في نفسه ما سمعته أذناه ، فلما جاء الشيخ قال له النبيﷺ: ما بال ابنك يشكوك ، أتريد أن تأخذ ماله ؟ فقال: سله يارسول الله هل أنفقه إلا على عماته أو خالاته أو على نفسي ؟ فقال النبي ﷺ: ايه دعنا من هذا ، أخبرنا عن شيء قلته في نفسك ما سمعته أذناك ، فقال الشيخ: والله يارسول اللهﷺ ما يزال الله يزيدنا بك يقينا ، لقد قلت في نفسي شيئا ما سمعت أذناي ، فقال: قل ، وأنا اسمع ، قال: قلت:

| | |
|---|---|
| غذوتك مولودا و منتك يافعا | تعل بما اجنى عليك و تنهل |
| إذا ليلة ضافتك بالسقم لم أبت | لسقمك إلا ساهرا أتململ |
| كأني أنا المطروق دونك بالذى | طرقت به دونى فعيناى تهمل |
| تخاف الردى نفسى عليك وأنها | لتعلم ان الموت وقت موجل |
| فلما بلغت السن والغاية التى | اليها مدى ما فيك كنت أومل |
| جعلت جزائى غلظة و فظاظة | كأنك أنت المنعم المتفضل |
| فليتك إذ لم ترع حق أبويى | فعلت كما الجار المجاور يفعل |
| تراه معدا للخلاف كأنه | برد على أهل الصواب موكل |

قال: فحينئذ أخذ النبیﷺ بتلابيب إبنه وقال: أنت و مالك لأبيك، ۳۹

''ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ، میرا باپ میرا مال لے گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ اپنے باپ کو لے کر آؤ۔ اچانک حضرت جبریل علیہ السلام کا نزول ہوا اور فرمایا: اے محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام بھیجتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب تمہارے پاس بوڑھا آدمی (شکایت کرنے والے شخص کا باپ) آئے تو اسے پوچھنا کہ وہ کون سی بات ہے جو تم نے دل میں کہی اور تمہارے کانوں نے بھی نہیں سنا پس جب وہ بوڑھا شخص آیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کیا ماجرا ہے؟ تمہارا بیٹا شکایت کرتا ہے کہ تم اس کا مال لینا چاہتے ہو۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے بیٹے سے پوچھ لیجئے۔ کیا میں نے اس کے مال کو صرف اس کی پھوپھیوں، خالاؤں اور اپنی جان پر ہی خرچ نہیں کیا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اچھا خیر اسے چھوڑو! اب مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کون سی بات ہے جو تم نے دل میں کہی اور تمہارے کانوں تک نے نہیں سنا۔ بوڑھے نے کہا: اللہ کی قسم! اے رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ ﷺ کی ذات پر ہمارے یقین کو بڑھاتا ہے۔ میں نے دل میں واقعتاً ایسی بات کہی تھی جسے میرے کانوں نے نہیں سنا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ بات کہو، میں سنتا ہوں۔ تو اس نے چند اشعار کہے:

میں نے تجھے بچپن میں غذا دی اور جوان ہونے کے بعد بھی تمہاری ذمہ داری اٹھائی۔ تمہارا سب کھانا پینا میری ہی کمائی سے تھا۔ جب کسی رات میں تمہیں کوئی بیماری پیش آگئی تو میں نے تمام رات تمہاری بیماری کے سبب بیداری اور بے قراری میں گزار دی۔ گویا کہ تمہاری بیماری مجھے ہی لگی ہے تمہیں نہیں جس کی وجہ سے میں تمام شب روتا رہا۔ میرا دل تمہاری ہلاکت سے ڈرتا رہا حالانکہ میں جانتا تھا کہ موت کا ایک دن مقرر ہے، پہلے، پیچھے نہیں ہوسکتی۔ پھر جب تم اس عمر اور اس حد تک پہنچ گئے جس کی میں تمنا کیا کرتا تھا۔

تو تم نے میرا بدلہ سختی اور سخت کلامی بنا دیا گویا کہ تمہی مجھ پر احسان وانعام کررہے ہو۔ کاش اگر تم سے میرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں ہوسکتا تو کم از کم ایسا ہی کر لیتے جیسا ایک شریف پڑوسی کیا کرتا ہے۔ تو کم از کم مجھے پڑوسی کا حق تو دیا ہوتا اور خود میرے ہی مال میں میرے حق میں بخل سے کام نہ لیا ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ اشعار سننے کے بعد بیٹے کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا: أنت ومالك لأبيك یعنی جا تو بھی اور تیرا مال بھی سب باپ کا ہے۔'' یہی واقعہ قرطبی میں بھی آیا ہے۔

یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو، عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ، عبداللہ بن عمر، ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے بھی مختلف کتب حدیث میں ان الفاظ سے مروی ہے کہ ''تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔'' شیخ البانی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور بخاری کی شروط کے مطابق اس روایت کے راوی پورے اترتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ ؒ کی حدیث کی کتاب مسندابی حنیفہ میں محمد بن منکدر ؒ، حضرت جابر ؓ کی روایت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أنت و مالك لوالدك»[۴۰]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔''

## یہی وجہ ہے کہ اولاد کو قتل کردینے سے بھی باپ پر قصاص لازم نہیں ہوتا

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

« لا يقتل والد بولده»[۴۱]

''والد کو بیٹے کے بدلے میں (قصاص میں) قتل نہیں کیا جائے گا۔''

اسی مضمون کی متعدد روایات، صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں بکثرت موجود ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔[۴۲]

⦿..........⦿..........⦿

# حوالہ جات

(۱) النحل :۷۲
(۲) النساء:۱
(۳) محمد:۲۲
(۴) المستدرك:۲/۲۵۸
(۵) بنی اسرائیل:۲۳۔۲۴
(۶) صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب من وصل وصله الله:۵۹۸۸
(۷) صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب إثم القاطع:۵۹۸۴
(۸) سنن الترمذی، کتاب البر والصلة عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی قطیعة الرحم:۱۹۰۷
(۹) صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان حال إیمان من رغب عن أبیه وهو یعلم:۶۲
(۱۰) مسند أحمد:۱۵۲۰۹
(۱۱) المستدرك حاكم:۴/۱۵۳
(۱۲) الانفال:۷۵
(۱۳) الاحزاب:۶
(۱۴) بنی اسرائیل :۳۳
(۱۵) عنکبوت:۸
(۱۶) لقمان:۱۴
(۱۷) تفسیر القرآن العظیم:۶/۳۳۷
(۱/۱۷) مفاتیح الغیب:۱۲/۲۶۹
(۱۸) طٰہٰ:۱۳۲
(۱۹) النساء:۶
(۲۰) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب قوا أنفسکم وأهلیکم نارا:۵۱۸۸
(۲۱) النساء:۵۹
(۲۲) الفقه الاسلامی وادلته:۹/۷۴۹
(۲۳) صحیح بخاری ، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر:۵۹۷۶، صحیح مسلم ، کتاب الإیمان، باب بیان الکبائر وأکبرها:۸۷

(۲۴) صحیح بخاری، کتاب الأدب ، باب عقوق الوالدین من الکبائر:۵۹۷۷، صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان الکبائر وأکبرھا: ۸۸

(۲۵) صحیح مسلم، کتاب الأقضیة، باب النھی عن کثرة المسائل من غیر حاجةوالنھی:۵۹۳

(۲۶) صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر:۵۹۷۵، صحیح مسلم، کتاب الأقضیة، باب النھی عن کثرة المسائل من غیر حاجة والنھی عنه:۵۹۳

(۲۷) مسند احمد:۲۳۸/۵

(۲۸) المستدرك للحاکم، کتاب البر والصلة:۱۵۲/۴

(۲۹) المستدرك للحاکم:۱۵۳/۴

(۳۰) سنن ابن ماجه: کتاب الأدب، باب بر الوالدین:۳۶۶۳

(۳۱) سنن ابی داؤد ، کتاب الجھاد، باب فی الرجل یغزو وأبواہ کارھان:۲۵۳۰

(۳۲) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والأداب، باب تقدیم بر الوالدین علی التطوع بالصلاة وغیرھا:۲۵۵۰

(۳۳) سنن ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب الرجل یأمر ہ أبوہ بطلاق امرأته:۲۰۸۸

(۳۴) المستدرك للحاکم:۱۵۲/۴، سنن ابن ماجه: کتاب الأدب، باب بر الوالدین:۳۶۶۳

(۳۵) صحیح مسلم، کتاب الأخبار الأحاد، باب ما جاء فی إجازةخبر الواحد:۷۲۵۷

(۳۶) سنن الترمذی، کتاب الأحکام عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء أن الوالد یأخذ من مال ولدہ: ۱۳۵۸، سنن ابن ماجه، کتاب التجارات، باب ما للرجل من مال ولدہ:۲۲۹۰

(۳۷) سنن ابن ماجه، کتاب التجارات، باب ما للرجل من مال ولدہ:۲۲۹۲

(۳۸) سنن ابن ماجه، کتاب التجارات، باب ماللرجل من مال ولدہ:۲۲۹۱

(۳۹) الجامع الاحکام القرآن:۲۴۶/۹، الطبرانی ،ابی القاسم سلیمان بن احمدمعجم الصغیر، دار الفکر ،بیروت ،۱۴۰۱ھ - ۱۹۸۱ء:۱۹۵، الالبانی ،محمد ناصر الدین ،ارواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل، المکتب الاسلامی ، بیروت،۱۳۹۹ھ-۱۹۷۹ء:۳۲۳/۳_۳۲۹

(۴۰) الأصبھانی ، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ ، مسند ابی حنیفه، مجمع البحوث الاسلامیه ، اسلام آباد،۲۰۰۰ء:۲۱۵

(۴۱) سنن الترمذی، کتاب الدیات، باب ما جاء فی الرجل یقتل ابنه یقاد منه أم لا:۱۴۰۱، سنن ابن ماجہ:کتاب الدیات، باب لایقتل الوالد بولدہ:۲۶۶۲، مسند احمد:۳۴۸

(۴۲) ارواء الغلیل:۲۶۹/۷_۲۷۲

# فصل دوم

والدین کے معاشی حقوق

والدین کا حق مشاورت

بعد از وفات والدین کے حقوق

# والدین کے معاشی حقوق

والدین اولاد کے لیے نعمت عظمیٰ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے محسن اور ہمدرد بھی ہیں اولاد کے عدم سے لے کر ان کے وجود اور وجود ہی نہیں ان کی ساری زندگی تک اللہ تعالی کے احسان و انعام اور خیر و برکت کی علامت ہیں۔ اسی چیز کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کا نفقہ اولاد پر واجب اور ان کی ذمہ داری قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ 1

''تیرے رب نے فیصلہ کر دیا: کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اس کی اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔''

قرآن کریم کی مذکورہ اور دیگر آیات واحادیث میں برالو الدین کا درس دیا گیا ہے اب ہم دیکھتے ہیں کہ برالو الدین کسے کہتے ہیں؟

## برالوالدین کا مفہوم

والدین کے ساتھ نیکی کرنا ایک جامع کلمہ ہے جو ہر قسم کی خیر اور پسندیدہ فصل کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے یعنی والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ان کا احترام کرنا، ان کے ساتھ ادب سے پیش آنا، ان کے لیے اپنا مال صرف کرنا، ان کے حقوق کا خیال رکھنا، ان کے پسندیدہ امور کو بجالانا اور ان کی ناپسندیدگی سے بچنا، نافرمانی نہ کرنا اور ان کو کسی قول وفعل سے اذیت نہ دینا وغیرہ۔ 2

مذکورہ سطور میں حقوق والدین کا تذکرہ کیا گیا ہے اگر ان کو بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ والدین کے حقوق میں سب سے بڑا حق ان پر ان کے بڑھاپے میں خرچ کرنا ہے بیٹا خواہ مال دار ہو یا تنگ دست، اگرچہ والدین کا مذہب مختلف ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ 3

''دینا میں معروف طریقے سے ان کا ساتھ دو۔''

بلاشبہ دنیاوی ضروریات مال کے بغیر پوری ہو ہی نہیں سکتیں۔

## والدین کے معاشی حقوق کی ادائیگی....احادیث کی روشنی میں

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«إن أطيب ما أكل الرجل من كسبه وو لده من كسبه فكلو ا من أموالهم » 4

''بلاشبہ سب سے پاکیزہ چیز وہ ہے جو انسان اپنی کمائی سے کھائے اور اس کی اولاد اس کی کمائی سے ہی ہے لہٰذا تم ان کا مال کھاؤ۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" أنت و مالك لأبيك" تم اور تمہارا مال (دونوں) تمہارے والد کے لیے ہیں۔ 5

مزید برآں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"إن أولادكم هبة الله لكم فهم وأموالكم لكم إذا احتجتم إليه "٦

''بلاشبہ تمہاری اولاد تمہارے لیے اللہ تعالی کا عطیہ ہے پس وہ اوران کے اموال تمہارے لیے ہیں جب کہ تم اس کے محتاج ہو۔''

شیخ البانی ؒ مذکورہ حدیث مبارکہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اولاد اپنے بیٹے کے مال سے اپنی مرضی کے مطابق ہر چیز نہیں لے سکتا، بلکہ فی الحقیقت جس چیز کا محتاج ہے وہی لے سکتا ہے۔ ۷

امام ابن منذر ؒ کہتے ہیں کہ اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ ایسے تنگ دست والدین، جنکا نہ کوئی ذریعہ معاش ہو اور نہ ہی کوئی مال ہو تو ایسی صورت میں انکا خرچ اپنے ان (چھوٹے) بچوں کا خرچ بھی واجب ہے جن کے پاس ابھی کوئی مال نہیں۔ ۸

علامہ ابن قدامہ ؒ بھی اسی بات کے قائل ہیں:

اس بات میں علماء وفقہاء کا اختلاف ہے کہ اگر بیٹا باپ پر خرچ نہ کرے تو اس کے مال کو استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر بیٹے کا مال باپ لے سکتا ہے تو کس قدر؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے تین اقوال ہیں:

① باپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ضروری نفقہ کے سوا اپنے بیٹے کے مال میں سے کچھ حصہ لے اور وہ اس وقت، جب وہ ضرورت مند ہو، بیٹے کا مال اسی کی اپنی ملکیت ہے اور باپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی ضرورت سے زیادہ اس کے مال سے کچھ لے، البتہ بیٹا اپنی رضا مندی سے دے دیتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

## قائلین

یہ قول جمہور اہل علم اور حنفیہ، مالکیہ اور شوافع میں سے اکثر فقہاء کرام کا ہے امام احمد ؒ سے بھی اس قول کی ایک روایت موجود ہے جبکہ حنابلہ میں سے ابن عقیل کا بھی یہی قول ہے۔

صحابہ وتابعین میں سے حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ کا یہی قول ہے اور کبار فقہائے تابعین قاضی شریح ؒ، جابر بن زید ؒ، محمد بن سیرین ؒ، حماد بن ابی سلیمان ؒ اور زہری ؒ کا بھی یہی قول ہے جبکہ ابراہیم نخعی ؒ اور مجاہد ؒ سے بھی ایک ایک روایت مروی ہے اس قول کے قرآن وسنت، اجماع اور عقل وفہم سے دلائل بالترتیب حسب ذیل ہیں۔

## قرآن کریم سے دلائل

اللہ تعالی فرماتے ہیں

① ﴿ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَ الِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴾ ۹

''لوگ سوال کرتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں؟ جواب دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر، یتیموں پر، مساکین پر، مسافروں پر خرچ کرو اور جو بھلائی بھی تم کرو گے اللہ تعالی اس سے بخوبی واقف ہے۔''

امام قرطبی ؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''غنی شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنے محتاج والدین پر ان کے کھانے، پینے، اوڑھنے وغیرہ پر اتنا خرچ کرے جتنا اپنے اوپر خرچ کرتا ہے۔'' ۱۰

مذکورہ آیت کریمہ مال پر بیٹے کی ملکیت کو ثابت کرتی ہے اور والدین کو اللہ تعالی نے مصارفِ اِنفاق میں ذکر کیا ہے لہذا باپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بیٹے کے مال کو اپنی ملکیت بنائے اگر بیٹے کا مال باپ کا ہی ہوتا تو والدین کا نفقہ ثابت نہ ہوتا اور پیچھے فقہاء کا اتفاق گزر چکا ہے کہ ضرورت مند والدین کا نفقہ بیٹے کے ذمہ واجب ہے۔[11]

مزید برآں اللہ تعالی کا فرمان ہے :

② ﴿ وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ...الخ ﴾ [12]

''اگر اس کی اولاد ہو تو اس کے ترکے میں سے ماں باپ ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''جب اللہ تعالی نے باپ کو بیٹے کی میراث میں سے دیگر ورثاء کی مانند ایک مقرر حصہ دیا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیٹا بلاشرکت غیر اپنے مال کا خود مالک ہے۔''[13]

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''اللہ تعالی نے بیٹے کی موت پر ماں کو مقرر حصہ دیا ہے اور یہ امر محال ہے کہ بیٹے کی موت پر ماں کو بیٹے کے مال کی بجائے، باپ کے مال میں سے مقرر حصہ دیا جائے۔''[14]

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''اللہ تعالی نے میت کے مال میں والدین، خاوند، بیوی، بیٹے اور بیٹیوں سمیت تمام ورثاء کے حصے مقرر کر دیئے ہیں اگر بیٹے کا مال والد کی ملکیت ہوتا تو مذکورہ تمام ورثاء محروم ہو جاتے کیونکہ وہ ایک زندہ انسان والد کا مال ہوتا۔''[15]

## حدیث سے دلائل

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

"إن دماء كم و أموالكم وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يو مكم هذا فى شهركم هذا فى بلدكم هذا"[16]

''بے شک تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزت وآبرو تمہارے اس دن، اس شہر اور اس مہینے کی حرمت کی طرح تمہارے درمیان حرام ہیں۔''

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''نبی کریم ﷺ نے مومنوں کے اموال کو ایسے ہی حرام ٹھہرایا ہے جس طرح ان کے خونوں کو حرام کیا گیا ہے اور اس حرمت میں والد سمیت کسی کو بھی مستثنٰی نہیں کیا گیا۔''[17]

نبی کریم ﷺ نے حرمت اموال کو، حرمت ابدان کی مانند قرار دیا ہے جس طرح باپ کے لیے سوائے حقوق واجبہ کے اپنے بیٹوں کے ابدان حرام ہیں اسی طرح اموال بھی حرام ہیں سوائے اور حقوق واجبہ سے مراد اس کے نفقہ کی ضروریات ہیں۔

② امام بیہقی رحمہ اللہ اپنے استدلال کے لیے ایک مرسل روایت بھی لائے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"كل أحد أحق بما له من والده وولده والناس اجمعين"[18]

## اجماع امت

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نصوص اور اجماع سے یہ صحیح ثابت ہو چکا ہے کہ کسی آدمی کے پاس غلام اور باندی ہو اور ان دونوں کا والد بھی زندہ ہو تو وہ غلام اور لونڈی اپنے مالک کی ملکیت ہیں باپ کی نہیں۔''[19]

## عقلی دلائل

امام سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیٹے کے مال میں باپ کی ملکیت نہیں ہے۔ جس طرح باپ اپنے بیٹے کا مالک نہیں ہے۔ اسی طرح بیٹے کی کمائی کا بھی مالک نہیں ہے کیونکہ بیٹا ہی اپنی کمائی کا حقیقی مالک ہے حتیٰ کہ اپنے مال میں تصرف کا حق صرف بیٹے کو حاصل ہے کہ وہ اپنی لونڈی سے مباشرت کرے یا اپنا غلام آزاد کر دے بچپن میں والد نگران ہونے کی حیثیت سے بیٹے کے مال میں تصرف کرتا رہتا ہے مگر بیٹے کی بلوغت کے بعد یہ سبب زائل ہو جاتا ہے اب وہ خود اپنے مال میں تصرف کا زیادہ حقدار ہے۔

اگر بیٹے کا مال باپ کی ملکیت ہے تو باپ جب اپنے بیٹے کو ہبہ کرتا ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ وہ خود اپنی ذات کو ہی ہبہ کرتا ہے حالانکہ یہ فضول بات ہے جس کا اہل علم میں کوئی بھی قائل نہیں ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیٹے کا مال اسی کی ملکیت ہے باپ کی ملکیت نہیں ہے۔

## دوسرا قول

باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے مال سے جب چاہے، جتنا چاہے، لے لے اور اپنی ملکیت بنائے خواہ باپ کو اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو بیٹا چھوٹا ہو یا بڑا، بیٹی ہو یا بیٹا وہ مال دینے پر خوش ہو یا ناخوش، بیٹے کو باپ کے مال کا علم ہو یا نہ ہو۔

## قائلین

یہ قول صحابہ میں سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔

فقہائے تابعین میں سے مسروق بن اجدع رحمہ اللہ، سعید بن مسیّب رحمہ اللہ، ایک روایت کے مطابق ابراہیم نخعی رحمہ اللہ، عامر شعبی رحمہ اللہ، مجاہد رحمہ اللہ، حسن بصری رحمہ اللہ، حکم بن عتبہ رحمہ اللہ اور قتادہ بن دعامہ سدوسی رحمہ اللہ سے بھی یہی قول مروی ہے۔

فقہاء تابعین میں سے یہ قول ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ، محمد بن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ کا ہے اور متاخرین میں سے امام صنعانی رحمہ اللہ نے حدیث 'انت و مالك لابيك' سے استدلال کرتے ہوئے اسی قول کی تائید کی ہے۔

## دلائل

## قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَاعَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَاعَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ

اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآئِکُمْ اَوْبُیُوْتِ اُمَّھٰتِکُمْ......الخ﴾ [۲۰]

''کوئی حرج نہیں اگر کوئی اندھا یا لنگڑا یا مریض (کسی کے گھر سے کھائے) اور نہ تمہارے اوپر اس میں کوئی مضائقہ ہے کہ اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے۔''

اس آیت کریمہ میں وجہ دلالت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے یہاں پر دس (۱۰) قسم کے لوگ بیان کیے ہیں جن کے گھروں سے کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے ان دس (۱۰) میں اولاد کا کوئی تذکرہ نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں 'أو بیوت أولادکم' کے الفاظ نہیں ہیں کیونکہ 'اولاد' من بیوتکم کے حکم میں ہی داخل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کے گھر، والدین کے اپنے گھروں کی مانند ہوتے ہیں اس لیے اولاد کے گھروں کا الگ سے ذکر نہیں کیا گیا لہذا اولاد کے گھر بھی والدین کے ہیں بلکہ والدین کے ہی ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ حدیث 'أنت وما لك لأبيك' درحقیقت، کتاب اللہ سے ہی ماخوذ اور اس آیت کے ضمن میں موجود مخفی نتائج اور مضمرات کی تفصیل ہے۔[۲۱]

② امام ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے بیٹا اپنے باپ کے لیے عطیہ (ہبہ) بنایا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے ﴿وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ﴾[۲۲]

''اور ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کیے۔''

لہذا جو چیز باپ کو ہبہ کی گئی ہے اس میں باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے غلام کی مانند اس اولاد کا مال بھی لے سکتا ہے۔[۲۳]

## حدیث نبوی ﷺ سے دلائل

① ام المومنین سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور وہ اپنے باپ کے ساتھ اس کو دیئے گئے قرض کے ساتھ جھگڑا کر رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: " أنت وما لك لأبيك " تو اور تیرا مال تیرے باپ کے لیے ہے۔[۲۴]

② عمرو بن شعیب رحمہ اللہ عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور وہ اپنے باپ کے ساتھ جھگڑا کر رہا تھا اس آدمی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ (میرا باپ) میرے مال کا ضرورت مند ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ' انت و مالك لابيك '، تو اور تیرا مال تیرے باپ کے لیے ہے۔[۲۵]

③ سیدنا عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا میرے پاس مال اور باپ ہے اور میرا باپ میرے مال کا صفایا کرنا چاہتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا

'انت ومالك لابيك '، تو اور تیرا مال تیرے باپ کے لیے ہے مزید فرمایا کہ ہماری اولادیں تمہاری بہترین کمائی ہیں پس تم اپنی اولادوں کی کمائی سے کھاؤ۔[۲۶]

## تیسرا قول

یہ قول بھی دوسرے قول کی طرح ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے مال پر قبضہ کر سکتا ہے لیکن انہوں نے چند شرائط لگا دی ہیں جن کی موجودگی میں باپ اپنے بیٹے سے مال لے سکتا ہے۔

## قائلین

یہ حنابلہ کا قول ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔[27]

## شرائط

① مال بیٹا کی ضرورت سے زائد ہے تاکہ اس مال کو اپنی ملکیت میں لینے سے بیٹے کو ضرر نہ پہنچے کیونکہ ضرر سے منع کیا گیا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"لاضرر و لا ضرار"[28]

لٰہذا باپ، اپنے بیٹے کے ایسے مال کو اپنی ملکیت میں نہیں لے سکتا جو اس کی ضروریات زندگی سے متعلق ہو۔ جیسے کوئی مشینری جس سے وہ روزی کماتا ہے یا تجارت میں راس المال وغیرہ کیونکہ شریعت کی نظر میں انسان کی ضرورت اس کے فرض پر مقدم ہے جو باپ پر بھی بالاولیٰ مقدم ہے۔

چنانچہ فقہاء و تابعین میں عطا ابن ابی رباح مکی سے منقول ہے کہ باپ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے مال کو اپنی ملکیت میں لے سکتا ہے بشرطیکہ بیٹے کو اس سے ضرر نہ ہو۔

② باپ وہ مال اپنے لیے حاصل کرے نہ کہ وہ دوسرے بیٹے کو دے دے یعنی ایک (زید) کا مال لیکر دوسرے بیٹے (عمرو) کو نہ دیا جائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ باپ اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو مال عطیہ وغیرہ دیدے اور دیگر کو چھوڑ دے۔[29]

جب باپ اپنے ذاتی مال سے اپنی اولاد میں، عطیہ دینے کے لیے کسی کو خاص نہیں کرسکتا۔ تو ایک بیٹے کے مال سے لیکر دوسرے کو دینے کے لیے خاص کرنا بالاولیٰ حرام ہے۔

③ بیٹے کے مال کو اس وقت اپنی ملکیت بنانا جب کہ بیٹا یا باپ مرض الموت کی حالت میں نہ ہوں۔ کیونکہ مرض کے ساتھ ملکیت بنانے کا وقت ختم ہو گیا۔

④ باپ کافر اور بیٹا مسلمان ہو تو اس وقت بھی باپ اپنے بیٹے کے مال سے کچھ نہیں لے سکتا بالخصوص اس وقت جب بیٹا کافر ہونے کے بعد مسلمان ہو جائے اور اس کا باپ کفر ہی پر قائم ہو۔[30]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اسی سے مشابہ صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ باپ مسلمان ہو اور بیٹا کافر ہو اس صورت میں بھی باپ اپنے بیٹے کے مال سے کچھ نہیں لے سکتا کیونکہ اختلاف ادیان سے ولایت اور وراثت منقطع ہو جاتی ہے"۔

⑤ قول یا نیت سے قبضہ کر لینے سے پہلے بیٹے کے مال میں باپ کا تصرف غیر صحیح ہے۔ اگر چہ غلام ہی آزاد کرنا ہو کیونکہ بیٹے کی اپنے مال پر مکمل ملکیت ہے اور وہ اپنے مال میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے اور اپنی لونڈی کے ساتھ مباشرت کرسکتا ہے اگر لونڈی کی ملکیت بیٹے اور باپ میں مشترک ہو تو وہ اس لونڈی کے ساتھ بالکل مباشرت نہیں کرسکتا جیسا کہ وہ کسی اور شخص کے ساتھ مشترکہ لونڈی سے مباشرت نہیں کرسکتا ہے الغرض باپ کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس شے کو اپنی ملکیت بنانا چاہتا ہے اسے پہلے اپنے قبضہ میں لے اور پھر اس میں تصرف کرے، بنابریں باپ اپنے بیٹے کے قرض یا جرمانے کا مالک نہیں بن سکتا کیونکہ وہ ابھی تک قبضہ میں نہیں آیا۔

مذکورہ شرائط کا گہرا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پہلی شرط ہی اہم ترین شرط ہے جبکہ بقیہ شرائط کا ہر حال اور جملہ معاملات میں لحاظ کرنا ضروری نہیں ہے اور یہ شرائط ہمارے اس مسئلہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔

## خلاصہ کلام

اگر سابقہ اقوال اور دلائل کو بنظرِ عمیق دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ تیسرا قول اپنی شروط و قیود سے پہلے کے موافق ہے۔ کیونکہ انہوں نے باپ کیلئے بیٹے کے مال سے لینے کے مطلق جواز کو چند شرائط کے ساتھ مقید کیا ہے اور بیٹے کو ضرر نہ پہنچنے کی قید لگائی ہے۔

◉ جمہور کے قول سے واضح ہوتا ہے کہ باپ بلاضرورت اپنے بیٹے کے مال سے نہیں لے سکتا۔ اس قول میں جمہور نے طرفین (باپ، بیٹے) دونوں کی رعایت رکھی ہے۔ باپ کا حق بوقت ضرورت، نفقہ حاصل کرنے کے ذریعے محفوظ ہے اور اس قول میں خاندانی مشکلات کا حل اور ہر فریق کو اپنے ایمان کی زیادتی اور اللہ تعالی کی تقسیم پر قناعت کرنے کی دعوت دی ہے۔ اسی قول سے دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور اسی میں مذکورہ حکم و اسرار سے سینہ کھل جاتا ہے اور عقل پرسکون ہو جاتی ہے۔

◉ اس بنا پر اگر باپ بیٹے کے مال کو اپنی ملکیت بنانے اور اپنی ضرورت سے زیادہ حاصل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور بیٹا اس مطالبے کو مسترد کر دیتا ہے تو وہ بیٹا نافرمان اور گنہگار نہیں ہوگا۔ کیونکہ بقدر ضرورت ان پر خرچ کر کے وہ اپنا فریضہ ادا کر رہا ہے۔ اور ان کے حق میں کوتاہی نہیں کر رہا۔

◉ یہ ایک پہلو سے ہے، اگر دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو یہ اور واضح ہوتا ہے کہ علماءً کرام کا اختلاف رحمت ہے۔ مثال کے طور پر اگر معاملہ قاضی کے پاس عدالت میں چلا جاتا ہے تو قاضی دلائل، شہادات اور حالات کو سامنے رکھ کر علماء کے ان اقوال میں سے کسی احسن اور موافق حالت کو دیکھ کر فیصلہ دے سکتا ہے۔

◉ باپ کے لیے نصیحت ہے کہ وہ نیکی پر اپنے بیٹے کا تعاون کرے نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"رحم الله ولداً اعان ولده على بره"[۳۱]

تاکہ بیٹا بھی اس کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک سے پیش آئے، والد کی طرف سے نیکی طبعی امر ہے۔ جبکہ بیٹا اس کا مکلّف ہے۔

◉ اس میں بیٹے کو بھی نصیحت ہے کہ وہ باپ کے ساتھ نیکی اور حسن وسلوک سے پیش آئے ان کے لیے جود وسخا کے ہاتھ کھول دے اور ان پر خرچ کرنے میں کنجوسی نہ کرے تنگی اور احسان محسوس کیے بغیر بلا مطالبہ ان کو دیتا رہے خصوصاً جب اللہ تعالی نے رزق کی وسعت دی ہو بلکہ والدین کے ساتھ احسان کرنا زیادتی رزق اور طوالت عمر کا سبب ہے جیسا کہ مشہور احادیث میں موجود ہے۔

◉ اسی طرح بیٹا جب محسوس کرے کہ اس کے والدین اس کے مال سے توقع رکھتے ہیں اور وہ بلاعذر اس میں سے لینا چاہتے ہیں تو اسے چاہیے کہ وہ ان کے ساتھ حکیمانہ راستہ اختیار کرے، ان کے ساتھ نیکی کرے اور ان کو غصہ دلانے کا سبب نہ بنے کیونکہ دانا شخص کبھی وسیلوں کا راستہ ختم نہیں کرتا اور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کو پیش نظر رکھے۔

"لايجزى ولد والدا إلا أن يجده مملوكا فيشتريه فيعتقه" [۳۲]

''کوئی شخص بھی اپنے والد کا حق ادا نہیں کر سکتا الا کہ وہ اپنے والد کو غلام پائے تو خرید کر اس کو آزاد کر دے۔''

◉ نیک بیٹے کو چاہیے کہ وہ والدین کی رضا میں اللہ تعالی کی رضا تلاش کرے جیسا کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

سائل نے ان سے پوچھا'ماحق الوالدین علی الولد' کہ بیٹے پر والدین کا کیا حق ہے تو انہوں نے فرمایا:

"لو خرجت من أهلك وما لك ما أديت حقهما"٣٣

اگر تو مال اور اپنے اہل وعیال سے بھی نکل جائے تو تب بھی تو نے ان کا حق ادا نہیں کیا۔

◉ حسن بصری رحمہ اللہ سے جب والدین سے حسن سلوک کا سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا'ان تبذل لهما ما ملكت وإن تطيعهما فى ما امراك إلا أن تكون معصية"٣٤

''والدین کے ساتھ حسن سلوک یہ ہے کہ تو اپنی ملکیت میں موجود ہر شے کو ان کے لیے خرچ کر دے اور ان کے ہر حکم کی اطاعت کرے سوائے معصیت کے۔''

◉ امام ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ مرسل سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم جانتے ہو کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے، سے بھی افضل نفقہ کون سا ہے؟ تو صحابہ کرام نے کہا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹے کا اپنے والدین پر خرچ کرنا۔''٣٥

# والدین کا حق مشاورت

پیدائش سے بلوغت تک اولاد کی کفالت وحضانت ،تعلیم وتربیت اور دیگرضروریات زندگی کی فراہمی والدین کے فرائض میں شامل ہے بلوغت تک کی عمر چونکہ ناپختگی اورمحتاجی کی ہوتی ہے اور بلوغت کے بعد انسان کو اپنے شریک حیات کی تلاش ہوتی ہے تو اس کے انتخاب اوراس بارے میں مختلف لوگوں سے مشاورت کرتا ہے لہٰذا اس سلسلے میں اگر کسی کا مشورہ پرخلوص اور جلب منفعت اوردفع مضرت کا حامل ہوسکتا ہے تو وہ والدین کا ہی ہوسکتا ہے اس لیے کہ والدین کی اولاد سے محبت ، الفت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ انہیں کسی قسم کے نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے ۔اور وہ اپنی اولاد کو اپنی زندگی کے تجربات کی روشنی میں مشورہ دیتے ہیں جوانسان کی کامیاب زندگی کا سبب بنتا ہے اور دوسری طرف والدین کو یہ حق حاصل ہے کہ اولاد ان کے مشورے کے بغیر قدم نہ اٹھائیں ۔البتہ زندگی کے دوتین کاموں میں تو والدین سے مشورہ انتہائی ضروری ہے مثلاً نکاح وطلاق اور جہاد وغیرہ جیسے مسائل میں جن کی تفصیل بالترتیب حسب ذیل ہے ۔

## شادی

اولاد بلوغت کے بعد سب سے بنیادی مسئلہ شادی ہے جوانسان کی فطری ضرورت ہے گویا انسان کی یہ عمر والدین اور اولاد میں شادی کے معاملے میں اختلاف کو پیدا کرتی ہے ۔اوراس اختلاف کی بنیادی طور پر دو وجوہات ہیں ۔

ایک وجہ تو خود والدین کی طرف سے پیدا ہوتی ہے وہ یہ کہ بعض والدین اپنے ذاتی اغراض ومقاصد اور خاندانی عصبیت کو مدنظر رکھتے ہوئے بچوں کے لیے رشتے تلاش کرتے ہیں اوراس بات کو مدنظر نہیں رکھتے کہ بچے اب سن شعور اور حالات کو سمجھنے والے ہیں اور آئندہ زندگی بچوں نے خود ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے گزارنی ہے چنانچہ جب ایسے والدین، اپنے مفاد کو اولاد کے مفادات پر ترجیح دینے لگتے ہیں تو اولاد اور والدین کے درمیان جھگڑا اور اختلاف جنم لیتا ہے حتیٰ کہ اگر اولاد والدین کی ضد سے شادی کربھی لے تو اکثر وبیشتر ایسی شادیاں کامیاب ہی نہیں ہوتیں ۔اس لیے اگرلڑکے کی شادی کے موقع پر انسان ہونے کے ناطے والدین کے دل میں میل ہوتو انہیں فوراً اس میل کو دور کردینا چاہیے اس میں جہاں اللہ تعالیٰ رضامندی حاصل ہوگی ۔ وہاں خود ان اولاد کی بھی خوش ہوگی ۔اور اپنے والدین کے لیے اولاد ہمیشہ دعاگو رہے گی ۔

مذکورہ اختلاف کی دوسری وجہ، خود اولاد بنتی ہے وہ اس طرح کہ اگر اولاد کی صحیح اسلامی تربیت نہ ہو یا جوانی کے جذبات انہیں مدہوش کررہے ہوں تو وہ اپنے مشفق والدین کو اپنا دشمن سمجھنے لگتے ہیں اوران کی رضامندی کو اپنے لیے باعث ہلاکت سمجھتے ہیں گویا جذبات کی مغلوبیت اور تربیت کی کمی کی وجہ سے اولاد ضدی بن جاتی ہے اوراس سلسلے میں اپنی من مانی کرنا چاہتی ہے اور والدین سے اختلاف پیدا ہوجاتا ہے ۔ حالانکہ والدین کا فیصلہ ہر حال میں ان کے حق میں بہتر ہوتا ہے ایسے موقع پر وہ بچے نقصان اٹھاتے ہیں جو والدین کا کہا نہیں مانتے ۔

اگر مذکورہ وجوہات کو بنظرعمیق دیکھا جائے تو جو حقیقت کھل کر سامنے آئے گی وہ یہ ہے، اگر اولاد کی شادی کا مسئلہ والدین اور اولاد کے درمیان مفاہمت اور مشاورت سے حل کیا جائے تو اس کی نظیر نہیں مل سکتی ۔ اولاد بھی اپنی خواہشات اور مافی ضمیر کو والدین کے

سامنے رکھیں اور والدین بھی ان کی خواہشات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ان کے نفع ونقصان کو سامنے رکھیں گے اوران کو ایسا مشورہ دیں گے جو دین و دنیا کے لحاظ سے مفید اور قابل تحسین ہوگا۔ گویا والدین کا مشورہ اولاد کو اطاعت کرتے ہوئے قبول کرنا چاہیے۔

البتہ نکاح کے معاملے میں لڑکا خود مختار ہے اور وہ بلوغت اور رشد کی عمر کو پہنچنے کے بعد اپنی شادی کسی بھی لڑکی سے کرسکتا ہے جس سے شادی کرنے میں کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہواس کا سبب یہ ہے کہ شریعت نے لڑکے کے لیے اس چیز کی شرط نہیں لگائی کہ وہ گھر والوں کی اجازت سے شادی کرے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اسے اپنے والدین اور گھر والوں سے اپنی شریک کے انتخاب میں مشورہ کرنا چاہیے۔اوران کو اپنے رشتے پرخوش کرنا چاہیے۔کیونکہ والدین سے حسن سلوک کو بڑی اہمیت حاصل ہے اوراس کی بڑی تاکید ہے لیکن اگر وہ والدین کی اجازت کے بغیر کہیں بھی اپنی مرضی سے شادی کرلیتا ہے تو اس کی شادی بہر حال درست ہوگی۔تاہم اس کے برعکس لڑکی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے والدین کی اجازت بالخصوص ولی کی رضامندی کے بغیر شادی نہ کرے کیونکہ اس کے لیے ایسا کرنا حرام ہے اور ولی کی اجازت کے بغیر کیا ہوا نکاح اسلام کی نظر میں منعقد نہیں ہوتا۔

حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لانكاح إلا بولي"[٣٦]

''ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔''

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"أيما امرأة نكحت بغير إذن مواليها فنكاحهاباطل ثلاث مرأت فإن دخل بها فالمهرلها بما أصاب منها فإن تشاجروا فالسلطان ولی من لاولی له"[٣٧]

''جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے آپ ﷺ نے یہ کلمات تین مرتبہ دہرائے (پھراسی ممنوع نکاح کے بعد) اگر مرد اس عورت کے ساتھ ہم بستری کرے تو اس پر مہر کی ادائیگی واجب ہے کہ جس کے بدلے اس نے عورت کی شرمگاہ کو چھوا، اگر اولیاً کا آپس میں اختلاف ہوجائے تو جس کا کوئی ولی نہ ہواس کا ولی حکمران ہے۔''

لیکن اس کا یہ قطعا مطلب نہیں ہے کہ شادی میں لڑکی کا کوئی اختیار ہی نہیں اور والدین جہاں چاہیں اس کا زبردستی نکاح کردیں بلکہ اسلام نے والدین، لڑکی اور لڑکے کی آپس میں مشاورت کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے کہ والدین اپنے مفادات کے لیے لڑکی پر ظلم کرتے ہوئے اس کی شادی کریں، نہ لڑکی اپنی مرضی کو والدین پر ترجیح دے بلکہ باہم مشاورت اور مفاہمت سے شادی کے معاملے کو حل کریں، گویا والدین لڑکی سے، اس کے رشتے کے بارے میں مشاورت کریں اس بارے میں نبی کریم ﷺ کے فرامین حسب ذیل ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"لاتنكح الأيم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستأذن قالوا يارسول اللهﷺ وكيف إذنها قال ان تسكت"[٣٨]

''شوہر دیدہ کا نکاح اس سے اذن طلب کرنے سے قبل نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے، صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کنواری اجازت کیسے دے گی۔تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کی اجازت (مشورہ) اس کا خاموش رہنا ہے۔''

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"والبكر تستأذن في نفسها وإذنها صماتها"۳۹

''کنواری سے اجازت (مشورہ) لی جائے گی اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔''

ان صریح فرامین رسول اللہ ﷺ کے باوجود اگر ولی اپنی جوان لڑکی کا نکاح کہیں زبردستی کر دیتا ہے تو شریعت کی رو سے اس لڑکی کو وہ نکاح منسوخ کرانے کا حق حاصل ہے۔

حضرت خنساءؓ بنت خذام انصاریہ ؓ بیان کرتی ہیں:

"إن أباها زوجها وهي ثيب فكرهت ذلك فاتت رسول الله ﷺ فرد نكاحها"۴۰

''وہ بیوہ تھیں اور ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا جبکہ وہ اس کو ناپسند کرتی تھیں چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اور اس بات کا ذکر کیا) تو آپ ﷺ نے (اس کے والد کا کیا ہوا) نکاح رد کر دیا۔''

گویا مذکورہ تمام صریح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کو اپنی اولاد سے مشورہ کر کے اور اولاد کو خود بخود نکاح کرنے کی بجائے اپنے والدین سے مشاورت کے ساتھ نکاح کے معاملے کو حل کرنا چاہیے۔ ورنہ شریک حیات کے حوالے سے ناکامی وندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

## طلاق

اولاد یعنی لڑکے کو چاہیے کہ والدین کے مشورے کو مانتے ہوئے اپنی بیوی کو طلاق دے دے جسطرح حضرت ابراہیمؑ کے مشورے سے حضرت اسماعیلؑ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی اور حضرت ابن عمرؓ نے اپنے باپ کے مشورے کی اطاعت کرتے ہوئے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو ملنے کے لیے مکہ گئے مگر وہ گھر موجود نہ تھے حضرت ابراہیمؑ نے ان کی بیوی سے پوچھا کہ تمہاری زندگی کیسی گزر رہی ہے تو اس نے (بجائے اس کے کہ صبر وشکر کا اظہار کرتی) کہا:

''نحن بشر ، نحن في ضيق و شدة فشكت إليه"

''ہمارا تو بہت برا حال ہے۔ ہم تو بڑی تنگی اور مصیبت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔''

گویا خوب شکوہ و شکایت کی اس پر حضرت ابراہیمؑ نے کہا ''اچھا جب تمہارا خاوند آئے تو اسے میری طرف سے سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل لے۔ جب حضرت ابراہیمؑ چلے گئے اور حضرت اسماعیلؑ گھر تشریف لائے تو ان کی بیوی نے ان کے بارے میں بتایا تو حضرت اسماعیلؑ نے کہا کہ وہ میرے والد تھے اور مجھے یہ مشورہ دے گئے ہیں کہ میں تمہیں طلاق دے دوں۔ چنانچہ انہوں نے اس عورت کو طلاق دے دی۔۴۱

روایت کے سیاق سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے طلاق کا مشورہ اس لئے دیا کہ آپ مہمان کی حیثیت سے ان کے ہاں گئے تھے۔ اور اس عورت نے خاطر تواضع کرنے کے بجائے اپنا دکھڑا سنانا شروع کر دیا جو حضرت ابراہیمؑ کو پسند نہ آیا کہ

ایک نبی کی بیوی اور ایک نبی کی بہو ہوکر بھی صبر شکر کرنے کی بجائے جزع فزع اورشکوہ و شکایت کی روش اختیار کرے اور انہوں نے ایسی بدسلیقہ عورت کو اپنے گھرانے کے لائق نہ سمجھتے ہوئے بیٹے سے طلاق کا عندیہ ظاہر کیا، جو بیٹے نے پورا کردیا۔ پھر اس کی سند پر تائید اس حدیث کے اگلے الفاظ سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ ایک عمر صبر کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کے لیے گئے۔ اس بار بھی وہ گھر نہ ملے البتہ ان کی نئی بیوی سے ملاقات ہوئی۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا۔ آپ کی گزر بسر کیسی ہورہی ہے۔ تو اس پر عورت نے کہا:

''نحن بخير وسعة واثنت على الله عزوجل''

''ہم خیر و عافیت کے ساتھ ہیں بہت خوشحال ہیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کیا۔''

صحیح بخاری کی اگلی روایت میں ہے کہ اس خاتون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت کرنا چاہی اور اپنی حالت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

''ألا تنزل فتطعم و تشرب''

''آپ نیچے تشریف رکھیں میں آپ کے لیے کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں خیر و برکت کی دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ ''جب تمہارا شوہر واپس آئے تو اسے میری طرف سے سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ قائم رکھے۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس آئے تو ان کی اس بیوی نے کہا کہ ہمارے ہاں ایک اچھے بزرگ آئے تھے اور اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوب تعریف کی پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ وہ آپ کو سلام کہتے تھے اور آپ کو یہ مشورہ دے گئے ہیں کہ اپنی چوکھٹ کو سلامت رکھنا۔ اس پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ وہ میرے والد صاحب تھے اور مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں نکاح میں برقرار رکھوں۔ [۴۲]

اس طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''كانت تحتى امرأة وكنت أحبها وكان عمر يكرهها فقال لى طلقها فأبيت فأتى عمر النبى فذكر ذلك له فقال النبى (ياعبدالله) طلقها'' [۴۳]

میری ایک بیوی تھی جس سے میں بہت محبت کرتا تھا جب کہ (میرے والد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے ناپسند کرتے تھے چنانچہ انہوں نے مجھے کہا کہ اس عورت کو طلاق دے دو۔ لیکن میں نے انکار کردیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اے عبداللہ رضی اللہ عنہ) اس عورت کو طلاق دے دو۔''

واضح رہے کہ بعض کتب میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس عورت کو طلاق دے دی۔ اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا 'اطع اباك' (اس مسئلہ میں) اپنے باپ (کے مشورے کو مان کر ان) کی اطاعت کرو۔ [۴۴] مذکورہ بالا دونوں احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ شوہر کو اپنی بیوی کو طلاق دینے سے قبل اپنے والدین سے مشورہ کر لینا چاہیے اور اگر والدین بیوی کو طلاق دینے کا کہیں تو اس کی اگر کوئی معقول وجہ ہو جیسے پہلی حدیث میں وجہ یہ تھی کہ ایک نبی کی بیوی ناشکری کرنے والی اور بے صبر نہیں ہونی چاہیے اور میزبانی میں کسی قسم کی کسر نہ چھوڑنے والی ہونی چاہیے اور دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"ان عندعبدالله بن عمر امرأة قدكرهتهاله"۴۵

''بلاشبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایسی عورت سے نکاح کر رکھا ہے جسے میں فی الواقع عبداللہ کے لیے مکروہ خیال کر رہا ہوں۔''

گویا ''کرھتھا لہ،، کے الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس عورت کو، ابن عمر رضی اللہ عنہ کے دینی اور دنیوی امور کے لیے باعث خطرہ خیال کرتے تھے۔ اور یہ ایک معقول وجہ تھی جس کی بنا پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حمایت کی تھی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو طلاق دینے کا مشورہ دیا تھا۔

① علامہ احمد عبدالرحمٰن البنا رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"الظاهر ان عمر ماكرهها الالكونه راى انها غير صالحة لابنه وغرضه بذلك المصلحة لاسيما وقد كان من الملهمين"

''ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ عورت اس وجہ سے ناپسند تھی کہ ان کے نزدیک وہ آپ کے صاحبزادے کے لیے موزوں نہ تھی اس معاملے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر ضرور کوئی مصلحت ہوگی بالخصوص اس لیے کہ آپ الہام ربانی کے حامل تھے۔''

نیز فرماتے ہیں:

"الذى مظهر أن النبى لم يأمر عبدالله بطلاق امرأته الا لكونه راى صحة نظر عمر"۴۶

''اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اسی لیے طلاق دینے کا حکم دیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا خیال صحیح ہوگا۔''

اسی طرح شیخ الحسن محمد بن عبدالہادی سندھی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں:

"فيه أن طاعة الوالدين متقدمة على هوى النفس إذا كان أمرهما أوفق بالدين إذا الظاهر أن عمر ما كان مكرهها والاامرابنه بطلاقها الا لما يظهر له فيها من قلة الدين"۴۷

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والدین کی اطاعت خواہش نفس پر ترجیح رکھتی ہے۔لیکن اس وقت جب والدین کا حکم دین اسلام سے موافقت رکھتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس عورت کو ناپسند کرنا اور اپنے بیٹے کو اسے طلاق دینے کا حکم اور مشورہ دینا صرف اس وجہ سے تھا کہ اس عورت کے دین وایمان کی کمزوری آپ کے سامنے ظاہر ہوئی تھی۔''

والدین کے حکم کو بطور مفید مشورہ سمجھتے ہوئے بیوی کو طلاق دینے کے حوالے سے ایک واقعہ حسب ذیل ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا:

''إن أبى يأمرنى أن أطلق امرأتى"

''میرے والد نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں۔''

تو کیا میں طلاق دے دوں؟

امام احمد رحمہ اللہ نے اسے فرمایا:

'لا تطلقها' تم اسے طلاق نہ دو۔

وہ آدمی کہنے لگا کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے اور پھر حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو طلاق دینی پڑی۔

"حتی یکون أبوك مثل عمر"۴۸

''ہاں اگر تمہارے باپ وہ مقام حاصل کر لیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا تو پھر اس کے مشورے کو حکماً مان لے۔''

امام احمد رحمہ اللہ کی مذکورہ بات کے دو مفاہیم ہوسکتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ تقوی و پرہیز گاری اور للّٰہیت میں جو مقام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے وہ تیرے باپ کو حاصل نہیں ہے اس لیے تیرے والد کا مطالبہ بغض وعداوت اور حسد وکینہ پر مبنی ہوسکتا ہے۔

دوسرا یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر کے سربراہ تھے لیکن یہ مفہوم اس وقت درست ہوگا جب واقعی اس شخص کی رہائش اپنے والدین سے الگ ہوگی۔ یا مشترکہ رہائش میں والد کے بڑھاپے یا کوئی معذوری کی وجہ سے نظم ونسق کا اختیار اس کے پاس نہ رہا ہو۔

## ملا علی قاری کا موقف

اس مسئلہ میں ملا علی قاری کا موقف ایک دوسری انتہا پر ہے چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:

''بیٹے پر لازم نہیں کہ وہ والدین کے حکم پر اپنی بیوی کو طلاق دے اگر چہ والدین کو اس کی بیوی (اور اپنی بہو) سے شدید تکلیف ہی کیوں نہ پہنچ رہی ہو۔ کیونکہ والدین کے مشورے پر عمل کرنے میں بسا اوقات خاوند کو ضرر پہنچتا ہے اس لیے والدین کی شفقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر وہ اس ضرر کا پوری طرح اندازہ کر لیتے تو وہ بیٹے کو طلاق دینے کا حکم اور مشورہ نہ دیتے اس کے باوجود ان کا طلاق پر اصرار کرنا نادانی ہے جو قابل التفات نہیں۔''۴۹

ملا علی قاری کی مذکورہ رائے درست نہیں بلکہ وہ اس سلسلہ میں دوسری انتہا کو پہنچ گئے ہیں کہ کسی بھی صورت، والدین کے کہنے پر عورت کو طلاق نہ دی جائے حالانکہ اگر والدین کا مشورہ اور حکم معقول علت اور مصلحت پر مبنی ہو تو پھر اطاعت ہر حال میں کی جائے گی بصورت دیگر نہیں۔

## علامہ قاضی ابن العربی رحمہ اللہ اور امام منذری رحمہ اللہ کا فیصلہ

اس مسئلہ میں قاضی ابن العربی رحمہ اللہ اور امام منذری رحمہ اللہ نے صحیح راہنمائی فرمائی ہے چنانچہ ابن العربی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں:

"ومن بر الإبن بأبيه أن يكره ماكره أبوه وإن كان له محبا قيل ويحب ما يحب أباه وإن كان له كره من قبل بيد ان ذلك ان كان الأب على بصيرة فإن لم يكن كذلك استحب له فراقها لارضائه ولم يجب عليه كما يجب في الحالة الأولى فإن طاعة الأب في الحق من طاعة الله"۵۰

''بیٹے کے لیے اپنے والد سے نیکی اور حسن سلوک کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کو والد ناپسند کرتا ہے اسے وہ بھی ناپسند کرے اگر چہ وہ اس سے نفرت کرتا ہو البتہ یہ بات یاد رہے کہ والد کا مشورہ اور حکم اس وقت ہے جب والد بصیرت و درستگی پر ہو، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر والد کو راضی کرنے کے لئے بیوی کو طلاق دینا مستحب تو ہوسکتا ہے لیکن اس طرح واجب ہرگز نہیں جس طرح کہ پہلی حالت (والد کے اصابت رائے) میں واجب ہے کیونکہ والد کے حق پر ہونے کی صورت میں اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے زمرے میں شامل ہے۔''

امام منذری رحمہ اللہ نے بھی سنن ابوداؤد کی تہذیب اورشرح میں من وعن یہی فیصلہ دیا ہے۔۵۱؎

## جہاد کے لیے والدین کی اجازت اوران سے مشاورت

جہاد فی سبیل اللہ کے لیے والدین کی اجازت اوران سے مشاورت کرنا ضروری ہے اورشارع کے فرامین میں جو'برالوالدین' کاحکم دیا گیا ہے اس کا یہی مطلب ومقصود ہے اور برالوالدین کا تقاضا بھی یہ ہے کہ انہیں محتاجی کی حالت میں اکیلے نہ چھوڑا جائے اس ارادے سے کہ جہاد سے افضل عمل ہی نہیں بلکہ والدین کی خدمت ایسی حالت میں افضلیت کا درجہ حاصل کرلیتی ہے۔مگر جب جہاد فرض عین ہوجائے پھر ہرحالت جہادکرنا ضروری ہے۔

## جہاد تین صورتوں میں فرض عین ہوتا ہے۔

① جب حربی دشمن سے جنگ کے لیے انسان میدان میں اتر آئے۔

② جب کفار ملک پرحملہ آور ہوجائیں۔

③ جب حاکم وقت سب کو جہاد کے لیے نکلنے کاحکم صادر کردے۔

## جہاد کے لیے والدین کی اجازت اوران سے مشاورت کرنے کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون ساعمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وقت پرنماز ادا کرنا،پھر دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا، پوچھا گیا کہ پھرکونسا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ،۵۲؎

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ثابت ہوا کہ والدین کے حقوق جہاد پرمقدم ہیں۔لیکن یہ اس وقت ہے جب جہادفرض عین نہ ہوا ہو۔۵۳؎

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''جاء رجل إلى النبیﷺ فاستأذنه فی الجهاد فقال أحی والداك قال نعم قال ففيهما فجاهد ''۵۴؎

''ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کر رہا تھا آپ ﷺ نے فرمایا کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ وہ بولا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا تو تم ان دونوں کی خدمت میں جدو جہد کرو۔

# بعد از وفات والدین کے حقوق

## والدین کے تجہیز و تکفین کے حقوق

اللہ تعالی نے قبل منتقل وراثت اولاد پر چند حقوق عائد کئے ہیں جن میں سے والدین کی وصیت پوری کرنا اور ان کے قرض کی ادائیگی وغیرہ جن کی صراحت قرآن میں موجود ہے لیکن والدین کی تجہیز و تکفین ایک عام فہم اور معقول حق ہے ۔ جو اولاد پر والدین کی وفات کے بعد لازم ہوتا ہے تو اولاد کو چاہیے کہ پہلے وہ والدین یا اپنے مال سے ان کی تجہیز و تکفین کریں پھر تقسیم وراثت کو بجا لائیں لیکن یہ بات یاد رہے کہ ورثاء اپنی اولاد اور اولیاً و ورثاء کو اپنی تجہیز و تکفین میں سنت طریقہ اپنانے کی وصیت کریں۔ کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَايَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاأَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ ۵۵

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچالو۔ جسکا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں اس پر بہت سخت فرشتے مقرر ہیں ۔اللہ تعالی جو انہیں حکم دیتا ہے وہ اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ اپنے ورثاء کو یہی وصیت کرتے تھے جیسا کہ چند ایک آثار حسب ذیل ہیں ۔

### حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی وصیت

"إذا مت فلا تؤذنوا بی ، إنی أخاف أن يكون نعيا فإنی سمعت رسول الله ﷺ ينهى عن النعی" ۵۶

''جب میں فوت ہو جاؤں تو کسی کو میری وفات کی اطلاع نہ دینا مجھے ڈر ہے کہ یہ نعی نہ ہو اور بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے (جاہلیت کے طریقے پر اعلان وفات) سے منع فرماتے تھے۔''

### حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وصیت

'' ألحدوا لی لحدا وانصبوا علی اللبن نصبا كما صنع برسول الله ﷺ" ۵۷

''میرے لیے لحد (بغلی قبر) بنانا اور میری قبر پر کچی اینٹیں نصب کرنا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا گیا۔''

### حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی وصیت

"إذا انطلقتم بجنازتی فأسرعوا المشی لا يتبعنی مجمر ولاتجعلوا فی لحدی شيأ يحول بينی و بين التراب ولا تجعلوا علی قبری بناء وأشهدكم أننی بریء من كل حالقة أو سالقة أو خارقة قالوا أو سمعت فيه شياء قال نعم من رسول الله ﷺ" ۵۸

''جب تم میرا جنازہ لے کر جانا تو جلدی چلنا اور میرے جنازے کے پیچھے آگ لے کر مت چلنا ، میری لحد (بغلی قبر) پر کوئی ایسی چیز نہ رکھنا جو میرے اور مٹی کے درمیان حائل ہو، میری قبر پر عمارت مت بنانا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں ہر مصیبت کے وقت اونچی آواز

نکالنے والی، پریشانی کے وقت اپنے سر کے بال منڈوانے والی اور آفت کے وقت اپنے کپڑے پھاڑنے والی عورت سے بری ہوں لوگوں نے کہا آپ نے اس بارے میں (رسول اللہ ﷺ) سے کچھ سنا ہے انہوں نے کہا میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے۔

والدین ساری زندگی اپنی اولاد کی ضروریات زندگی پوری کرتے تھے تو وفات کے بعد ان کا یہ حق ہے کہ اولاد ان کے کفن دفن کا بندوبست کریں اور ان کے لیے دعائے بخشش کریں اور ان کے روزوں کی قضائی دیں، نذر پوری کریں، حج کریں اور ان کی طرف سے صدقہ وغیرہ کو بجالائیں۔ تاکہ ان کے والدین فوز وفلاح سے آراستہ ہوکر جنت میں اللہ کے مہمان بن جائیں۔

## والدین کے لیے اللہ تعالی سے بخشش طلب کرنا

### انبیأ کرام علیہم السلام کا والدین کے لیے مغفرت طلب کرنا

انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالی سے اپنے والدین کے لیے بخشش ومغفرت کی دعائیں کرتے رہے ہیں جنھیں قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔

◉ سیدنا نوح علیہ السلام کا اپنے والدین کے لیے دعا مغفرت کرنا:

﴿رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾۵۹

میرے رب مجھے اور میرے والدین کو اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہوا ہے اور سب مومن مردوں اور مومن عورتوں کو معاف فرما دے۔''

◉ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا والدین کے لیے دعائے بخشش مانگنا!

حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کہتے ہوئے اپنے والدین کے لیے اللہ سے دعا کرتے تھے۔

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وِلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَاب﴾۶۰

''مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان لانے والوں کو اس دن معاف کردیجیو جبکہ حساب قائم ہوگا۔''

ایک دوسری جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والدین کے لیے دعا کرنے کا ذکر ہے

﴿وَاغْفِرْلِاَبِیْ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الظَّالِمِیْنَ ﴾۶۱

''اور میرے باپ کو معاف کردے کہ بے شک وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔''

◉ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"إني أمرت أن أدعو لهم "۶۲

''بلاشبہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کے لیے دعا کروں۔''

## والدین کی طرف سے روزوں کی قضائی دینا

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾۶۳

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کردیے گئے ہیں جس طرح تمہارے پہلوں پر فرض تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''

اگر والدین حالت مرض میں رمضان المبارک کو پائیں اور روزے نہ رکھ سکیں تو رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ان کے ورثاء اور اولیاً ان کی طرف سے روزوں کی قضائی دیں گے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے

"من مات وعليه صيام، صام عنه وليه "٦٤

''جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمہ کچھ روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔''

## والدین کی نذر پوری کرنا۔

والدین نے اگر کسی چیز کی نذر مانی ہو اور وہ کام جائز بھی ہو تو اسے اس کے ورثاء پورا کریں گے۔

حضرت سعد بن ابی عبادۃ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا:

"إن أمي ماتت و عليها نذر لم تقضه فقال رسول الله ﷺ اقضه عنها "٦٥

''بلاشبہ میری والدہ وفات پا گئی ہیں اور ان کے ذمہ نذر ہے (تو کیا میں اسے پورا کروں) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس کی طرف سے پورا کر دو۔''

## والدین کی طرف سے حج کرنا

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"بينما أنا جالس عند رسول الله ﷺ إذ اتته امرأة فقالت إني تصدقت على أمي بجارية وإنها ماتت قال فقال وجب أجرك وردها عليك الميراث فقال رسول ﷺ إنه كان عليها صوم شهر أفأصوم عنها قال صومي عنها قالت إنها لم تحج قط أفأحج عنها قال حجي عنها "٦٦

''میں آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا میں نے اپنی والدہ پر ایک لونڈی صدقہ کی ہے لیکن (میری والدہ) فوت ہو چکی ہیں۔ راوی نے کہا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تجھے اجر ضرور ملے گا اور اس نے وہ لونڈی تجھ پر میراث کی صورت میں لوٹا دی ہے۔ پھر اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ میری والدہ کے ذمہ ایک ماہ کے روزے ہیں تو کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تو اس کی طرف سے روزے رکھ۔ پھر اس نے کہا کہ اس نے کبھی حج نہیں کیا، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تو اس کی طرف سے حج کر۔''

## قرض کی ادائیگی

والدین اگر اس حالت میں وفات پائیں کہ ان کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو والدین کے اس قرض کی ادائیگی اولاد پر فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ «مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ» ٦٧

''کہ والدین کی وصیت پوری کرنے کے بعد جو وہ وصیت کر گئے یا قرض (کی ادائیگی کے بعد)۔''

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"كنا جلوس عند النبى إذ أتى بجنارة فقالوا صل عليها فقال هل عليه دين قالوا لا قال فهل ترك شيأ قالوا لا فصلى عليه ثم أتى بجنازة أخرى فقالوا يا رسول الله ﷺ صل عليها قال هل عليه دين قيل نعم

قال فهل ترك شيأ فقالوا ثلاثة دنانير فصل عليها ثم أتى بالثالثة فقالوا صل عليها قال هل ترك شيئا قالوا لا فهل عليه دين قالوا ثلاثة دنانير قال صلوا على صاحبكم قال أبوقتادة صل عليه يا رسول الله ﷺ وعلى دينه فصلى عليه "۶۸

ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف موجود تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اس کا جنازہ پڑھائیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا اس پر کوئی قرض ہے تو لوگوں نے کہا کہ نہیں تو آپ ﷺ نے اس کا جنازہ ادا کیا۔

اس کے بعد ایک اور جنازہ لایا گیا اور آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اس کا جنازہ پڑھا دیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا اس میت پر کوئی قرض ہے۔ تو لوگوں نے کہا ہاں ہے پھر آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ اس نے کتنا مال چھوڑا ہے تو انہوں نے بتایا کہ تین دینار تو آپ ﷺ نے اس کا نماز جنازہ پڑھایا۔

پھر آپ ﷺ کی خدمت میں تیسرا جنازہ لایا گیا، لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اس کا جنازہ ادا فرمائیں تو آپ ﷺ نے ان سے یہ دریافت کیا کہا، اس کے ذمے قرض ہے لوگوں نے کہا، ہاں آپ نے پوچھا اس نے ترکے میں کچھ چھوڑا، تو لوگوں نے جواباً کہا کہ نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنے ساتھی کا جنازہ ادا کرو۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اے اللہ کے رسول ﷺ اس کا قرض میرے ذمہ ہے تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ ادا کی۔

حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں:

«أن امرأة من جهينة جاء ت إلى النبى ﷺ فقالت إن أمى نذرت أن تحج فلم تحج حتى ماتت أفأحج عنها قال نعم حجى عنها أرأيت لو كان على أمك دين أكنت قاضية اقضوا الله أحق بالوفاء»۶۹

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت جهينة قبیلہ کی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی لیکن حج نہیں کر سکی یہاں تک کہ وہ فوت ہوگئیں تو کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تم اس کی طرف سے حج کرو اور آپ ﷺ نے فرمایا تیرا کیا خیال ہے اگر تیری والدہ پر قرض ہوتا تو کیا تو وہ ادا کرتی۔ اسی طرح (نذر پوری کرو) اللہ تعالی وفا اور نذر پوری کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

گویا اپنے والدین کی وفات کے بعد، ان کے لیے دعا مغفرت کرنا، ان کی وصیت پوری کرنا، ان کی تجہیز و تکفین کرنا اور ان کے قرض کو ادا کرنا اولاد پر فرض ہے اور ان کی ذمہ داری ہے اور والدین کو یہ حق حاصل ہے کہ مذکورہ چیزوں کو اولاد بطریق احسن سرانجام دے یہی شریعت اسلامیہ کا تقاضا ہے۔

⦿..........⦿..........⦿

# حوالہ جات

(۱) الاسراء:۲۳

(۲) ابن الملك ژعز الدين عبد اللطيف ، مشارق الانوار، المكتبه الاثريه، سانگلہ ہل، س ن:۱/۸۴، ۲/۱۰۰، فتح البارى: ۱۰/۴۰۶، تحرير الفاظ التنبيه:۱۴۹

(۳) ص:۱۰

(۴) إرواء الغليل:۱۶۲۶، سنن ابى داؤد، كتاب البيوع، باب فى الرجل يأكل من مال ولده:۳۵۲۸، سنن نسائى، كتاب البيوع، باب الحث على الكسب:۴۴۴۹

(۵) إرواء الغليل:۸۳۸، كتاب البيوع، باب فى الرجل يأكل من مال ولده:۳۵۳۰

(۶) الالبانى، محمد ناصر الدين، السلسلة الصحيحه، مكتبة المعارف، الرياض، ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۶ء:۲۵۶۴

(۷) نظم الفوائد:۲/۳۱

(۸) المغنى:۱۱/۳۷۳

(۹) التوبه:۲۱۵

(۱۰) تفسیر قرطبی:۳/۱۷

(۱۱) المحلى:۸/۱۰۷، مشكل الأثار:۴/۲۷۷

(۱۲) النساء:۱۱

(۱۳) الرساله:۴۶۸

(۱۴) الطحاوى، ابو جعفر، مشكل الأثار، دار صادر، بيروت س ن:۴/۲۷۷

(۱۵) المحلى:۸/۱۰۶، الكا شف عن حقائق السنن:۶/۱۹

(۱۶) صحيح مسلم، كتاب القسامة والمحاربين والقصاص والديات، باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال:۱۶۷۹، صحيح بخارى، كتاب الحج، الخطبة أيام منٰى:۱۷۴۲

(۱۷) شرح معانى الاثار:۴/۱۵۹

(۱۸) السنن الكبرىٰ:۷/۴۸۱، سنن دار قطنى:۴/۲۳۶

(۱۹) المحلى:۸/۱۰۸

(۲۰) النور:۶۱

(۲۱) المغنى:۶/۲۸۸، مجموع الفتاوىٰ:۳۴/۶۸، البهوتى، منصور بن يونس، كشاف القناع، وزارة

العدل ، السعوديه ،س ن:۳۱۷/۴

(۲۲) الانبیاء :۷۲

(۲۳) المغنی:۲۸۸/۶،کشاف القناع:۳۱۷/۴

(۲۴) صحیح ابن حبان، کتاب البر والإحسان، باب حق الوالدین:۳۱۶/۱

(۲۵) مسند احمد:۲۰۴/۲ (۲٦) مسند احمد:٦٨٦٣

(۲۷) المغنی:۲۸۸/۶، کشاف القناع:۳۱۷/۴

(۲۸) سنن ابن ماجه، کتاب الأحکام، باب من بنی فی حقه ما یضر بجاره:۲۳۴۱

(۲۹) صحیح بخاری:۲٦۵۰

(۳۰) ابن تیمیه ، الاختیارات ، اختارها أبو الحسن علی ابن عباس ، تحقیق ، محمد حامد الفقی ، دار المعرفة ، بیروت،س ن:۱۸۷

(۳۱) کتاب العیال:۳۰٦/۱

(۳۲) صحیح مسلم، کتاب العتق، باب فضل عتق الوالد:۱۵۱۰

(۳۳) مصنف ابن ابی شیبه:۳۵٦/۸ (۳۴) مصنف عبد الرزاق:۱۷٦/۵

(۳۵) کتاب العیال:۱٦۱/۱

(۳٦) سنن ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی الولي: ۲۰۸۵،سنن ترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء لانکاح إلا بولي:۱۱۰۲

(۳۷) سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الولي:۲۰۸۳

(۳۸) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لاینکح الأدب وغیره البکر والثیب إلابرضاها: ۵۱۳٦، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت:۱۴۱۹

(۳۹) سنن دارمی، کتاب النکاح، باب استئمار البکر والثیب:۲۱۸۸

(۴۰) صحیح بخاری، کتاب النکاح ،باب لا یجوز النکاح المکره: ٦۹۴۵، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الثیب:۲۱۰۱

(۴۱) صحیح بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول الله تعالی واتخذ الله إبراهیم خلیلا:۳۳٦۴

(۴۲) صحیح بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول الله تعالی واتخذ الله إبراهیم خلیل:۳۳٦۵

(۴۳) سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی برالوالدین:۵۱۳۸

(۴۴) مسنداحمد:٦۵۰۲ (۴۵) مسنداحمد:۲۴/۲

(۴٦) البنا ، احمد عبد الرحمن ، الفتح الربانی، دار الحدیث ، القاهره،س ن:۴/۱۷

(۴۷) مسنداحمد:۳۳۳/۸بذیل حاشیہ از علامہ سندھی

(۴۸) محمد بن مفلح ،آداب الشرعية والمنح المرعية ،جمعية احياء التراث الإسلامى،كويت، ۱۴۱۸ھ–۱۹۹۲ء:۱/۷۶

(۴۹) مرقاة شرح مشكوة:۱/۱۳۲

(۵۰) ابن العربی ،عارضة الاحوذى، دار الوحى المحمدى، س ن :۵/۱۶۴

(۵۱) ابن قيم الجوزية، تهذيب السنن، تحقيق ، محمد حامد الفقى ، مكتبة السنة المحمدية ، لاهور، ۱۳۶۷ھ:۸/۳۵

(۵۲) صحيح بخارى، كتاب الأدب، باب قول الله تعالى ووصينا الإنسان بوالديه حسنا:۵۹۷۰، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال:۸۵

(۵۳) نيل الاوطار:۴/۲۸۶

(۵۴) صحيح بخارى، كتاب الجهاد ، باب الجهاد بإذن الأبوين:۳۰۰۴

(۵۵) التحريم:۶

(۵۶) سنن الترمذى ، كتاب الجنائز ، باب ما جاء فى كراهية النعى:۹۸۶

(۵۷) صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب فى اللحد ونصب اللبن على الميت:۹۶۶، سنن ابن ماجہ،كتاب الجنائز، باب ما جاء فى استحباب اللحد:۱۵۵۶

(۵۸) مسند احمد:۱۹۰۵۳

(۵۹) نوح:۲۸

(۶۰) ابراهيم:۴۱

(۶۱) الشعراء:۸۶

(۶۲) مسند احمد:۲۵۶۱۷

(۶۳) البقرة:۱۸۳

(۶۴) صحیح بخاری،كتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم:۱۹۵۲

(۶۵) سنن ابی داؤد، كتاب الأيمان والنذور، باب فى قضاء النذر عن الميت:۳۳۰۷

(۶۶) صحیح مسلم، كتاب الصيام، باب قضاء الصيام عن الميت:۱۱۴۹، سنن ابی داؤد،كتاب الوصايا، باب فى الرجل يهب الهبة ثم يوصى له بها أو يرثها:۲۸۷۷

(۶۷) النساء:۱۲

(۶۸) مسنداحمد:۱۶۰۹۲، سنن نسائی،كتاب الجنائز ، باب الصلاة على من عليه دين:۱۹۶۱

(۶۹) صحیح بخاری،كتاب الحج، باب الحج والنذر عن الميت والرجل يحج عن المرأة:۱۸۵۲

# باب ششم

## عزیز و اقارب کے حقوق و فرائض

# فصل اوّل

والد کے رشتہ داروں کا تعین

ددھیال سے میل جول کے آداب

والدہ کے رشتہ داروں کا تعین

ننھیال سے میل جول کے آداب

# والد کے رشتہ داروں کا تعین

## والد

### لغوی تعریف

والد یولد سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔اوراس کی جمع والدین آتی ہے۔

"هو إنسان تولد من نطفه انسان آخر"[1]

''وہ انسان جس کے نطفے سے دوسرا انسان پیدا ہو۔''

"الوالد والجد يطلق على العم وعلى صاحب الشيء وعلى من كان سببا فى ايجاده او ظهوره او اصلاحه"[2]

''والد اور جد کا اطلاق چچا پر بھی ہوتا ہے اور یہ لفظ کسی شئے کے مالک پر بھی بولا جاتا ہے۔اور اس شخص پر جو کسی چیز کی ایجاد،ظہور یا اصلاح کا سبب بنا ہو۔''

### اصطلاحی تعریف

"هو رجل تولد من نطفه المباشرة على وجه شرعى او على فراشه انسان آخر ويطلق الاب من الرضاع على من نسب اليه لبن المرضع فارضعت منه ولداً لغيره ويعبرون عنه بلبن الفحل"[3]

''جو آدمی شرعی طور پر مباشرت کرے اور اس کے ہاں بچہ پیدا ہو۔باپ کا اطلاق نسب اور رضاعت دونوں پر کیا جاتا ہے۔یہ کہ دودھ پیا ہو اس سے کسی دوسرے بچے کو (دودھ پلانے والی عورت کے ) خاوند کو لبن الفحل کہا جائے گا۔''

### معاشرے میں والد کی حیثیت

اسلامی معاشرتی نظام میں خاندان کو بنیادی اکائی قرار دیا گیا ہے۔اس خاندان کا ایک مظہر والدین کا وجود ہے۔ماں باپ کے بغیر کوئی معاشرہ تشکیل نہیں پاسکتا۔ماں باپ کی بقا پر معاشرے کی بقاء کا انحصار ہے۔عورت اور مرد کا سب سے اچھا روپ ماں اور باپ ہیں۔یہ روپ اللہ تعالی کی رحمت اور اس کے انتظام کا عکس ہے۔معاشرتی زندگی میں چونکہ اولین چیز ایثار ہے۔اور کوئی بھی معاشرہ ایثار کے بغیر برقرار نہیں رہ سکتا بلکہ یوں کہیے کہ معاشرتی تربیت کے لئے ایثار ضروری ہے۔اور اس ایثار کے لئے والدین کا وجود ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ان میں والد کا مقام ومرتبہ بھی بہت زیادہ ہے۔والد معاشرے میں اپنے خاندان کا سربراہ ہوتا ہے۔جس طرح ایک حکمران ملک کی باگ ڈور سنبھالتا ہے اسی طرح ایک والد اپنے خاندان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔بیوی بچوں کی تربیت اور ان کو ہر قسم کی سہولت مہیا کرنا والد کی ذمہ داری ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَاۤ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ

مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ ما يؤمرون﴾ ۴؎

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں۔ جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ بلکہ جو حکم دیا جاتا ہے۔ بجالاتے ہیں۔''

## والد ایک نگران کی حیثیت سے

والد کی اپنے خاندان میں ایک نگران جیسی حیثیت ہے۔ وہ اپنے خاندان کا ہر لحاظ سے ذمہ دار ہوتا ہے۔ خواہ وہ مالی معاملات ہوں یا انتظامی کیونکہ خاندان والد کے ماتحت چلتا ہے۔

ایک حدیث میں فرمان نبوی ﷺ ہے:

''کلم راع وکلکم مسئول عن رعیته الإمام راع ومسئول عن رعیته والر جل راع فی أهله وهو مسئول عن رعیته والمرأة راعیة فی بیت زوجها ومسئولة عن رعیتها والخادم راع فی مال سیده ومسئول عن رعیته قال وحسبت ان قد قال والرجل راع فی مال أبیه ومسئول عن رعیته وکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته'' ۵؎

''تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس کے ماتحتوں کے متعلق اس سے سوال ہوگا۔ امام نگران ہے۔ اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ (ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا) میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ انسان اپنے باپ کے گھر کا نگران ہے اور اس کی رعیت کے بارے میں اس سے سوال ہوگا اور تم میں سے ہر شخص نگران ہے او ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔''

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی نجات کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ وہ خود تو نماز، روزہ اور دیگر عبادات واحکامات شرعیہ کی پابندی کرتا رہے مگر اپنے بیوی بچوں کو نہ تو نیکی کا حکم کرے اور نہ ہی برائی سے روکے بلکہ اس پر جہاں خود دینی مسائل کو سیکھنا اور ان پر عمل کرنا واجب ہے۔ اسی طرح اس پر اپنے بچوں کو اسلامی آداب واحکام سکھانا اور پھر ان پر عمل کرانا بھی واجب ہے۔

## خاندانی نظام میں والد کا کردار

خاندانی نظام میں والدین اور اولاد کا رشتہ نہایت اہمیت کا حاصل ہے۔ اس رشتہ کی پاسداری کے لئے اللہ تعالیٰ نے والدین اور اولاد کے درمیان فطری طور پر باہمی محبت کے بیج بو دیئے ہیں۔ جو وقت کے ساتھ ساتھ پھلتے پھولتے چلے جاتے ہیں ان کا پھلنا پھولنا ہی خاندانی نظام کے استحکام کی علامت ہے۔ خاندان میں والدہ اور والد کی علیحدہ علیحدہ ذمہ داریاں ہیں۔ والد کا کام خاندانی نظام کو مستحکم طریقے اور ایک منظّم شکل میں چلانا ہوتا ہے۔ والد خاندان کے لئے گرمی سردی بھوک پیاس کی پرواہ کیے بغیر ان تھک محنت کر کے خاندان کے معاشی مسائل کا مداوا کرتا ہے۔ خاندان کی تعلیم وتربیت کے تمام قسم کے اخراجات کی ذمہ داری والد پر ہوتی ہے۔ وہ اپنی بیوی کے اخراجات بھی برداشت کرتا ہے۔ گویا کہ کلی طور پر پورے خاندان کا مالی بوجھ والد پر ہوتا ہے۔

# اسلام میں والدین کا مقام ومرتبہ

## والد کا مقام قرآن کریم کی نظر میں

قرآن مجید میں والدین کا مقام کئی پہلوؤں سے بیان ہوا ہے۔ والدین کے مقام ومرتبے کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا مقام اپنی ذات کے بعد قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَّاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ إِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا﴾[6]

''اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ سوائے اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن وسلوک کیا کرو۔ اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں سو ان کو کبھی اُف بھی مت کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کی، تمہارا رب تمہارے مافی الضمیر کو خوب جانتا ہے اگر تم سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کر دیتا ہے۔''

## والد کا مقام حدیث کی نظر میں

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"سألت النبی ﷺ أی العمل أحب إلی اللہ عزوجل؟ قال: الصلوٰۃ علی وقتها قال ثم أی؟ قال بر الوالدین قال ثم أی؟ قال الجهاد فی سبیل اللہ"[7]

''میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا میں نے کہا پھر کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا میں نے کہا کہ پھر کون سا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔''

قرآن مجید کی طرح یہاں بھی پہلے حقوق اللہ (نماز) کا تذکرہ کیا گیا اس کے بعد حقوق العباد کے حوالے سے حقوق الوالدین کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد جہاد جیسے افضل عمل کو رکھا گیا۔ یہ ترتیب نارمل حالات کی مناسبت سے ہے۔ ورنہ نفل نماز پر والدین کی اطاعت مقدم ہے اسی طرح جہاد اگر فرض عین ہو جائے تو پھر یہ والدین کی خدمت سے مقدم ہو جاتا ہے۔

## والد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ

حضرت درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا:

"الوالد أوسط ابواب الجنة فإن شئت فأضع ذلك الباب أو احفظه"[8]

''والد جنت کا مرکزی دروازہ ہے اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ تم اس دروازے کو ضائع کرو (یعنی اس کو ناراض کر کے جنت سے محروم بنو) یا اس کی حفاظت کرو (یعنی اس کی خدمت کے راستے سے جنت میں داخل ہو جاؤ)''

## والد کی رضامندی اور ناراضگی کا سبب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"رضى الرب فى رضى الوالد ، وسخط الرب فى سخط الوالد"[9]

''اللہ تعالی کی رضامندی باپ کی رضامندی کے ساتھ ہے اور اللہ تعالی کا غصہ باپ کے غصے کے ساتھ ہے۔''

اس حدیث سے پتہ چلا کہ باپ کا بڑا درجہ اور مرتبہ ہے کہ اس کی خوشی اور ناراضی کے ساتھ رب عرش عظیم کی خوشی اور ناراضی سے وابستہ ہے۔ پھر اولاد کو ہر حال میں باپ کو خوش رکھنا چاہیے البتہ غیر شرعی کاموں میں ماں باپ کی اطاعت نہیں ہے۔

## والد کی رشتہ داریاں

رشتہ داریاں دو قسم کی ہیں:

① نسبی ② سببی

## ① نسبی رشتہ داریاں

نسب کا لغوی معنی قرابت ہے۔ اس سے مراد قریب اور بعید کے وہ تمام رشتہ دار جن سے نسل کا تعلق ہوتا ہے۔ اس سبب کی بناء پر ایک رشتہ دار دوسرے رشتے داروں کا وارث بنتا ہے۔

نسبی رشتہ کی تین جہات ہیں:

① اصول ② فروع ③ اطراف

## ① اصول

اصول جمع ہے اصل کی جس کے معنی جڑ اور بنیاد کے ہیں۔ اصول سے مراد والد، دادا، اوپر تک کے رشتہ دار ہیں۔

## ② فروع

فروع سے مراد بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی نیچے تک کے رشتہ دار ہیں۔

## ③ اطراف

اطراف سے مراد بھائی، بہن جیسے رشتہ دار ہیں۔

## ① اصول

## والدین

اسلام نے والدین کو بہت بڑا مقام عطاء فرمایا ہے۔ ایک صحابی کے عرض کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"هما جنتك ونارك"[10]

''تیرے والدین تیری جنت اور جہنم ہیں۔''

گویا کہ والدین کی خدمت کرنا جنت میں لے جانے کا سبب بنتی ہے اور والدین کی نافرمانی جہنم میں لے جانے کا سبب بنتی ہے۔ بیٹے کے فوت ہو جانے پر شریعت نے والد کے لئے چھٹا حصہ مقرر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾[11]

''اور والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔''

اگر آدمی کے والدین زندہ نہ ہو تو اس کے دادی دادا اپنے پوتے کی وراثت میں حق دار ہوں گے۔

## والد کا بھائی (چچا)

شریعت نے نسبی طور پر باپ، دادا کے بعد چچا کا مقام رکھا ہے اور وہ ہمارے حسن سلوک کا مستحق ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"عم الرجل صنو أبيه"[12]

''آدمی کا چچا باپ کی مانند ہے۔''

## والد کی بہن (پھوپھی)

اسلام نے عورت کو تمام ادیان سے اعلیٰ مرتبہ عطاء کیا ہے۔ قبل از اسلام عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اور اس سے جانوروں سے بدتر سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ اسلام نے عورت کو ماں بیٹی بہن اور بہو کی صورت میں بہت زیادہ عزت عطاء کی ہے۔

بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ: میں کس سے نیکی کروں؟ فرمایا: اپنی ماں سے میں نے عرض کیا پھر کس سے؟ فرمایا: اپنی ماں سے میں نے عرض کیا پھر کس سے فرمایا: اپنی ماں سے میں نے عرض کیا پھر کس سے؟ فرمایا اپنے باپ سے پھر قریب سے قریب تر سے۔[13]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والدین کے بعد جو سب سے زیادہ قریبی رشتے دار ہیں وہ حسن وسلوک کے زیادہ مستحق ہیں۔ ان میں بہن، بھائی، چچا اور پھوپھی جیسے تمام رشتہ دار شامل ہیں۔

حضرت ابو اسید الساعدی کہتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ قبیلہ بنو سلمہ کا ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: کیا ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کو میرے لئے کچھ باقی ہے کہ میں ان کے مرنے کے بعد اس کو کروں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ان کے لئے دعا کرنا استغفار کرنا اور ان کی وصیت پوری کرنا اور ان کے رشتہ داروں سے حسن وسلوک کرنا جو صرف انہیں کی وجہ سے ہے۔ ان کے دوستوں کی عزت کرنا۔[14]

رسول اللہ ﷺ اپنے چچاؤں کی بہت عزت کرتے تھے۔ جب حمزۃ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو آپ ﷺ بہت زیادہ غمگین ہوئے۔

## فروع

انسان کی تمام اولاد فروع میں شامل ہے۔ اس کی حسب ذیل دو صورتیں ہیں۔

### ① حقیقی بہن بھائی

باپ کی وہ اولاد جو ایک ماں سے ہو۔ وہ سب آپس میں حقیقی بہن بھائی ہیں۔ رشتے کے اعتبار سے یہ قریب ترین ہیں۔

### ② علاتی بہن بھائی

باپ کی وہ اولاد جو دوسری بیوی سے ہو، علاتی بہن بھائی کہلاتے ہیں۔ان کے احکام حقیقی بہن بھائی والے ہی ہیں۔ البتہ حقیقی بہن بھائیوں کی موجودگی میں علاتی وراثت سے محروم ہوں گے۔

## اطراف

## بھائی بہنوں کے حقوق وفرائض وآداب

بھائی اُردو زبان کا لفظ ہے ۔ جسے عربی میں ''الاخ'' کہا جاتا ہے۔قرآن کریم میں مختلف مقامات پر بھائی کے لئے ''اخ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

① ﴿كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْأَةَ أَخِيْهِ﴾ 15

② ﴿قَالَ أَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَا أَخِيْ﴾ 16

③ ﴿إِنَّ هٰذَا أَخِيْ لَهُ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ 17

④ ﴿هٰرُوْنَ أَخِيْ﴾ 18

## بھائی سے سلوک

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ.لَئِنْ بَسَطْتَّ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ إِلَيْكَ لَأَقْتُلَنَّكَ إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ. إِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ تَبُوْءَ بِإِثْمِيْ وَإِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزَآؤُ الظّٰلِمِيْنَ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قتل أخيه فقتله فاصبح من الخسرين فبعث الله غرابا يبحث في الأرض ليريه كيف يوارى سوء ة أخيه قال يويلتى أعجزت أن أكون مثل هذا الغراب فأوارى سوء ة أخي فاصبح من النٰدمين﴾ 19

''آپ ان کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا سچا واقعہ سنایئے۔ جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے کی قربانی قبول نہ ہوئی۔ دوسرے نے کہا۔ میں ضرور تمہیں مار ڈالوں گا دوسرے نے جواباً کہا۔اللہ تو صرف متقیوں کی قربانی قبول کرتا ہے اگر تو مجھے مار ڈالنے کے لئے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ میں تو صرف اللہ رب العالمین سے ڈرنے والا ہوں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا سب گناہ سمیٹ لے اور اہل جہنم میں سے ہو جائے اور ظالم لوگوں کی یہی سزا ہے۔ بالآخر دوسرے نے اپنے آپ کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کرلیا۔ چنانچہ اسے مار ڈالا اور خسارہ پانے والوں میں سے ہوگیا۔ پھر اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کو کرید رہا تھا۔ تاکہ اس قاتل کو دکھلائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپا سکتا ہے۔ (کوے کو دیکھ

کر) وہ کہنے لگا ''افسوس'' کہ میں تو اس کوے سے بھی گیا گزرا ہوں کہ میں اپنے بھائی کی لاش کو نہ چھپا سکا، بعدازاں وہ اپنے کیئے پر بہت نادم ہوا۔'' ۲۰

## استدلالی نکات

① قابیل کا اپنے بھائی ہابیل پر ظلم وستم ڈھایا لیکن حضرت ہابیل صبر کی انتہا کر دیتے ہیں حتیٰ کہ انہیں قتل کر دیا جاتا ہے۔

② اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی قربانی کو مقبولیت سے نوازتے ہیں جو اپنے قلوب و اذھان میں اپنے بھائیوں کے لئے خلوص کا جذبہ رکھتے ہوں اوران کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہوں۔اور اللہ تعالی سے ڈرتے ہیں۔

## حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں سے سلوک، حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا ان سے سلوک:

① ﴿اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِا طْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُ مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ﴾ ۲۱

''ان میں سے ایک نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کو مارو نہیں بلکہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اسے گمنام کنویں میں پھینک دو کوئی آتا جاتا قافلہ اسے اٹھالے جائے گا۔

② دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ﴾ ۲۲

''چنانچہ انہوں نے چند کھوٹے درہموں کے بدلے میں اسے بیچ ڈالا۔''

## یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائیوں سے سلوک

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ. وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا﴾ ۲۳

''جب یہ لوگ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا شہر میں چلو اگر اللہ نے چاہا تو امن وسکون پاؤ گے اور یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو اٹھ کر (اپنے) تخت پر بٹھایا اور اس کے بھائی یوسف کے آگے سجدہ میں گر گئے۔ یوسف علیہ السلام نے کہا ابا جان یہ ہے۔میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔اللہ نے اسے حقیقت بنا دیا۔''

◉ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''بائبل کا بیان ہے کہ سب افراد خاندان جو اس موقع پر مصر گئے۔ان کی تعداد ۶۷ تھی۔اس تعداد میں دوسرے گھرانوں کی ان لڑکیوں کو شمار نہیں کیا گیا ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاں بیاہی ہوئی آئی تھیں۔اس وقت یعقوب کی عمر ۱۳۰ سال تھی اور اس کے بعد وہ مصر میں ۱۷ سال زندہ رہے۔'' ۲۴

◉ مولانا مودودی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

''تلمود میں لکھا ہے کہ جب یعقوب کی آمد کی خبر دارالسلطنت میں پہنچی تو حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بڑے بڑے امراء و اہل مناصب

اور فوج کو لے کران کے استقبال کے لئے نکلے اور پورے تزک و احتشام کے ساتھ ان کو شہر میں لائے وہ دن وہاں جشن کا دن تھا۔ عورت، مرد، بچے سب چھوٹے بڑے اس جلوس کو دیکھنے کے لئے اکٹھے ہو گئے تھے۔ اور سارے شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔'' ۲۵

## رسول اللہ ﷺ کا اپنی بہن سے سلوک

◉ ابن ہشام لکھتے ہیں:

''اسی روز (یعنی غزوہ حنین و ہوازن) رسول اللہ ﷺ نے اپنے لشکر کے افسران کو حکم دیا کہ بنی سعد کا جو فرد بھی تمہارے ہاتھ آ جائے تو اس کو ہرگز نہیں چھوڑنا۔ اس شخص نے بڑی گمراہی پھیلائی ہے۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے اس کے اہل وعیال سمیت گرفتار کرلیا اورانہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ شیما بنت حارث بن عبدالعزیٰ آنحضرت ﷺ کی رضاعی بہن تھی۔ راستہ میں صحابہ کرامؓ نے ان لوگوں کو جلد چلنے کی تکلیف دی۔ شیما نے کہا اے لوگو! تم جانتے بھی ہو کہ میں تمہارے رسول ﷺ کی دودھ شریک بہن ہوں۔ تم کو میری حرمت وعزت کرنی چاہیے۔ صحابہ نے اس کے قول کی تصدیق نہ کی۔ یہاں تک کہ جب یہ قافلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو شیما نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ میں آپ کی رضاعی بہن ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کی کوئی نشانی بتاؤ؟ شیما نے کہا، ہاں ایک دفعہ آپ ﷺ نے میری پشت پر کاٹا تھا۔ اس کا نشان اب تک موجود ہے۔ آنحضرت ﷺ کو بھی یاد آ گیا آپ ﷺ نے اپنی چادر بچھا کر اس پر شیما کو بٹھایا اور فرمایا اگر تم چاہو تو عزت کے ساتھ میرے پاس رہو۔ اگر تم چاہو تو اپنی قوم میں چلی جاؤ۔ میں تم کو رخصت کردوں۔ شیما نے کہا میں اپنی قوم میں رہنا چاہتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بہت سا مال و اسباب دے کر رخصت کیا۔'' ۲۶

◉ حافظ عمادالدین ابن کثیر ﷺ لکھتے ہیں:

''بنی سعد کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو مکحول غلام اور کنیز دی اس نے ان دونوں کی آپس میں شادی کردی اور بنی سعد میں ان کی نسل مسلسل جاری رہی۔'' ۲۷

بیہقی نے حکم بن عبدالمالک کی معرفت قتادہ سے بیان کیا ہے کہ ہوازن کی فتح کے بعد ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کی رضاعی بہن ہوں۔ میرا نام شیما بنت حارث ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا اگر تم سچی ہو تو تمہارے بدن پر لازوال نشان ہے تو اس نے اپنا بازو ننگا کر کے دکھایا۔ ہاں یارسول اللہ ﷺ! بچپن میں آپ نے مجھے منہ سے کاٹا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھا کر کہا مانگو ملے گا۔ سفارش کرو قبول ہوگی۔'' ۲۸

# ددھیال سے میل جول کے آداب

ددھیال سے میل جول کے آداب اوراُن کے حقوق وفرائض بیان کرنے سے قبل ان رشتوں کی تعین کرتے ہیں۔جن کو ددھیال کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ بات اکثر اوقات کانوں سے ٹکراتی ہے کہ ہم ددھیال جارہے ہیں اور ہم ددھیال سے واپس آرہے ہیں۔اسی کے پیش نظر ہم ددھیال کی توضیح کئے دیتے ہیں۔

## ددھیال کی تعیین

ددھیال کی تعیین اس طرح سے مناسب معلوم ہوتی ہے۔

باپ، دادا، دادی، اوپر تک

باپ کے بہن، بھائی یعنی پھوپھیاں اوران کے شوہر بچے اوران کی بیویاں اوران کی اولادیں، چچا اوران کی آل اولاد۔

بالفاظ دیگر باپ کی طرف سے اصول اوراطراف کو ددھیال کا نام دے سکتے ہیں۔

## باپ

''باپ'' اُردو زبان کا لفظ ہے جسے عربی میں ''والد'' اور فارسی میں ''پدر'' اورانگریزی میں "Father" کہا جاتا ہے۔

## انبیاء کا اپنے والدین سے سلوک

### حضرت اسماعیل علیہ السلام فرزندارجمند حضرت ابراہیم علیہ السلام

① اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ. فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ﴾[29]

''اے میرے رب! مجھے صالح (بیٹا) عطا فرما۔ چنانچہ ہم نے اسے بردبار بیٹے کی بشارت دی پھر جب وہ بیٹا ان کے ہمراہ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ بیٹے میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کررہا ہوں۔اب بتلاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا: ابا جان وہی کچھ کیجئے جو آپ کو حکم ہوا ہے آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے سر تسلیم خم کردیا اور ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو پیشانی کے بل لیٹا دیا۔تب ہم نے اسے پکارا ''اے ابراہیم'' تم نے خواب کو سچ کردکھایا۔ ہم یقیناً نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی صلہ دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک صریح آزمائش تھی۔''

ان تمام آیات میں بیٹے کا باپ کے ساتھ سلوک اور اطاعت وفرمانبرداری کا ذکر ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کہتے چلے جارہے ہیں اور صالح فرزندارجمند حضرت اسماعیل علیہ السلام اس کو عملی جامہ پہنائے جارہے ہیں۔

④ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ کعبۃ اللہ تعمیر کیا جائے تو بیٹا باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں اکٹھے بیت اللہ تعمیر فرما رہے ہیں۔ گویا بیٹا اپنے باپ کے مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنے باپ کی مدد و نصرت میں شریک ہے جسے اللہ تعالیٰ اس انداز میں بیان کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ۳۰

''اور جب ابراہیم و اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (تو دعا کی) اے ہمارے رب! خدمت قبول فرما بلا شبہ تو ہی سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

⑤ عرصہ دراز کے بعد ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کی زیارت کے لئے ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گھر میں عدم موجودگی کی بنا پر آپ علیہ السلام اپنا بیٹے کے نام اپنے پیغام دے کر آئے۔ جسے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حکم سمجھتے ہوئے بلا چوں چراں تسلیم کیا جسے محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں اس طرح نقل کرتے ہیں:

''صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کے لئے مکہ گئے مگر وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بیوی سے استفسار کیا کہ تمہاری حیات کی گزران کیسی ہے؟ تو اس نے (بجائے اس کہ صبر و شکر ادا کرتی) کہا:

﴿نحن فی ضیق و شدۃ، نحن بشر فلشلك الیه﴾

''ہمارا تو بہت بُرا حال ہے۔ ہم تو بڑی تنگ دستی اور مصیبت میں مبتلا ہیں۔''

گویا خوب شکوہ و شکایت کی اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا ''اچھا جب تمہارا خاوند آئے تو اسے میری طرف سے سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل لو۔''

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو ان کی بیوی نے انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بتلایا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کہنے لگے کہ وہ میرے والد تھے اور مجھے یہ وصیت کر گئے ہیں کہ میں تمہیں طلاق دے دوں۔ چنانچہ انہوں نے اس عورت کو طلاق دے دی۔'' ۳۱

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے:

''ایک عرصہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ اب کی بار بھی وہ گھر پر نہ ملے البتہ ان کی نئی بیوی سے ملاقات ہوئی تو آپ علیہ السلام نے عرض کیا۔ گزران کیسی ہے؟ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نئی بیوی نے کہا:

﴿نحن بخیر و سعۃ واثنت علی اللہ عزوجل﴾ ''ہم خیر و عافیت کے ساتھ ہیں بہت خوشحال ہیں اور اس پر اللہ کی حمد اور شکر ادا کیا۔'' ۳۲

صحیح بخاری ہی کی اگلی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس عورت نے کہا:

﴿الا تنزل فتطعم و تشرب﴾ ''آپ تشریف فرما ہوں میں آپ کے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں خیر و برکت کی دعا دیتے ہوئے فرمایا:

''جب تمہارا شوہر واپس آئے تو اسے میرے طرف سے سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھ۔''

'' جب حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس آئے ان کی اس بیوی نے کہا، ہمارے ہاں ایک نیک سیرت بزرگ آئے تھے اور اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوب تعریف کی پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے کہا کہ وہ آپ کے لئے یہ وصیت کر گئے ہیں کہ آپ اپنے دروازے کی چوکھٹ سلامت رکھے۔ اس پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ وہ میرے والد تھے اور مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں نکاح میں برقرار رکھوں۔'' ۳۳

## نقطۂ استدلال

مذکورہ بالا روایات اس نقطہ کو زیر بحث رکھتے ہوئے نقل کی گئی ہیں کہ بیٹا اور باپ کے تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہئے اور ددھیال کے آداب کہاں تک ہیں۔ نقطہ استدلال یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے ددھیال سے کس طرح پیش آتے رہے اور ان کے مشورے کو حکم سمجھتے ہوئے سر تسلیم خم کرتے رہے۔ باپ نے قربانی کا خواب دیکھا تو بیٹے کو صابر پایا اور جب باپ نے تعمیر کعبہ کے بارے مشورہ لینا چاہا تو بیٹے کی طرف سے بے لوث خدمت اور باپ سے شراکت کو بے نظیر پایا اور جب انہیں ملنے گئے تو باوجود اس کے کہ ان سے ملاقات ہوتی اور انہیں براہ راست طلاق دینے کا کہتے ان کی عدم موجودگی میں بیوی کو پیغام دیا جسے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حکم سمجھا اور دل و جان سے اسے تسلیم کرتے ہوئے اس کا نفاذ فرمایا۔

## حضرت یوسف علیہ السلام کے اپنے ددھیال سے تعلقات اور ان کے آداب

### یوسف علیہ السلام کا خواب اور باپ کا سلوک

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ کو اپنا خواب سنایا۔ باپ نے اپنے بیٹے کی رہنمائی کرتے ہوئے بتایا یہ بات راز رہے کسی کے لئے بھی عیاں نہیں ہونی چاہئے۔

جسے اللہ تعالیٰ اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

﴿إِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يَأَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ. قَالَ يٰبُنَيَّ لَاتَقْصُصْ رُءْ يَاكَ عَلٰى إِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا. إِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّمُّبِيْنٌ﴾ ۳۴

''جب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا تھا۔ اے ابا جان میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ باپ نے کہا میرے پیارے بیٹے۔ یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتلانا ورنہ وہ تمہارے لئے بری تدبیریں سوچنے لگیں گے بے شک شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔''

### بیٹے کا باپ سے سلوک

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ آوٰى إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ إِنْ شَاءَ اللهُ آمِنِيْنَ وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْالَهُ سُجَّدًا قَالَ يَأَبَتِ هٰذَا تَأْوِيْلُ رُءْ يَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا﴾ ۳۵

''پھر جب یہ لوگ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا شہر میں چلو۔ ان شاء اللہ امن و چین سے رہو گے اور یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو اٹھ کر (اپنے) تخت پر بٹھایا اور اس کے بھائی یوسف علیہ السلام کے آگے سجدہ میں گر

گئے۔یوسف علیہ السلام نے کہا ابا جان یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔اللہ نے اسے حقیقت بنا دیا۔''

تیسیر القرآن میں ہے :

''جب حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کا خاندان حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت پر مصر آئے تو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے فوجی اور سول افسران نے حدود مصر پر ان کا شاندار استقبال کیا اور انہیں گلے لگایا اور اس روز پورے مصر میں جشن کا سامان تھا۔عورتیں، مرد اور بچے سب اس جشن اور جلوس کو دیکھنے آئے۔مزید اکرام کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو اپنے عرش پر بٹھا دیا۔جب خاندان کے افراد نے حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ توقیر دیکھی تو گیارہ بھائی، والد اور والدہ سب کے سب حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدے میں گر گئے یہ سجدہ تعظیمی تھا۔ جو کہ پہلی امتوں میں جائز تھا لیکن اب منسوخ ہو چکا ہے۔ یہی خواب کی تاویل تھی۔جس کو حضرت یوسف علیہ السلام نے گیارہ ستارے اور قمر و شمس کو سجدہ کرتے دیکھا تھا۔خواب اور اس کی تاویل پوری ہونے میں چالیس سال کا عرصہ تھا۔''[۳۶]

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں :

''یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے ارشاد کی تعمیل میں اپنے والدین اور اہل و عیال سمیت مصر پہنچے۔مصر پہنچ کر جب حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوئے تو انہوں نے اپنے والدین کو خاص اپنے پاس جگہ دی اور ان سب لوگوں کا خیر مقدم کیا:

﴿اُدْخُلُوْ مِصْرَ إِنْ شَاءَ الله آمِنِيْنَ﴾ خیر مقدم کا جملہ ہے یعنی مصر میں داخل ہوجایئے۔ یہ داخلہ انشاء اللہ امن و اطمینان کا موجب ہوگا۔

تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے شہر سے باہر نکل کر ان لوگوں کا استقبال کیا اور اس شان وشوکت سے ان کو شہر میں لائے کہ جشن کی صورت پیدا ہوگئی۔

اَبَوَيْهِ کا لفظ یہاں علی سبیل التغلیب استعمال ہوا ہے۔اس لئے کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ان کی پرورش ان کی سوتیلی ماں نے کی تھی جو ان کی حقیقی خالہ بھی تھی۔''[۳۷]

## دادا کے حقوق وفرائض اور آداب

دادا ددھیال کا سربراہ اور سردار کہلاتا ہے کیونکہ ددھیال کے تمام معاملات اس کی طرف لوٹ کر آتے ہیں اور باپ کی عدم موجودگی میں دادا ہی باپ کے قائم مقام ہوتا ہے۔اسی لئے تو اکثر اوقات دادا کی طرف نسبت کی جاتی ہے، جیسے نبی اکرم ﷺ نے اپنی نسبت دادا کی طرف کرتے ہوئے فرمایا:

«أنأ النبی لا كذب ، أنا ابن عبد المطلب»[۳۸]

''میں بلاشبہ سچا نبی ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں''

یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والد ''عبداللہ'' تھے اور آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب تھے۔آپ ﷺ کا دادا کو باپ کے مقام پر لانا اس بات کی دلیل ہے کہ باپ کی عدم موجودگی میں دادا باپ کے قائم مقام ہوتے ہیں اور تمام معاملات اور تمام حقوق و فرائض باپ کے متعلق ہوتے ہیں وہ دادا کے لئے بھی بعینہ ہوں گے۔جن کا تفصیلی ذکر پہلے گزر چکا ہے۔البتہ باپ سے الگ جو امور دادا کے لئے خاص ہیں ان کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔

## دادا کی وراثت

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن ''مجموعہ قوانین اسلام'' میں لکھتے ہیں:

''دادا باپ کی غیر موجودگی میں اس کی مثل کا مستحق ہوگا بجز ذیل کی صورتوں میں:

① باپ کی ماں، باپ کی موجودگی میں محروم ہوگی دادا سے محروم نہ ہوگی۔

② جب میت والدین اور زوجین میں سے کسی ایک کو چھوڑے تو ماں کو زوجین کا حصہ دینے کے بعد بقیہ کا ایک تہائی ملے گا۔ لیکن باپ کی جگہ دادا کی موجودگی میں ماں کو کل ترکہ کا ایک تہائی ملے گا۔

③ حقیقی یا علاتی بھائی دادا کی موجودگی میں محروم نہ ہوگا بلکہ دادا کو بھائی کے برابر حصہ ملے گا۔[۳۹]

## توضیح وتشریح

◉ سید شریف جرجانی لکھتے ہیں:

''جد سے مراد جد صحیح یعنی دادا ہے جس کے اور میت کے دوران عورت کا واسطہ نہ ہو بلکہ مرد واسطہ ہو۔ جیسے میت کے باپ کا باپ، اور اس سے اوپر کا سلسلہ چنانچہ ماں کا باپ (نانا) جد صحیح نہ ہوگا بلکہ جد فاسد (یا جد غیر حقیقی) کہلائے گا۔''[۴۰]

◉ سید صاحب مزید لکھتے ہیں:

''نانا کے لئے جب جد کا لفظ بولا جاتا ہے تو لفظ ''فاسد'' یا ''غیر حقیقی'' کی قید کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ حقیقی دادا یا جد صحیح سے مراد وہ دادا ہے جو میت کے باپ کا باپ ہو، اور جس کی میت کی طرف نسبت کرنے میں ماں بیچ میں نہ آئے۔''[۴۱]

◉ مولانا نظام الدین لکھتے ہیں:

''اگر میت تک نسبت کرنے میں ماں بیچ میں آئے تو وہ دادا غیر حقیقی ہے۔ جیسے میت کی ماں کا باپ، غیر حقیقی دادا ذوی الفروض میں شامل نہیں ہے۔''[۴۲]

◉ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن لکھتے ہیں:

''باپ کی عدم موجودگی میں دادا اور اس کی عدم موجودگی میں سکڑ دادا وغیرہ اس کے قائم مقام ہوں گے یعنی باپ کے باپ، باپ یا باپ کے باپ کا باپ علی ھذا القیاس۔

اگر دادی نے دوسری شادی کی ہو تو اس کا نیا شوہر دادا نہ ہوگا نہ بحیثیت ذوی الفروض کے اور نہ بلحاظ ذوی الارحام کے۔ چنانچہ اسے کسی حال میں میت کا ورثہ نہ ملے گا۔ اس کو علم المیراث کی اصطلاح میں صرف دادی کا شوہر کہا جائے گا۔[۴۳]

## دادا کی میراث کی حالتیں

باپ کی طرح جد (دادا) کی بھی تین حالتیں ہیں:

① محض ذی فرض ہونا

② ذی فرض وعصبہ ہونا

③ محض عصبہ ہونا

### ① محض ذی فرض ہونا

اگر جد کے ساتھ میت کی نرینہ اولاد ہو تو وہ ترکہ کا چھٹا حصہ ذی فرض کی حیثیت سے پائے گا۔

### ② ذی فرض وعصبہ ہونا

لیکن اگر صرف میت کی مؤنث اولاد ہو تو ترکہ کا چھٹا حصہ ذی فرض کی حیثیت سے پائے گا اور ذی فرض کو ان کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے دادا کو ملے گا۔

### ③ محض عصبہ ہونا

لیکن جب میت کی مذکورہ دونوں قسم کی اولاد میں سے کوئی موجود نہ ہو یا ایسے فروع موجود ہوں جو ذی فرض یا عصبہ نہ ہونے کے سبب وارث نہیں ہو سکتے جیسا کہ نواسہ، نواسی تو اس وقت دادا محض عصبہ ہونے کی حیثیت سے کل مال کا حقدار ہو جائے گا۔

اگر ورثاء میں صرف دادا یا دادی موجود ہوں تو دادی کا چھٹا حصہ دے کر بقیہ دادا لے لے گا لیکن ایسی صورت میں دادی کا دادا کے ہم درجہ ہونا ضروری ہے البتہ دادی کی موجودگی میں دادا کے اوپر کے درجہ کی دادیاں محروم ہو جاتی ہیں۔[44]

## اجماع صحابہ

صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ میراث میں دادا باپ کے قائم مقام ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ باپ کی عدم موجودگی میں دادا اس کی جگہ ہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔

اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿قَالُوْا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ اٰبَآئِكَ إِبْرَاهِيْمَ وَ إِسْمَاعِيْلَ وَ إِسْحٰقَ﴾ [45]

''اس فرمان الٰہی میں حضرت اسحق علیہ السلام کے بھائی حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے، جس پر بھی لفظ ''اب'' استعمال ہوا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ چچا اپنی میراث میں دادا کی طرح ہے بلکہ باپ کی جگہ دادا لیتا ہے نہ کہ چچا اس سے ثابت ہوا کہ باپ کی عدم موجودگی میں دادا باپ کے قائم مقام ہوگا۔''[46]

# والدہ کے رشتہ داروں کا تعین

## والدہ

### لغوی تعریف

الأم اصل الشیء (للحیوان والنبات) والوالدة وتطلق علی الجدة یقال: حواء ام البشر و الشیء یتبعه ما یلیه والجمع أمات وأمهات ویقال هو من أمهات الخیر ۴۷

''لغوی طور پر لفظ ام شے کی اصل پر بولا جاتا ہے ۔(حیوان اور نباتات کے لئے ) والدہ کا اطلاق جدہ پر بھی ہوتا ہے کہا جاتا ہے حواء انسانوں کی ماں ہیں۔اس کی جمع أمات اور أمهات آتی ہے کہا جاتا ہے وہ بھلائی کی مائیں ہیں۔

### اصطلاحی تعریف

ان من ولدت الانسان فهی أمه حقیقة ، أما من ولدت من ولده فهی أمه مجازا، وهو الجدة وان علت کأم الأب وأم الأم ومن أرضعت انسانا ولم تلده فهی أمه من الرضاع ۴۸

''اصطلاح میں ماں اس عورت کو کہتے ہیں جس نے آدمی کو جنم دیا ہو، اسے حقیقی والدہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے، باپ کی ماں کو مجازی والدہ کہا جاتا ہے اور وہ دادی ہے۔ باپ کی ماں اور والدہ کی ماں پر بھی ماں کا لفظ بولا جاتا ہے اور جس عورت نے بچے کو دودھ پلایا ہو لیکن اسے جنم نہ دیا ہو اسے رضاعی والدہ کہا جاتا ہے۔

### معاشرے میں والدہ کی حیثیت

قرآن وسنت کے اعتبار سے ماں کا مقام معراج انسانیت ہے ماں کو اس حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور وہ مقام دیا گیا ہے جس کی عظمت کا تصور بھی ممکن نہیں۔قرآن پاک میں اللہ کی توحید کے بعد دوسرا درجہ والدین کی اطاعت ہے اور والدین میں سے بھی والدہ کو ترجیح دی گئی ہے۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ إِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ ۴۹

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے (توریت میں) بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت کرو اور اہل قرابت کی، یتیم بچوں کی اور محتاجوں کی اور عام لوگوں سے بھی اچھی طرح (خوش خلقی سے) کلام کرو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو پھر تم پھر گئے مگر چند لوگوں کے سوا اور تم اعراض کرنے والے ہو۔''

اس آیت میں والدین کا مقام بیان کیا گیا ہے ان کے ساتھ حسن وسلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور معاشرے میں ان کے مقام کو اجاگر کیا گیا ہے معاشرتی زندگی میں چونکہ والدین سراپا ایثار ہیں اور کوئی بھی معاشرہ ایثار کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا اس ایثار کے لئے

والدین کا وجود ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔ جس طرح ایک والد پر خاندان کے تمام اخراجات کی ذمہ داری ہوتی ہے اس طرح والدہ پر خاندان کے تمام قسم کے گھریلو کاموں کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ بچوں کی تربیت کا انحصار والدہ پر ہی ہوتا ہے اگر والدہ خود تربیت یافتہ ہوگی تو بچے بھی تربیت یافتہ ہوں گے۔ والدہ کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اچھی تربیت دے۔

## خاندانی نظام میں والدہ کا کردار

خاندانی زندگی حقوق وفرائض کی روح کا تصور ہے اس کے بغیر کوئی بھی معاشرہ اپنی اجتماعیت برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اولاد اور والدین کی باہمی تعلق کو مستحکم اور پابند بنانے کے لئے اسلام نے جس طرح ہر دو فریق کو اپنے فرائض پورے کرنے کے لئے قانونا پابند بنایا ہے اسی طرح مزید بہتری کے لئے فضیلت ورغبت کا طریقہ بھی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ایک طرف اولاد کی تربیت و پرورش پر والدین کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے جبکہ دوسری طرف اولاد کو یہ بتایا گیا ہے کہ باپ جنت کا مرکزی دروازہ ہے اور ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ یعنی ماں باپ کی خدمت گزاری جنت میں لے جانے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

والدہ خاندان میں بہت ہی اہم کردار ادا کرتی ہے وہ جب بچہ جنم دیتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اس پر بچے کی بہت زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی جاتی ہے بچے کی اچھی اور بری تربیت کا انحصار والدہ پر ہی ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ما من مولود إلا يولد على الفطرة فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه"[50]

''ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔''

## اسلام میں والدہ کا مقام ومرتبہ

### والدہ کا مقام قرآن کی نظر میں

قرآن مجید میں والدین کا بہت زیادہ مقام بیان ہوا ہے اور اس کا تذکرہ بار بار کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا﴾[51]

''اور تیرے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین سے اچھا سلوک کرو اگر تم ان میں سے کسی ایک یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پاؤ تو انہیں اف تک نہ کہو اور نہ ہی انہیں جھڑکو بلکہ ان سے نرمی سے بات چیت کرو اور مہربانی سے اپنی عاجزی کا بازو ان کے لئے جھکا دو اور یہ دعا کرو:

''اے میرے مالک! تو ان پر رحم کر جیسے انہوں نے (مجھ پر رحم کرتے ہوئے) بچپن میں مجھے پالا پوسا۔''

تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے (یعنی یہ کہ تم والدین سے نیکی کرو گے یا نافرمانی) اگر تم نیکی کرو گے تو وہ اللہ توبہ کرنے والوں کو بخش دیتا ہے۔''

اس آیت میں والدین کے حوالے سے درج ذیل نکات بیان ہوئے ہیں:

① والدین کو ناراضگی سے 'اف' بھی نہ کہا جائے۔

② انہیں تادیباً 'جھڑکا' نہ جائے۔

③ ان سے نرمی اور اخلاق سے بات کی جائے۔

④ ان کے سامنے عاجزی وانکساری کا اظہار کیا جائے۔

⑤ والدین زندہ ہوں یا فوت شدہ، ان کے حق میں دعائے رحمت کی جائے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَّإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾ ۵۲

''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی نصیحت کی۔ لیکن اگر والدین تجھ پر زور ڈالیں تو میرے ساتھ کسی ایسے (معبود) کو شریک ٹھہرائے جسے تو (میرے شریک کی حیثیت سے) نہیں جانتا تو ان کی اطاعت نہ کر۔''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کی اطاعت کے بعد والدین کی اطاعت بہت ضروری ہے۔

## والدہ کا مقام حدیث کی نظر میں

احادیث میں والدہ کا بہت زیادہ مقام بیان ہوا ہے اور والد سے والدہ کو ترجیح دی گئی ہے۔

◉ عن ابی هريرة قال قال رجل : يارسول اللهﷺ من أحق بحسن صحابتي؟ قال : أمك قال: ثم من ؟ قال : أمك قال : ثم من؟ قال: أمك قال ثم من؟ قال: أبوك ۵۳

''حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں۔ بولا؟ پھر کون؟ فرمایا: تمہاری ماں۔ بولا پھر کون؟ فرمایا: تمہاری ماں بولا پھر کون؟ فرمایا: تیرا باپ۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

" إن الله حرم عليكم عقوق الأمهات و واد البنات ومنع هات وكره لكم قيل وقال وكثرة السؤال واضاعة المال" ۵۴

''اللہ تعالی نے حرام ٹھہرایا ہے ماؤں کی نافرمانی اور بیٹیوں کو زندہ گاڑنا اور بخل اور گرائی اور تمہارے لیے برا جانا قیل وقال اور سوال کی کثرت اور مال ضائع کرنا۔''

## جنت والدہ کے قدموں تلے ہے

"إن جاهمة جاء إلى النبى فقال يارسول الله اردت أن أغزو وقد جئت استشيرك فقال هل لك من أم؟ قال: نعم ، قال: فالزمها فإن الجنة تحت رجليها" ۵۵

''حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں جہاد میں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں اور آپ ﷺ سے مشورہ لینے آیا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے؟ اس نے کہا جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اس کی خدمت کر، بے شک جنت اس کے قدموں تلے ہے۔''

یہ ایک تمثیلی انداز بیان کیا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ اگر تم اپنی ماں کی خدمت کر کے اسے راضی کر لو گے تو جنت پا لو گے۔ اور اگر

اس کی نافرمانی اور گستاخی کر کے اسے ناراض کر بیٹھو گے تو جہنم کی سزا پاؤ گے۔

## سب سے زیادہ حسن سلوک کا حقدار کون؟

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إن الله يوصيكم بامهاتكم ثلثا إن الله يوصيكم بامهاتكم"٥٢

''رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا''اللہ تعالیٰ تمہیں یہ وصیت کرتا ہے کہ تم اپنی ماؤں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتے ہیں کہ تم اپنے باپوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

مذکورہ بالا احادیث میں والدہ کو والد پر جو ترجیح دی گئی ہے اس کی وجہ سمجھنا کوئی مشکل بات نہیں اولاد کی پیدائش اور پرورش کے سلسلہ میں جتنی مشکلات ایک ماں اٹھاتی ہے اتنی باپ نہیں اٹھاتا۔ ہر بچے کو نو ماہ پیٹ میں اٹھانا، زندگی کے مراحل طے کر کے اسے جنم دینا دو سال تک اپنا دودھ پلانا بچے کا پیشاب پاخانہ صاف کرنا، گرمی اور سردی میں موسمی شدت خود برداشت کر کے اسے ہر ممکنہ راحت پہنچانا، ایسی دشوار چیزیں ہیں جن کا سامنا ایک ماں ہی کر سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انصاف اسی بات میں ہوسکتا ہے کہ ان مشقتوں کو برداشت کرنے کی وجہ سے ماں کا حق خدمت والد کے مقابلے میں زیادہ ہوتا اسی انصاف کے پیش نظر اسلام میں والدہ کے حق خدمت والد کے مقابلے میں تین گنا زیادہ رکھا گیا ہے۔

## والدہ کے تعلقات کی نوعیت

اس کائنات میں آدمی کے کئی ایک رشتے ہوتے ہیں۔ کہیں وہ بیٹا ہوتا ہے کہیں باپ، کہین وہ داماد بنتا ہے کہیں سسر، کہیں وہ شاگرد ہوتا ہے کہیں استاد اسی طرح عورت کے بھی کئی رشتے ہیں کہیں وہ ماں کا درجہ رکھتی ہے کہیں وہ بہو ہوتی ہے تو کہیں وہ ساس بن جاتی ہے۔ کسی کی خالہ اور کسی کی پھوپھی کسی کی بہن اور کسی کی بیوی ہوتی ہے۔ اسلام ہر پہلو سے اس کا دائرہ کار کا تعین کرتا ہے جس طرح والدہ کا احترام فرض ہے اسی طرح والدہ کے دیگر رشتہ داروں کا احترام بھی ضروری ہے۔

## والدہ کی رشتہ داریاں

والدہ کی رشتہ داریاں دو طرح کی ہیں:

① نسبی ② سببی

## ① نسبی رشتہ داریاں

نسب کا لغوی معنی قرابت ہے۔ اور اس سے مراد قریب اور بعید کے وہ تمام رشتہ دار ہیں جن کا تعلق نسب سے ہوتا ہے اس سبب کی بناء پر ایک رشتہ دار دوسرے رشتے داروں کا وارث بنتا ہے۔

والدہ کے نسبی رشتوں کی تین جہات ہیں:

① اصول ② فروع ③ اطراف

## ① اصول

اصل کی جمع ہے جس کے معنی جڑ اور بنیاد کے ہیں اصول سے مراد والد والدہ، دادا، دادی اور اوپر تک کے رشتہ دار ہیں۔ لہٰذا ماں کے اصول میں نانا، نانی اور ان کے اوپر کے افراد شامل ہیں۔

## ② فروع

فروع سے مراد بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی نیچے تک کے رشتہ دار ہیں۔ والدہ کے فروع میں آدمی کے دو قسم کے بہن بھائی شامل ہیں۔ حقیقی بہن بھائی اور اخیافی بہن بھائی۔

## ③ اطراف

اطراف سے مراد بھائی، بہن، چچا، پھوپھی نیچے تک کے رشتہ دار ہیں۔ والدہ کے اطراف میں خالہ، ماموں والدہ کے چچا، ماموں اور پھوپھی، خالہ شامل ہیں۔

# ننھیال سے میل جول کے آداب

## ننھیال کی تعیین اور تقسیم کار

ماں اور نانا کی طرف سے تمام رشتہ داروں پرننھیال کا لفظ صادق آتا ہے اوراس میں ماں، نانی، نانا، ماموں اور خالہ شامل ہیں۔
شریعت اسلامیہ میں ماں اوراس کے خاندان کی بہت زیادہ اہمیت وفضیلت بیان کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ ۵۷

آیت مذکورہ میں ''والدین'' کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور توحید کا بیان کرنے کے فوراً بعد والدین کا ذکر کیا ہے۔ جس سے والدین کا مقام غیر معمولی حیثیت کا حامل ہوجاتا ہے اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ والد کا جتنا مقام اللہ کے ہاں ہے اس سے کہیں زیادہ مقام ماں کو دیا گیا ہے۔ کیونکہ ماں کو انتہائی سخت مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اگر مردوں پر یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ ڈال دے تو اس کے طبیعت کے لحاظ سے سخت ہونے کی بنا پر یہ اپنی ذمہ داری نبھانے سے قاصر ہوجاتا۔

## والدہ کے ساتھ حُسن سلوک

ویسے تو معاشرہ کے ہر فرد سے حُسن سلوک سے پیش آنا چاہئے لیکن والدہ ان وجوہات کی بنا پر حُسن سلوک کا غیر معمولی حق رکھتی ہے۔

### ① جنین کا بوجھ برداشت کرنا اور اسے جنم دینا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَفِصٰلُهُ فِيْ عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْلِيْ وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾ ۵۸

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ (حسن سلوک کا) تاکیدی حکم دیا۔ اس کی ماں نے کمزوری سہتے ہوئے اسے اٹھائے رکھا اور دو سال اس کے دودھ چھڑانے میں لگے۔ میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی۔ میرے پاس ہی لوٹ آنا ہے۔''

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسٰنًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَّحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ ۵۹

''اور ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ اپنے والدین سے حسن سلوک کرے۔ اس کی ماں نے مشقت سے اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت سے جنا اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگے۔''

اللہ تعالیٰ نے والدہ کی مشقت کے تین مراحل کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔

① والدہ نے بچے کا بوجھ اٹھایا۔

② والدہ نے اپنے جنین کو جنم دیا۔

③ دودھ پلایا۔

اب اتنی مشقت برداشت کرنے کے بعد والدہ کو غیر معمولی حق حاصل ہے کہ اس کے تمام حقوق کو بجالایا جائے اور اس کے لئے دعا کی جائے والدہ کے تفصیلی حقوق پیچھے گذر چکے ہیں یہاں ہم چند آداب بیان کرتے ہیں۔

## رضاعی والدہ سے حسن سلوک

◉ حافظ عمادالدین ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مراسیل ابوداؤد میں (احمد بن سعید ہمدانی ابن وھب، عمرو بن حارث ) عمر بن سائب سے بیان کرتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز تشریف فرما تھے کہ آپ کا رضاعی باپ آیا آپ نے اس کے لئے اپنا کپڑا پھیلا دیا پھر آپ ﷺ کی رضاعی والدہ تشریف لائی آپ ﷺ نے دوسرے پہلو پر اس کے لئے کپڑا پھیلایا۔ وہ اس پر بیٹھ گئیں پھر آپ کا رضاعی بھائی آیا تو آپؐ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو اپنے سامنے بٹھا دیا۔'' ٦٠

حافظ عمادالدین ابن کثیر رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

''عمارہ بن ثوبان ابوطفیل سے بیان کرتے ہیں کہ میں کم عمر ہی تھا اور اونٹ کا گوشت اٹھائے ہوئے تھا تو میں نے جعرانہ میں نبی کریم ﷺ کو مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے دیکھا۔ ایک خاتون آئی آپ ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر زمین پر بچھادی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں تو بتایا گیا کہ آپ ﷺ کی رضاعی والدہ تھیں۔'' ٦١

## خالہ اور نانی سے سلوک

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَ أَخَوَاتُكُمْ وَ عَمَّاتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنَاتُ الأَخِ وَ بَنَاتُ الأُخْتِ... الی قوله... إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ٦٢

''تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری خالائیں، تمہاری بھتیجیاں، تمہاری بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں پرورش پا رہی ہوں بشرطیکہ تم اپنی بیویوں سے صحبت کر چکے ہو اور اگر ابھی تک صحبت نہیں کی تو (ان کو چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح میں) تم پر گناہ نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں بھی (حرام ہیں) جو تمہاری صلب سے ہوں نیز دو بہنوں کو اپنے نکاح میں جمع کرنا مگر جو پہلے گزر چکا (سو گزر چکا) بلا شبہ اللہ بہت بخشنے والا رحیم ہے۔''

آیت بالا میں حرمت والے رشتوں کا ذکر ہے جن میں سے نانی اور خالہ بھی ہیں۔ جن سے نکاح کرنا شریعت مطہرہ نے حرام ٹھہرا دیا ہے۔ جس سے نانی اور خالہ کے رشتے کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ ہو رہا ہے اور شریعت اسلامیہ نے ان رشتوں کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔

سید سابق مصری نے اپنی کتاب ''نظام الاسرہ'' میں بچے کی پرورش میں اصحاب حقوق کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے:

''پرورش کے جو حق دار ہیں ان کی ترتیب اس طرح ہوگی۔ پہلے ماں، اگر کوئی رکاوٹ پائی جائے جو اس کو مقدم کرنے میں مانع ہو تو یہ ماں کی ماں (نانی) کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ پھر ماں کی بہن (یعنی خالہ) پھر باپ کی بہن پھر سگی بہن کی بیٹی جو ماں کی بہن کی بیٹی ہے۔'' ٦٣

## استدلالی نقطہ

فضیلۃ الشیخ سید سابق مصری نے مذکورہ بالا ترتیب میں جس رشتے کو اوّلیت کا مقام دیا ہے وہ نانی کا رشتہ ہے جس کو ننھیال میں بلند مقام کے حصول کے ساتھ مرکزی کردار بھی حاصل ہے۔ چونکہ نانی اور نانے کی اولاد خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ان کا مرکز و محور نانی اور نانے کا گھر ہوتا ہے۔ نانی کے بعد خالہ کو سید سابق مصری نے ترتیب میں رکھا ہے چونکہ ماں جیسے اوصاف خالہ ہی میں پائے جاسکتے ہیں، وہ اکٹھی پرورش پاتی رہیں اور خونی رشتہ ہونے کی بنا پر خالہ ماں سے کافی حد تک ملتی جلتی ہے اس بنا پر شریعت مطہرہ ماں کے بعد خالہ کو بچے کی پرورش و دیگر معاملات سونپتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں روایت نقل کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے جانے لگے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی آپ ﷺ کو اے چچا، اے چچا کہہ کر آپ ﷺ کے پیچھے چل پڑی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا۔ یہ آپ کے چچا کی بیٹی ہے تو انہوں نے اسے اٹھا لیا۔ تو حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے درمیان جھگڑا ہونے لگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس کا زیادہ حقدار ہوں اس لئے کہ یہ میرے چچا کی دختر ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کہا اور مزید یہ کہ اس کی خالہ میری بیوی ہے لہٰذا میں اس کا سب سے زیادہ حقدار ہوں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس کا زیادہ حقدار ہوں اس لئے کہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے

"فقضیٰ لها النبی ﷺ لخالتها وقال الخالة بمنزلة الام وقال لعلی انت منی وانا منك وقال لجعفر اشبهت خلقی و خلقی وقال لزید انت اخونا و مولانا"[٦٤]

''آپ ﷺ نے خالہ کے حق میں فیصلہ کر دیا اور آپ ﷺ نے فرمایا خالہ ماں کی قائم مقام ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا آپ مجھ سے ہیں اور میں آپ سے ہوں اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو فرمایا تو میرے جیسا ہے صورت اور سیرت کے لحاظ سے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو فرمایا تو میرا دوست اور بھائی ہے۔''

مذکورہ حدیث صحیح بخاری میں دو مقامات پر، سنن ابی داؤد میں "من احق بالولد" باب کے تحت اور صحیح ابن حبان میں "باب المو ادعة والمهادنة" کے تحت اور سنن و جامع ترمذی میں ''باب ماجاء فی بر الخالة" کے تحت اور دیگر کئی کتب احادیث میں یہ حدیث موجود ہے۔

حضرت مسروق رحمہ اللہ تابعی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں :

"الخالة بمنزله الأم والعمة بمنزلة الأب و بنت الأخ بمنزله الأخ و كل رحم بمنزلة رحمه التی يدل بها إذا لم يكن وارث ذوقرابة"[٦٥]

''خالہ ماں کے قائم مقام ہے اور پھوپھی باپ کے قائم مقام ہے اور بھائی کی بیٹی بھائی کے قائم مقام ہے اور ہر رشتہ دار اپنے رشتہ دار کا ولی ہے۔''

## حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

''حضرت زیاد بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی سے سوال کیا:

"هل تدری کیف قضیٰ عمر فی العمة والخالة قال لا قال إنی لأعلم خلق الله کیف کان قضیٰ فیهما عمر جعل الخالة بمنزلة الأم والعمة بمنزله الأب"٦٦

''کیا تم جانتے ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھوپھی اور خالہ کے بارے کیا فیصلہ فرمایا؟ کہا نہیں فرمایا: میں اللہ کی مخلوق کو زیادہ جانتا ہوں کیسے حضرت عمر نے ان کا فیصلہ فرمایا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خالہ کو ماں کے قائم مقام ٹھہرایا اور پھوپھی کو باپ کے قائم مقام ٹھہرایا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں:

"أن رجلا أتی النبیﷺ فقال یارسول اللهﷺ إنی أصبت ذنبا عظیما فهل لی توبه؟ قال هل لك من أم؟ قال لا، قال هل لك من خاله؟ قال نعم قال فبرها"٦٧

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت بڑا گناہ کا مرتکب ہو چکا ہوں کیا میرے لئے توبہ کا موقع ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تیری ماں حیات ہے؟ کہا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیری خالہ زندہ ہے؟ کہا: ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اس سے حسن سلوک کرو۔''

## خالہ اور بھانجی کا ایک نکاح میں جمع ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ اور بھانجی اور پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لا تنکح العمة علی بنت الأخ ولا ابنة الأخت علی الخالة" ٦٨

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا یجمع بین المرأة و عمتها ولا بین المرأة و خالتها"٦٩

''کہ پھوپھی اور بھتیجی کو ایک آدمی کے نکاح میں او بھانجی اور خالہ کو ایک آدمی کے نکاح میں جمع نہ کیا جائے۔''

صحیح مسلم میں ان الفاظ سے بھی منقول ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عورتوں کے جمع کرنے سے منع فرمایا:

"المرأة و عمتها والمرأة و خالتها" ٧٠

## خالہ کا وراثت میں حصہ

حضرت امام شعبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زیاد سے سوال کیا گیا کہ آپ کی اس آدمی کی وراثت کے بارے میں کیا رائے ہے جو فوت اس حال میں ہوا ہو کہ اس کے پیچھے اس کی پھوپھی اور خالہ موجود ہوں اور اس بارے میں آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ جانتے ہو؟ کہا نہیں۔ فرمایا اللہ کی قسم! میں لوگوں سے اس بات میں زیادہ جانتا ہوں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا۔

"جعل العمة بمنزلة الأخ والخالة بمنزلة الأخت فاعطی العمة الثلثین والخالة الثلث"٧١

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھوپھی کو بھائی کے قائم مقام ٹھہرایا اور خالہ کو بہن کے قائم مقام قرار دیا اور پھوپھی دو تہائی حصہ دیا اور خالہ کو ثلث دیا۔''

# حوالہ جات

(۱) الکلیات :۸۱۲۸۱۵/۱وزارة الثقافة دمشق

(۲) ابراهيم انيس ورفاقه:المعجم الوسيط ، طبع قاهره ، الطبعة الثانية ، ۱۹۷۲ء ص۴

(۳) ابن قدامه المقدسی ، المغنی والشرح الکبیر ، مطبعة المنار ، مصر ،۱۳۴۶ھ۲۰۴/۹
الشربينی ، شمس الدين محمد بن خطيب مغنی المحتاج ، دار المؤيد ، الرياض ، ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷ء،۴۱۸/۳

(٤) التحريم:٦

(٥) صحيح بخاری ، كتاب الجمعه ، باب الجمعة فی القری والمدن:۸۹۳،صحیح مسلم ، كتاب الإمارة ، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق:۱۸۲۹

(٦) بنی اسرائيل:۲۳،۲۴،۲۵

(۷) صحيح بخاری ، كتاب مواقيت الصلاة ، باب فضل الصلاة لوقتها : ۵۲۷،صحیح مسلم ، كتاب الإيمان ، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال:۸۵

(۸) سنن ترمذی ، كتاب البر والصلة ، باب ما جاء فی من الفضل فی رضا الوالدين:۱۹۰۰، سنن ابن ماجه ، كتاب الطلاق ، باب الرجل يأمره أبوه بطلاق امرأته:۲۰۸۹

(۹) سنن ترمذی ، كتاب البر والصلة ، باب ما جاء من الفضل فی رضا الوالد:۱۸۹۹

(۱۰) سنن ابن ماجة:كتاب الأدب ، باب برالوالدين:۳٦٦۲

(۱۱) النساء:۱۱

(۱۲) صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب فی تقديم الزكاة ومنعها:۹۸۳

(۱۳) سنن ترمذی:۱۸۹۷

(۱۴) سنن ابن ماجة ، كتاب الأدب ، باب صل من كان أبوك يصلی:۳٦٦۴

(۱۵) المائدہ:۳۱

(۱٦) يوسف:۹۰

(۱۷) ص:۲۳

(۱۸) طهٰ:۳۰

(۱۹) المائدہ:۲۷تا۳۰

(۲۰) جامع البیان فی تاویل القرآن:۴/۵۳۶
(۲۱) یوسف :۲۰
(۲۲) یوسف:۹،۱۰
(۲۳) یوسف:۹۹،۱۰۰
(۲۴) تفہیم القرآن:۲/۴۳۰
(۲۵) تفہیم القرآن:۲/۴۳۱
(۲۶) سیرت النبی کامل از ابن ہشام:۲/۲۹۸
(۲۷) سیرت النبی ﷺ:۲/۴۷۹، سیرت النبی ﷺ، از ابن ہشام:۲/۲۹۸، تحفۃ الاحوذی:۱۴/۳۷
(۲۸) ابن کثیر، ابوالفداء، سیرت النبی ﷺ، مترجم، ہدایت اللہ ندوی، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۹۹۶ء:۲/۴۸۰
(۲۹) الصافات:۱۰۰-۱۰۶
(۳۰) البقرہ:۱۲۷
(۳۱) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ۹ حدیث ۳۳۶۴
(۳۲) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ۹ حدیث ۳۳۶۴
(۳۳) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ۹ حدیث ۳۳۶۵
(۳۴) یوسف:۹۹،۱۰۰
(۳۵) یوسف:۴،۵
(۳۶) تیسیر القرآن:۲۵۸
(۳۷) تدبر قرآن:۴/۲۵۳
(۳۸) صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب بغلة النبی البیضاء :۴/۲۸۷
(۳۹) مجموعہ قوانین اسلام:۵/۱۷۵۷
(۴۰) الشریفیہ شرح سراجیہ از سید شریف جرجانی:۱۹
(۴۱) الشریفیہ شرح سراجیہ، ص۱۹
(۴۲) اورنگ زیب عالمگیر، فتاویٰ عالمگیری، مترجم، سید امیر علی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن:۴/۴۰۳
(۴۳) مجموعہ قوانین اسلام:۵/۱۷۵۸
(۴۴) مجموعہ قوانین اسلام:۵/۱۷۵۹
(۴۵) البقرہ:۱۳۳
(۴۶) مجموعہ قوانین اسلام:۵/۱۷۶۰

(۴۷) المعجم الوسیط:٦٧

(۴۸) الموسوعة الفقهية:۷/۲۵۷

(۴۹) البقرة:۸۳

(۵۰) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبی فمات هل یصلی علیه:۱۳۵۹

(۵۱) الإسراء:۲۳،۲۴،۲۵

(۵۲) العنکبوت:۸

(۵۳) صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب من أحق الناس بحسن صحبة:۵۹۷۱

(۵۴) صحیح بخاری، کتاب فی الإستقراض وأدا ء الدیون والحجروالتغلیس، باب ما ینهی عن إضاعة المال :۲۴۰۸

(۵۵) سنن النسائی، کتاب الجهاد، باب الرخصة فی التخلف لمن له والدة:۳۱۰۴

(۵٦) سنن ابن ماجة، کتاب الأدب، باب بر الوالدین:۳٦٦۱

(۵۷) بنی اسرائیل:۲۳

(۵۸) لقمان:۱۴

(۵۹) الاحقاف:۱۵

(٦۰) سیرت النبی:۲/۴۸۰

(٦۱) سیرت النبی ﷺ:۲/۴۸۰، از ابن کثیر

(٦۲) النساء:۲۳

(٦۳) نظام الاسرہ از سید سابق مصری، مترجم اسلام کا خاندانی نظام از حافظ محمد اسلم شاہدروی:۱/٦۲۴

(٦۴) صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب کیف یکتب هذا ماصلح،۲٦۹۹

(٦۵) سنن الدارمی، باب فی المیراث ذوی الأرحام۔ سنن الکبریٰ للبیهقی :٦/۲۱۷

(٦٦) سنن الکبریٰ للبیهقی:٦/۲۱۷، سنن الدارقطنی، باب الفرائض والسنن وغیرذلك

(٦۷) سنن الترمذی ، ابواب البروالصلة باب فی برالخالة:۱۹۰۴

(٦۸) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الجمع بین المرأة و عمتها او خالتها فی النکاح ۱۴۰۸

(٦۹) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الجمع بین المرأة:۱۴۰۸

(۷۰) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الجمع بین المراة وعمتها أو خالتها:۱۴۰۸

(۷۱) سنن الکبریٰ للبیهقی :٦/۲۱۷

# فصل دوم

اسلام میں صلہ رحمی کی اہمیت

خاندان کی جڑیں اور شاخیں

قطع رحمی کی مذمت

# اسلام میں صلہ رحمی کی اہمیت

## خاندان کی جڑیں اور شاخیں

لغت عرب میں جڑ کا لفظ ''الاصل'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور ''فرع'' کا لفظ شاخ اور اضافے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

''الاصل'' بمعنی جڑ فرع کے بالمقابل، والد کو کہا جاتا ہے۔"استاصل الشیئ"کسی شے کو جڑ سے اکھیڑنا۔

کہا جاتا ہے۔"استاصلت الشجرۃ" درخت کا جڑ پکڑ لینا۔[1]

یہ لفظ قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے۔

﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ﴾[2]

''ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہو اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہوں۔''

دوسرے مقام پر ہے:

﴿اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ﴾[3]

''وہ ایک درخت ہے جو جحیم کی تہ سے نکلتا ہے۔''

لغات الحدیث میں ہے:

اصل۔ جڑ، بنیاد

① "کأنه فی اصل جبل" جیسے وہ ایک پہاڑ کے دامن میں ہے۔

② "نهی عن المستاصلة" قربانی میں ایسی بکری سے منع فرمایا، جس کا سینگ جڑ سے اکھاڑ لیا گیا ہو۔

③ "لا یحل لکم ان تظهر وهم علی اصول دین الله"

''تم کو اپنے دین کے اصول سے ان کو واقف کرانا درست نہیں ہے۔''

④ "استاصل شعرك" جڑ سے بال نکال ڈال۔

⑤ "اذا استو صل الله اللسان ففیه الدیة"

''جب زبان جڑ سے کاٹ لی جائے تو اس میں پوری دیت دینی ہوگی۔''

⑥ "استاصل الله الكفار" اللہ نے کافروں کو جڑ سے کاٹ دیا۔[4]

فرع یعنی شاخ کے متعلق لغات الحدیث میں ہے:

"ای الشجرۃ العد من الخارف قالوا فرعها قال وكذلك الصف الاوّل"[5]

"درخت کا کون سا حصہ میوہ توڑنے والے کو دور پڑتا ہے۔لوگوں نے کہا اوپر کی شاخیں،فرمایا صف اوّل کی یہی مثال ہے۔''

اسلام خاندانی نظام کو مستحکم کرنے کے لئے صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔اسی پر کامیاب خاندان اور مستحکم معاشرتی نظام تشکیل پا سکتا ہے۔

صلہ رحمی محض مالی معاونت یا ضرورت کے وقت کام آنے کا نام نہیں بلکہ اس سے وسیع تر مفہوم رکھتا ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل سطور سے واضح ہے۔

## خاندان کی جڑوں اور شاخوں، عزیز و اقارب سے صلہ رحمی

## صلہ رحمی کی تعریف

صلہ اور رحم یہ دو لفظ ہیں اور الگ الگ مفہوم کے حامل ہیں جن کی وضاحت آئندہ صفحات میں کی جاتی ہے۔

## صلہ کی لغوی تعریف

مقاییس اللغۃ میں ہے:

"الصلة والوصل فی اللغةمصدر "وصل يصل صلة و وصلا" و تدل ماده (و ص ل ) على "ضم شيء إلى شئ حتى يعلقه من ذلك الوصل (والصلة) ضد الهجران والوصل (ايضاً) وصل الثوب والخف ونحو هما"[٦]

''صلہ اور وصل لغت میں وصل یصل سے مصدر ہے اور اس کا مادہ ''و،ص،ل'' آتا ہے اور اس کا معنی ایک چیز کو دوسری چیز سے اس طرح ملانے کے ہیں کہ وہ دونوں چیزیں ملنے سے ایک ہی معلوم ہوں اور صلہ ھجران (توڑنا، ترک کرنا، چھوڑنا) کی ضد ہے۔ کہا جاتا ہے اس نے موزے یا لباس کو جوڑا۔''

نہایۃ فی غریب الحدیث میں ہے:

"وصلة الرحم" وهی كناية عن الاحسان الى الاقربين من ذوی النسب والاصهار والتعطف عليهم والرفق بهم، والرعاية لاحوالهم و كذلك ان بعدوا او اسأوا وقطع الرحم ضد ذلك كله"[٧]

''صلہ رحمی احسان الی اقربین سے کنایہ ہے خواہ وہ نسب سے تعلق رکھتے ہوں یا اصہار ہوں۔ ان پر شفقت کرنا، نرمی کرنا اور ان کے ہر معاملے میں حوصلہ افزائی اور ان کا خیال کرنا صلہ رحمی میں داخل ہے خواہ وہ قریبی عزیز ہوں یا دور کے رشتہ دار ہوں اور قطع رحمی صلہ رحمی کی ضد ہے۔''

موسوعہ الفقہیہ میں ہے:

" الصلة فی اللغة: الضم والجمع يقال وصل الشی بالشی وصلا ووصلة وصلة ضمه به وجمعه لامه وعن ابن سيده الوصل خلاف الفصل الوصل خلاف الفصل"[٨]

''صلہ لغوی طور پر کسی چیز کو ملانے اور جمع کرنے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے، ایک چیز دوسری سے مل گئی اور ابن سیدہ کہتے ہیں کہ وصل، فصل کی ضد ہے۔''

اُردو دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے:

''صلہ: اس کے لغوی معنی ہیں۔ عطیہ، احسان، ھبہ، انعام (الجائزہ)، تعلق، مزدوری یا اجر اور خویشی و رشتہ داری: (یہیں سے رشتے داروں اور متعلقین کے ساتھ حسن سلوک کے لیے صلۃ الرحم یا صلہ رحمی کی اصطلاح پیدا ہوئی''[٩]

## صلہ کی اصطلاحی تعریف

موسوعہ نضرۃ النعیم میں ہے۔

”وحقيقة الصلة فى هذه الصفة (صلة الرحم) العطف والرحمه اماصلة الله لمن وصل رحمه فهى عبارة عن لطفه بهم و رحمته اياهم و عطفه عليهم باحسانه و نعمه او صلتهم باهل ملكوته الاعلى و شرح صدورهم لمعرفة وطاعته“[10]

اُردو دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے:

”شرعی عبادات میں صلہ سے مراد کسی ایسی چیز کا عطا کرنا ہے۔جس کا بدل یا مقابل کوئی مالی معاوضہ نہ ہو سکے۔ جیسے مال، زکوۃ، نذر اور کفارہ وغیرہ۔“[11]

## رحم کی تعریف

### لغوی تعریف

لغات الحدیث میں علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں کہ

”رُحم یا رُحُم یا رحمہ یا مرحمہ......مہربانی کرنا اور دردمندی ظاہر کرنے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور رحم رشتہ قرابت، ناطہ، کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔“[12]

لغات الحدیث میں مزید وضاحت احادیث سے ہوتی ہے:

① «فإنمايرحم الله من عباده الرحماء»

”اللہ اپنے بندوں میں سے ان ہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو دوسرے بندوں پر رحم کرتے ہیں۔“

② «قامت الرحم فاخذت بحقوالرحمن»

”ناطہ کھڑا ہوا اور اس نے پروردگار کی کمر تھام لی۔“

③ «وترسل الامانة والرحم»[13]

”اور امانت و قرابت دونوں بھیجے جائیں گے۔“

قیامت کے دن دونوں مجسم ہو کر ظاہر ہوں گے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے جیسے دوسری حدیث میں ہے کہ نیک عمل اور قرآن بھی مجسم ہو کر ظاہر ہوں گے۔

مقاییس اللغۃ میں ہے:

”الرحم لغة، اسم مشتق من ماده ’ر ح م‘ التى تدل على الرقة والعطف والرافه والرحم والرحم (علاقة القرابة، وقد سميت رحم الانثى رحما من هذا لان منها مايكون ما يرحم و يرق له من ولد“[14]

”لغوی طور پر رحم اسم مشتق ہے۔جس کا مادہ ”ر ح م“ ہے۔ جو نرمی، شفقت اور مہربانی پر دلالت کرتا ہے رِحم اور رَحم دونوں رشتہ داری اور قرابت کے معنی میں ہے ”رحم مادر“ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ماں کی طرف سے اولاد کو بے شمار نرمیوں، شفقتوں سے نوازا جاتا ہے۔“

## رحم کی اصطلاحی تعریف

"قال النووی: اختلفوا فی حد الرحم التی یجب وصلها فقیل: کل رحم محرم بحیث لو کان احدهما انثی والاخر ذکرا حرمت مناکحتهما وقیل هو عام فی کل رحم من ذوی الارحام فی المیراث لیستوی فیه المحرم وغیره وهذا هو الصحیح لقوله صلی الله علیه وآله وسلم «ان ابرالبر ان یصل الرجل أهله ودابیه»[15]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علماء کا رحم کی تعریف میں اختلاف ہے جس کے ملانے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رحم سے تعلق رکھے والے تمام افراد محرم ہیں اس حیثیت سے کہ اگر ان میں سے ایک فرد مذکر ہے اور دوسرا مونث ہے تو دونوں کا آپس میں نکاح کرنا حرام ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ذوی الارحام سے تعلق رکھنے والے تمام افراد کے لیے عام ہے۔ میراث میں محرم اور غیر محرم برابر کے شریک ہوں گے چونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ بہترین نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر والوں اور اہل خاندان سے صلہ رحمی کرے۔''

## صلہ رحمی کی اصطلاحی تعریف

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"صلة الرحم هی الاحسان الی الاقارب علی حسب حال الواصل الموصول فتارة تکون بالمال وتارة بالخدمة و تارة بالزیارة والسلام وغیر ذلك"[16]

''صلہ رحمی سے مراد اپنے عزیز و اقارب سے اپنی استطاعت کے مطابق حسن سلوک اور احسان کرنا ہے۔ خواہ آپ ان سے ملاقات کے لیے جائیں یا آپ کے رشتہ دار آپ کو ملنے کے لیے آئیں بسا اوقات مال و متاع کے ذریعے ان پر احسان کیا جائے اور کبھی ان کی خدمت کر کے اور کبھی ان کی زیارت کرنے یا دیگر امور کے ساتھ۔''

## صلہ رحمی کا حکم

قاضی عیاض لکھتے ہیں:

"ولاخلاف ان صلة الرحم واجبة فی الجمله و قطیعتها معصیة کبیرة، قال: والاحادیث فی الباب تشهد لهذا ولکن صلة درجات بعضها ارفع من بعض وادناها ترك المهاجرة وصلتها بالکلام ولو بسلام۔ ویختلف ذلك باختلاف القدرة والحاجة فمنها واجب ومنها مستحب لو وصل بعض الصلة ولم یصل غایتها لا یسمی قاطعا ولو قصر عما یقدر علیه و ینبغی له لا یسمی واصلا"[17]

''اس بات میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں صلہ رحمی واجب ہے اور قطع رحمی کا مرتکب ہونے والا کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور فرماتے ہیں متعدد احادیث اس باب میں اس چیز کی شہادت دیتی ہیں۔ لیکن صلہ رحمی کے مختلف درجات ہیں ہر درجہ دوسرے سے مختلف وجوہات کی بنا پر اپنا مقام آپ ہے قطع تعلق کو ترک کرتے ہوئے اپنے عزیز و اقارب سے ملاقات کرنا اگرچہ دعا و سلام ہی کیوں نہ ہو یہ صلہ رحمی کی ایک صورت ہے۔ بعض علماء اس میں اختلاف کرتے ہوئے اسے واجب اور فرض کہتے ہیں اور بعض اسے مستحب کا درجہ دیتے ہیں اور جو شخص انتہائی حد تک صلہ رحمی نہیں کرتا تو اس کو قطع رحمی کا مرتکب نہیں کہا جائے گا اور جو شخص قدرت رکھتے ہوئے بھی اس سے کنارہ کش ہو جاتا ہے تو اسے قاطع الرحم کہا جا سکتا ہے۔''

## صلہ رحمی کی اہمیت

## صلہ رحمی قرآن کریم کے آئینے میں

① اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى﴾ ١٨

''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ وعدہ لیا کہ تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور اپنے والدین سے احسان کرو اور اپنے عزیز و اقارب کا حق بھی یاد رکھو۔''

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری لکھتے ہیں:

"وبذی القربی ان یصلوا قرابته منهم ورحمه" ١٩

''کہ بذی القربی" کا مطلب ہے کہ اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے اور ان سے حسن سلوک سے پیش آیا جائے۔''

② اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ...﴾ ٢٠

''لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں ان سے کہئے کہ جو بھی مال تم خرچ کرو وہ والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے۔''

③ ﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى﴾ ٢١

''بلکہ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور انبیاء پر ایمان لائے اور اللہ کی محبت کی خاطر اپنا مال رشتہ داروں کو دے۔''

④ ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى﴾ ٢٢

''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو نیز قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ داروں ہمسایوں سے اچھا سلوک کرو۔''

⑤ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ٢٣

''اور جو لوگ (ہجرت نبوی کے) بعد ایمان لائے اور ہجرت کر کے آ گئے اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا۔ وہ بھی تم میں شامل ہیں۔ مگر اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے سے زیادہ حق دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔''

⑥ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ ٢٤

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں عدل، احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، بُرے کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے اور وہ تمہیں اس لیے نصیحت کرتا ہے کہ تم اسے (قبول کرو اور) یاد رکھو۔''

⑦ ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾ ٢٥

''اور قرابت دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو ان کا حق دو اور فضول خرچی نہ کرو۔''

⑧ ﴿وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى﴾ ٢٦

''اور تم میں سے آسودہ حال لوگوں کو یہ قسم نہ کھانا چاہئے کہ وہ قرابت داروں کو کچھ صدقہ نہ دیں گے۔''

⑨ ﴿فَأٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ۲۷

''(اے مسلمانو) اپنے قرابت والے کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق۔ یہ بات ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔''

⑩ ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا﴾ ۲۸

''بلاشبہ نبی مومنوں کے لیے ان کی اپنی ذات سے بھی مقدم ہے اور آپ ﷺ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں اور کتاب اللہ کی رو سے مؤمنین اور مہاجرین کی نسبت رشتہ دار (ترکہ کے) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ البتہ اگر تم اپنے دوستوں سے کوئی بھلائی کرنا چاہو (تو کر سکتے ہو) کتاب اللہ میں یہی لکھا ہوا ہے۔''

⑪ ﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی﴾ ۲۹

''آپ کہئے کہ میں اس کام پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا البتہ قرابت کی محبت چاہتا ہوں اور جو کوئی نیکی کمائے گا ہم اس میں خوبی کر دیں گے۔ بلاشبہ اللہ معاف کرنے والا اور قدردان ہے۔''

⑫ ﴿وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ یَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ﴾ ۳۰

''جو اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کرتے ہیں اور مضبوط عہد کو نہیں توڑتے اور جن روابط (یا رشتہ داروں) کو اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے انہیں ملاتے ہیں اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور بُرے حساب سے ڈرتے ہیں۔''

## صلہ رحمی احادیث مبارکہ کی روشنی میں

صلہ رحمی سے متعلق رسول کریم ﷺ کے فرامین حسب ذیل ہیں:

① «احفظوا انسابکم تصلوا ارحامکم فانه بعد بالرحم اذا قربت وان کانت بعیدة ولا قرب بها اذا بعدت وان کانت قریبة وکل رحم آتیه یوم القیامة امام صاحبها، تشهد له بصلة ان کان وصلها وعلیه بقطیعة ان کان قطعها» ۳۱

''اپنے نسب ناموں کی حفاظت کرو اور صلہ رحمی کیا کرو بلاشبہ اولوا الارحام اگرچہ دور کے ہوں ان میں کسی قسم کی دوری نہیں ہے اور اس حالت میں وہ قریبی عزیز بھی غیر رشتہ داروں کی طرح ہوں گے جب وہ آپس میں قطع تعلق کئے ہوئے ہوں۔ ہر رشتہ دار قیامت کے دن اپنے رشتہ دار کے ساتھ آئے گا۔ جس شخص نے صلہ رحمی کی ہوگی صلہ اس کی شہادت اور گواہی دے گا اور جس شخص نے قطع تعلق کی ہوگی صلہ اس شخص کے خلاف گواہی اور شہادت دے گا۔''

② حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«اتیت رسول اللہ ﷺ فی اوّل مابعث وهو بمکة وهو حنسذ مختف، فقلت، ماانت؟ قال "انا نبی" قلت : وما النبی؟ قال "رسول اللہ ﷺ" قلت بما ارسلك؟ قال "بان أعبدالله، وتکسرالاوثان، توصل الارحام بالبر والتصلة» ۳۲

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں (اللہ کا) نبی ہوں۔ (حضرت عمرو نے کہا) نبی کیا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا) وہ اللہ کا رسول

ہوتا ہے۔ اس نے کہا۔ کس چیز کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: میں پیغام دیا گیا ہوں کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور بتوں کو توڑ پھینکیں اور اپنے عزیز و اقارب ساتھ صلہ رحمی کریں۔''

③ حضرت ابوایوب انصاری بیان کرتے ہیں:

«ان رجلا قال للنبی ﷺ اخبرنی بعمل یدخلنی الجنة قال "ماله ماله" وقال النبی ﷺ لا ارب ماله تعبد الله ولا تشرك به شیأ وتقیم الصلاة وتؤتی الزکوٰة وتصل الرحم»۳۳

''ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے استفسار کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں لے جائے۔ (کتاب الادب کے حوالے سے فتح الباری لابن حجر میں ہے کہ) لوگوں نے کہا اس کو کیا ہے۔ کیا ہے۔ (ابن بطال کہتے ہیں) کہ اس اعرابی نے تاکیداً کہا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا (تم کہہ رہے ہو پوچھنے کی ضرورت نہیں) کیوں یہ تو پوچھنے والی ضروری چیز ہے اور فرمایا: تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کا کوئی شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی (اور حسن سلوک اور شفقت سے پیش آؤ) کرو۔''

④ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" ان الله لیعمر بالقوم الدیار و یثمرلهم الاموال وما نظر الیهم منذخلقهم بعضالهم قیل :وکیف ذلك یارسول الله ﷺ؟ قال بصلتهم لارحامهم ۳۴

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو مہلت اور عمر دیتا ہے اور ان کے اموال میں بے حد اضافہ فرماتا ہے اور ان کی طرف کوئی بھی ان کی شاخ کو خراب کرنے کے لیے نہیں نظر اٹھاتا ہے۔ لوگوں کی طرف سے یہ سوال ہوا کہ ایسا کیسے اور کن لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا (یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے) جو صلہ رحمی کرتے ہیں۔''

⑤ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إن الرحم شحنة مقمسکة بالعرش تکلم بلسان ذلق، اللهم صل من وصلنی واقطع من قطعنی فیقول الله۔تبارك و تعالیٰ۔ انا الرحمن الرحیم، فانی شققت الرحم من اسمی فمن وصلها و صلته، ومن نکتها نکتهه»۳۵

''رحم عرش معلیٰ کے ساتھ اس طرح لٹکا ہوا ہے جیسے درخت کے ساتھ ٹہنی لٹکی ہوئی ہے اور واشگاف الفاظ میں یہ کہہ رہا ہے۔ اے اللہ! اس کو ملا دے جو مجھے ملاتا ہے اور اس کو کاٹ دے جو مجھے کاٹتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں۔ میں رحمٰن اور رحیم ہوں اور میں نے اپنے نام سے رحم کو نکالا ہے جو کوئی اس کو ملاتا ہے میں اس کو قائم و دائم رکھتا اور ملاتا ہوں اور جو کوئی رحم کو کاٹتا ہے میں اس کو کاٹ دیتا ہوں۔''

⑥ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«أنه قال: أوصانی خلیلی أن لاتاخذنی فی الله لومة لائم وأوصانی بصلة الرحم وان ادبرت»

''میرے دوست (رسول اللہ ﷺ نے) مجھے وصیت فرمائی کہ میں اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو کوئی مقام اور حیثیت نہ دوں اور آپ نے مجھے یہ بھی وصیت فرمائی کہ میں صلہ رحمی کروں اگرچہ رشتہ دار مجھ سے دور ہونا چاہیں۔''

⑦ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق کی جب وہ کائنات کی تخلیق سے فارغ ہو چکا۔ تو رحم کھڑا ہو گیا تو رحم نے کہا: یہ قطع سے لوٹنے کی جگہ ہے۔ اللہ نے فرمایا: ہاں، کیا تو اس پر خوش ہے۔ کہ میں اس کو ملاؤں اور قائم و دائم رکھوں جو رحم کو ملائے اور اس کو کاٹوں اور

تباہ و برباد کردوں جو اس کو کاٹے؟ رحم نے کہا: ہاں یا رب۔ فرمایا اسی طرح ہوگا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر تم ایسا چاہتے ہو تو پڑھو۔

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ. أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ، أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ ۳۶

⑧ حضرت مالک بن ربیعہ الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«بینما نحن عند رسول الله ﷺ إذجاء ہ رجل من بنی سلمة فقال یارسول اللهﷺ، هل بقي من ابوي شئ ابرهما به من بعد موتهما؟ قال«نعم الصلاة علیهما والاستغفار لهما وانفاذ عهودهما واكرام حلایقهما وصلة الرحم الذی لارحم لك إلامن قبلهما» ۳۷

''ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف فرما تھے۔ جب آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں بنوسلم کا ایک آدمی آیا اس نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے والدین وفات پا چکے ہیں کیا میں اب بھی ان کے ساتھ کوئی نیکی کرسکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، آپ ان کے لیے دعا واستغفار کریں اور ان کے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کریں اور ان کے عزیز واقارب اور دوستوں سے حسن سلوک سے پیش آئیں اور اپنے رشتہ داروں سے صلہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں۔''

⑨ حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

«إن الصدقة علی المسكین صدقة و علی ذی الرحم اثنتان: صدقة وصلة» ۳۸

''کہ غریب و مسکین پر صدقہ کرنے سے صرف صدقہ کا ہی ثواب حاصل ہوتا ہے اور اپنے رشتہ دار پر صدقہ کرنے سے دوگنا ثواب کا حاصل ہوتا ہے۔''

⑩ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«صلة الرحم و حسن الجواراو حسن الخلق یعمران الدیار، ویذیدان فی الأعمار» ۳۹

''صلہ رحمی کرنا اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا اور اپنے ہمسائیوں سے حسن سلوک سے پیش آنا شہریوں کی آبادیوں کی سلامت کا سبب اور عمروں میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔''

⑪ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«قلت یا رسول اللهﷺ! أرأیت اشیاء كنت أتحنث بها فی الجاهلیة من صدقة، اوعتاقة ومن صلة الرحم فهل فیهامن أجر؟ فقال النبیﷺ «أسلمت علی ماسلف من خیر» ۴۰

''میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کا اس بارے کیا خیال ہے۔ جو میں کفر کی حالت میں نیک اعمال، رشتہ داروں سے صلہ، غلاموں کی آزادی، کیا مجھے ان کا اجر وثواب حاصل ہوگا؟ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ پہلے تمام اعمال صالح کو قائم رکھتے ہوئے مسلمان ہوئے ہو۔''

⑫ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«لیس شئ أطیع الله فیه اعجل ثوابا من صلة الرحم، ولیس شئ اعجل عقابا من البغی وقطیعة الرحم والیمین الفارة تدع الدیار بلاقع......» ۴۱

''اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صلہ رحمی کا ثواب جس قدر جلدی حاصل ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں کسی چیز کا اجر اتنی جلدی حاصل نہیں ہوتا

اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے بے حیائی اور قطع رحمی اور فاسق و فاجر کی قسم سے جس قدر جلدی عذاب اور شہروں کی بربادی ہوتی ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں۔''

⑬ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اسرع الخير ثوابا البر والصلة الرحم و اسرع الشر عقوبة البغي و قطيعة الرحم» ۴۲

''اعمال حسنہ میں سے صلہ رحمی کا ثواب جس قدر جلدی حاصل ہوتا ہے اس کے مقابلے میں کوئی نیک عمل نہیں اور بُرے اور قبیح اعمال میں سے سب سے جلدی جس چیز کا گناہ اور عتاب ملتا ہے وہ بے حیائی اور قطع رحمی ہے۔''

⑭ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ليس الو اصل بالمكا فى ولكن الذى إذا قطعت رحمه و صلها» ۴۳

''اس شخص کو صلہ رحمی کا مصداق نہیں خیال کیا جاسکتا جو رشتہ داروں کے ساتھ ان کا سا سلوک کرے۔ اگر وہ اسے ملیں تو یہ بھی ملاقات کرے اور وہ ایسا نہ کریں تو یہ بھی ترک تعلق کردے بلکہ صلہ رحمی یہ ہے کہ اگر رشتہ دار اس سے تعلق منقطع کرنا چاہیں تو یہ اس تعلق کو بحال کرے۔''

⑮ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔

« من سره أن يمدله فى عمره ويوسع له فى رزقه و يدفع عنه ميتة السوء فليتق الله وليصل رحمه» ۴۴

''جو شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کی عمر میں اضافہ ہوجائے، اور اس کا رزق وافر ہوجائے اور وہ شخص بُری موت سے محفوظ ہوجائے پھر اسے چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈر جائے اور صلہ رحمی کو اپنے دامن سے جدا نہ ہونے دے۔''

⑯ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«من كان يومن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه ومن كان يومن بالله واليوم الآخر فليصل رحمه ومن كان يومن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا أو ليصمت» ۴۵

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم قیامت پر ایمان کا داعی ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت وتوقیر اور میزبانی کو بجالائے اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کو اپنا شعار بنائے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن کو مانتا ہے اسے چاہئے کہ وہ یا تو اچھی اور بھلائی کی بات کرے یا پھر خاموشی اختیار کرے۔''

⑰ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ میں نے جلدی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک تھام لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عقبہ! کیا میں اہل دنیا اور آخرت والوں کے بلند اور بے مثال اخلاق کے بارے خبر میں نہ دوں؟ (فرمایا) «تصل من قطعك و تعطى من حرمك و تعفو عمن ظلمك إلا ومن أراد أن يمدفى عمره و يبسط فى رزقه فليصل ذارحم» ۴۶

''جو تجھ سے قطع تعلق کرے تو اس سے صلہ کر اور جو تجھ سے کوئی چیز روکے تو اس کو دے اور جو شخص تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کردے۔ خبردار جو شخص یہ چاہتا ہے اس کی عمر لمبی ہوجائے اور اس کا رزق وسیع ہوجائے تو اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔''

## صلہ رحمی کے بارے علماء عظام و مفسرین کرام کے اقوال و آثار

① حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« تعلموا انسابكم ثم صلوا ارحامكم، والله إنه ليكون بين الرجل و بين أخيه شئ، ولو يعلم الذى بينه و بين من داخلة الرحم لاوزعه ذلك عن انتهاكة»[47]

''انساب کا علم سیکھو اور صلہ رحمی کیا کرو۔ اللہ کی قسم! عنقریب آدمی اور اس کے بھائی کے دوران کوئی چیز حائل ہو جائے گی۔ اگر وہ شخص جس کے درمیان اس میں خلل واقع ہوا ہے تو وہ شخص صلہ رحمی ختم کرنے سے دوسرے کو باز رہنے پر آمادہ کرے۔''

② حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

« لان اصل اخامن اخوانى بدرهم احب الى من اتصدق بعشرين درهما، ولان اصله بعشرين درهما احب الى من ان اتصدق بمائة درهم، ولا ن اصله بمائة درهم احب الى من ان اعتق رقبة»[48]

''اپنے بھائیوں کو ایک درہم دینا کسی اور کو بیس درہم صدقہ کرنے سے زیادہ مجھے محبوب ہے اور اپنے عزیز و اقارب کو بیس درہم عطا کرنا مجھے زیادہ پسندیدہ ہیں اس سے کہ کسی اور کو سو درھم صدقہ کیا جائے اور سو درھم اپنے رشتہ داروں پر صرف کرنا، غلام آزاد کرنے سے زیادہ مجھے پسند اور محبوب ہیں۔''

③ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا مطالبہ کیا۔ جو اللہ نے ان کو فدیے میں عطا کیا اور باغ فدک اور خیبر سے جو خمس ملا۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «لا نورث ما ترکنا فهو صدقة» (انبیاء کا مال صدقہ ہوتا ہے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اس مال سے کھاتا ہے اور اس کے علاوہ ان کے لیے کوئی مال نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! میں صدقات کا اصراف اسی حالت میں دیکھنا چاہتا ہوں جو نظام عہد نبوی میں تھا۔ اس بارے میں وہی کام کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گواہی دی پھر (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! میں نے آپ کی فضیلت کو جان لیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری کا ذکر کیا اور ان کے حق کو تسلیم کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ «والذى نفسى بيده لقرابة رسول الله ﷺ احب إلى ان اصل من قرابتى» اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت مجھے اپنے قرابت اور رشتہ داری سے زیادہ محبوب ہے۔''[49]

④ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«لدرهم اضعه فى قرابتى أحب إلى من ألف اضعها فى فاقة: قال له قائل يا أبا محمد، وإن كان قرابتى مثلى فى الغنى قال: وان كان اغنى منك»[50]

''اپنے عزیز و اقارب کو ایک درہم دینا مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ میں ان کو قحط و فاقے کی حالت میں ہزار درہم عطا کروں۔ کسی کہنے والے نے انہیں کہا۔ اے ابو محمد! اگرچہ میرے رشتہ دار میری مثل خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے ہوں فرمایا: ہاں! اگرچہ میرے عزیز و اقارب آپ سے بڑھ کر غنی ہوں۔''

⑤ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب وہ فوت ہوئے تو انہوں نے دیناروں کا ترکہ چھوڑا'' ''اللهم انك تعلم انى لم اجمعها الا دينى وحسبى، لا

خیر فیمن لا یجمع المال فیقفی دینه، ویصل رحمه، ویکف به وجهه" ۵۱

''اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے مال صرف اور صرف اس لیے جمع کیا ہے تاکہ میرا قرض ادا کیا جا سکے اور میرے خاندان کی عزت و عصمت برقرار رہے ایسے مال جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں جو قرض کی ادائیگی کے لیے جمع کیا جائے اور اسی سے صلہ رحمی کی جائے اور اس مال و متاع سے انسان کی عزت و عصمت باقی رہے۔''

⑥ حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"تعلمن انه مامن خطوة بعد الفريضة اعظم اجرا من خطوة الى ذى الرحم"

''آپ جانتے ہیں کہ فرض چیزوں کے بعد سب سے افضل عمل اجر و ثواب کے اعتبار سے اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا ہے۔''

⑦ حضرت سلیمان بن موسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن محیریز کو کہا گیا۔

"ماحق الرحم؟ قال نستقبل إذا اقبلت وتتبع اذا ادبرت" ۵۲

''عزیز و اقارب کا کیا حق ہے؟ فرمایا جب وہ تشریف لائیں تو ان کا استقبال کیا جائے اور جب وہ جائیں تو ان کے ساتھ چلا جائے۔''

⑧ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مودة يوم صلة و موده سنة رحم ماسة من قطعها قطعه الله عزوجل" ۵۳

⑨ حضرت مثنی نے حضرت ابو عبداللہ (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) کو کہا۔

''ایک آدمی کی رشتہ داری عورتوں سے ہے اور وہ ان کے ساتھ اٹھ بیٹھ نہیں سکتا تو وہ ان سے صلہ رحمی کیسے کرے؟ اور اس کے لیے ان سے ملنا جلنا کہاں تک ہے۔؟ فرمایا: "اللطف والسلام" وہ ان کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کرے اور ان سے سلام و دعا کرتا رہے۔'' ۵۴

⑩ فضل بن عبدالصمد ابو عبداللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کسی نے سوال کیا:

"رجل له اخوة واخوات بارض غصب ترى ان يزورهم ، قال :نعم، يزورهم و يراودهم، على الخروج منها، قال اجابوا والا لم يقم معهم ولايدع زيارتهم۔" ۵۵

''ایک آدمی ہے اس کے کئی بہنیں اور بھائی غصب شدہ زمین میں رہائش پذیر ہیں تو وہ آدمی ان کی زیارت کرنا چاہتا ہے کیا وہ ان کو ملنے جا سکتا ہے، فرمایا: ہاں۔ وہ ان سے ملاقات کرے اور ان کو وہاں سے ہجرت کرنے پر آمادہ کرے اگر تو وہ وہاں سے اپنے ٹھکانے اور رہائش منتقل کر لیں تو بہت بہتر ہے۔ ورنہ وہ ان کے ساتھ رہائش نہ رکھے اور ان سے قطع تعلقی نہ کرے۔ ان سے موقع بموقعہ ملاقات کرتا رہے۔''

⑪ محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"صلة الرحم هى اداءُ الواجب بها من حقوق الله التى اوجب بها، والتعطف عليها بما يحق التعطف به عليها" ۵۶

''صلہ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ جو عزیز و اقارب کے حقوق اللہ نے واجب قرار دیئے ہیں۔ ان کا ادا کرنا اور اپنے رشتہ داروں پر اس قدر شفقت اور نرمی کرنا جو نرمی کرنے کا حق ہے۔''

⑫ حضرت طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إن الله يبقى اثر واصل الرحم طويلا فلايضمحل سريعا كمايضمحل إثر قاطع الرحم" ۵۷

''اللہ تعالیٰ صلہ رحمی کرنے والے کا اثر بہت دیر تک قائم رکھتا ہے اور وہ جلدی ختم اور خلل انداز نہیں ہوتا اور قطع رحمی کرنے والے کا اثر بہت جلد ختم ہو جاتا ہے۔''

## صلہ رحمی کے فوائد

موسوعہ نضرۃ النعیم میں صلہ رحمی کے مندرجہ ذیل فوائد نقل کئے گئے ہیں:

① صلہ رحمی حسن اسلام اور کمال ایمان کی علامت اور اظہار ہے۔

② صلہ رحمی سے عمروں میں اور رزق میں برکات کا نزول ہوتا ہے۔

③ صلہ رحمی ایک ایسا احسن اور صالح عمل ہے جس سے رب کائنات بھی راضی ہو جاتا ہے اور مخلوق خدا بھی رضا و خوشنودی کے مقام کو پا لیتی ہے۔

④ صلہ رحمی جیسے افضل عمل سے ننھیال و ددھیال اور دیگر عزیز و اقارب سے تعلقات مضبوط ہوتے ہیں اور ان کے درمیان محبت و الفت کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔

⑤ صلہ رحمی سے اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے ساتھ ساتھ خلق خدا اور عزیز و اقارب کی طرف سے تائید و تقویت اس کا مقدر ٹھہرتی ہے۔

⑥ صلہ رحمی رشتہ داروں کا حق ہے اگر چہ وہ کافر، فاجر اور بدعتی اور مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔

⑦ صلہ رحمی کا نظام جہاں قائم ہوا اس سرزمین پر رحمت خداوندی کا نزول ہوتا ہے۔[58]

## صلہ رحمی کس طرح ہو سکتی ہے؟

صلہ رحمی کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ گاہے بگاہے رشتہ داروں سے ملاقات کی جائے۔ اگر فاصلہ زیادہ اور وقت کا مسئلہ ہو تو اس کے لیے مواقع خاص کئے جا سکتے ہیں مثلاً ہر سال عید کسی ایک جگہ یا مرکزی گھر میں اکٹھے منائی جائے۔ ان کے گھروں میں آیا جایا جائے۔ ان سے حال احوال پوچھتے رہیں۔ اب تو ٹیلی فون کی سہولت ہر جگہ میسر ہے، اس کے ذریعے رابطے میں رہا جائے۔ خاندان کے بڑوں کی عزت و توقیر کی جائے۔ چھوٹی موٹی باتوں کو خواہ مخواہ ایشو یا اپنی اَنا کا مسئلہ نہ بنا لیا جائے۔ چھوٹوں پر شفقت کی جائے۔ خاندان کے غریب افراد پر صدقہ کیا جائے۔ روپے پیسے کے علاوہ پُرخلوص مشورے اور بہتر معاملات کی طرف رہنمائی کے ذریعے بھی ان کی معاونت ہو سکتی ہے۔ اُمرا کے ساتھ نرمی اور احترام کا معاملہ کیا جائے۔ اگر کوئی رشتہ دار گھر میں ملنے کے لیے آ جائے تو اس کا اچھی طرح استقبال کیا جائے۔ جس حد تک ممکن ہو، ان کی خدمت کر کے خوشی محسوس کی جائے۔ خوشی اور غمی کے مواقع پر ان کے ساتھ شامل ہوا جائے، اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنی خوشی غمی کی محفلوں کو فرسودہ روایات سے پاک کر دیں۔ تصنع اور نمود و نمائش کی بجائے سادگی سے کام لیا جائے تاکہ ایک دوسرے کے پروگراموں میں شمولیت اختیار کرتے ہوئے کوئی بوجھ محسوس نہ ہو۔ اگر ہمارے شادی کے پروگرام ہفتہ بھر جاری رہیں اور فوتگی کے موقع پر لمبے چوڑے رسوم و رواج چلتے رہیں تو لوگوں کے لیے ان میں شمولیت مشکل ہو جاتی ہے۔

باہمی محبت میں تحائف بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے: «تحادّوا تحابّوا» ''ایک دوسرے کو تحفے دیا کرو، اس سے محبت پھیلتی ہے۔'' تحفہ خواہ کیسا ہی ہو، خوش دلی سے قبول کرنا چاہئے۔ تحفے کے بارے میں بھی نمود و نمائش اور اِسراف سے بچنا چاہئے تاکہ محبت بڑھانے کا یہ ذریعہ بوجھ نہ بن جائے۔ بیماروں کی عیادت کی جائے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہر وقت رشتہ داروں کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ بھلائی کا حکم دیا جائے اور بُرائی سے روکا جائے۔ خاندان میں رائج غیر شرعی کاموں کی اصلاح کی جائے۔ ایک سنجیدہ اور باوقار انسان اگر خاندان کے معاملات میں دلچسپی لے تو اسے تبلیغ دین کے لیے بہترین پلیٹ فارم مل سکتا ہے۔

# قطع رحمی کی مذمت

## قطع رحمی کی سزا

① قطع رحمی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور لعنت کا سبب بنتی ہے۔قرآنِ مجید میں ارشادفرمایا:﴿فَهَلۡ عَسَيۡتُمۡ إِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ أَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِيۡ الۡاَرۡضِ وَتُقَطِّعُوۡا أَرۡحَامَكُمۡ أُولٰئِكَ الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمۡ وَأَعۡمٰى أَبۡصَارَهُمۡ﴾ ۵۹

''تو (اے منافقو) اگر تم (پیغمبر کا کہنا) نہ مانو(یا تم کو حکومت مل جائے) تو تم سے یہی توقع ہے کہ تم (جاہلیت کے زمانہ کی طرح پھر) ملک میں دھند مچاؤ گے اور ناطے توڑ و گے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان کو (سچی بات سننے سے) بہرہ کر دیا ہے اور (سیدھا راستہ دیکھنے سے) ان کی آنکھوں کو اندھا بنا دیا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ زمین میں فساد پھیلانے اور قطع رحمی کرنے والے پر اللہ لعنت ڈالتے اور دیگر بہت سی سزائیں دیتے ہیں۔

② قطع رحمی کرنے والے فاسق ہیں۔فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ إِلَّا الۡفَاسِقِيۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِيۡثَاقِهٖ وَيَقۡطَعُوۡنَ مَآ أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ أَنۡ يُّوۡصَلَ وَيُفۡسِدُوۡنَ فِي الۡاَرۡضِ أُولٰئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ﴾ ۶۰

''اور وہ گمراہ انہیں کو کرتا ہے جو حکم نہیں مانتے جو اللہ تعالیٰ کے اقرار کو پکا کر کے پھر توڑتے ہیں اور جس کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اسے چھوڑتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے ہیں،یہی لوگ خسارا پانے والے ہیں۔''

③ قطع رحمی کرنے والے کو آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی سزا ملتی ہے:

عن أبي بكر أن رسول الله ﷺ قال: «ما من ذنب أجدر أن يعجل الله لصاحبه العقوبة في الدنيا مع ما يدخر له في الاخرة مثل البغي وقطيعة الرحم» ۶۱

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بغاوت اور قطع رحمی کے علاوہ کسی اور کو اللہ تعالیٰ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتے۔ان دونوں عملوں کے مرتکب کو اللہ تعالیٰ دنیا میں فوراً سزا دیتے ہیں اور آخرت میں بھی اُنہیں سزا ملے گی۔''

④ قطع رحمی کرنے والے کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا:

عن أبي هريرة قال سمعت النبي ﷺ يقول: «إن أعمال بني آدم تعرض على الله تبارك وتعالىٰ عشية كل خميس ليلة الجمعة فلا يقبل عمل قاطع رحم» ۶۲

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: بنی آدم کے اعمال جمعرات کی شام اور جمعہ کی رات کو اللہ تعالیٰ کے پاس پیش کئے جاتے ہیں تو آپ قطع رحمی کرنے والے کے عمل کو قبول نہیں کرتے۔''

⑤ قطع رحمی کرنے والا اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے:

عن عائشة قالت: قال النبي ﷺ: «الرحم معلقة بالعرش تقول: من وصلني وصله الله ومن قطعني قطعه الله» ۶۳

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صلہ رحمی اللہ تعالیٰ کے عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے اور کہتی ہے۔ جس نے مجھے ملایا اللہ تعالیٰ اسے ملائے گا اور جس نے مجھے کاٹا، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں سے کاٹ دے گا۔''

⑥ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لا یدخل الجنة قاطع »[۶۴]

''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

## صلہ رحمی کے لیے معاون اُمور

سب سے پہلے ہمیں صلہ رحمی کے لیے اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کوئی کام کرنا ممکن نہیں ہے۔ پھر ہمیں صلہ رحمی کے فوائد اور قطع رحمی کے نقصانات کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ قرآن وحدیث میں موجود ترغیب اور ترہیب کی باتیں پڑھنے سے ایک مسلمان شعوری طور پر صلہ رحمی کرنے کی کوشش کرے گا۔ قطع رحمی کی عقوبتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ حتیٰ الوسع اس سے بچنے کی کوشش کرے گا۔

رشتہ داروں کی طرف سے اگر کوئی ناپسندیدہ بات سامنے آئے تو اس کی اچھی تاویل کی کوشش کرنی چاہیئے اور اگر وہ معذرت کریں تو اسے قبول کرنا چاہیئے۔ ہر وقت بدلہ لینے کی فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ جہاں تک ہوسکے، بُرائی کا بدلہ احسان سے دینا چاہیئے۔ البتہ کسی کی تربیت کے لیے اور غیر شرعی کاموں پر تنبیہ کے ساتھ ناراضگی کا اظہار بھی ہونا چاہیئے۔

ہنسی مزاح میں اعتدال کا دامن کسی صورت نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ بسا اوقات یہ ہنسی مزاح حد سے بڑھ جاتا ہے اور بڑے فتنے کا سبب بنتا ہے۔ جس حد تک ممکن ہو، ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیتے رہنا چاہیئے۔ حدیثِ نبویؐ کے مطابق اس سے محبت بڑھتی ہے۔ مالی معاملات میں تعاون کرنا چاہیئے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ خاندان کا ایک باہمی تعاون کا فنڈ بنا لیا جائے جس میں ہر فرد بقدرِ استطاعت حصہ ڈالتا رہے۔ اس فنڈ سے خوشی، غمی کے موقعوں پر خاندان کے ضرورت مند افراد سے تعاون کیا جائے۔ صلہ رحمی کے لیے ایک اہم صورت یہ ہے کہ سادہ اور شرعی طرزِ زندگی اختیار کی جائے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو اَنا کا مسئلہ نہیں بنا لینا چاہیئے۔ ہمارے معاشرے میں شادی بیاہ اور غمی کے مواقع کے لیے کچھ عجیب وغریب رسومات رائج ہو چکی ہیں جن کو پورا کرنے کے اصرار پر جھگڑے ہونا معمول کی بات بن چکی ہے۔ لاحاصل باتوں میں اُلجھ کر توانائیاں اور صلاحیتیں ضائع کرنے سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ ہر بڑے کا احترام اور چھوٹے پر شفقت ہونی چاہیئے۔

## قطع رحمی کے اسباب

### ① جہالت

قطع رحمی کا سب سے بڑا سبب شعوری یا لاشعوری جہالت ہے۔ عموماً لوگوں کو اس بارے میں شرعی تعلیمات کی واقفیت نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ صدیوں سے رائج رسوم و رواج پر عمل پیرا ہیں۔ ہمیں یہ مسئلہ دروس، خطبات اور عام مجالس میں موضوعِ سخن بنانا چاہیئے جس سے بہت سے لوگ شعوری طور پر صلہ رحمی کی کوشش کریں گے۔

### ② غربت

بنیادی طور پر غربت قطع رحمی کا سبب نہیں ہے لیکن ہم نے اسے اہم سبب بنا لیا ہے۔ اس کی وجہ جہالت اور برادری کلچر کی اندھا دھند تقلید ہے۔ ہم نے خوشی اور غمی کے مواقع پر ایسی رسومات اختیار کی ہوئی ہیں جنہیں پورا کرنا غریب آدمی کے بس کی بات نہیں جبکہ ان تمام رسومات کا تعلیمات اسلامیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثال کے طور پر شادی کے موقع پر کسی کی دی ہوئی رقم سے زیادہ رقم سلامی کے طور پر دینا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق تحفہ دیا جائے تو ٹھیک وگرنہ شکایت ہوگی۔ یہ تصور سود کے مشابہ ہے یا پھر غمی کے موقع پر بعض رشتہ داروں کے لئے ضروری تصور کیا جاتا ہے کہ وہ دوسروں کو لازماً کھانا کھلائیں۔ یہ رشتہ دار عموماً گھر کی بہو کے عزیز و اقارب ہوتے ہیں۔ یہ ہندو تہذیب کے زیر اثر ہے۔ اسلام نے اہل محلّہ اور صاحبِ حیثیت لوگوں کو میت والے گھرانے سے تعاون کی تلقین کی ہے نہ کہ محض مخصوص رشتہ داروں پر اور پھر مقامی یا غیر مقامی تمام لوگ کھانے میں شریک ہو کر اسے ایک بڑا فنکشن بنا دیتے ہیں جس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جو باتیں اخلاقیات اور باہمی تعاون سے متعلق تھی ہم نے اُنہیں زندگی کا لازمہ بنا لیا ہے۔ اسراف و تبذیر کے ذریعے پیسے کا ضیاع بھی بڑھ گیا ہے۔ باہمی تعاون اور خیر خواہی کا جذبہ تو مفقود ہوتا گیا اور بے جا رسومات باقی رہ گئیں۔ ایسے میں لوگ ان مواقع پر حاضر ہونے سے اعراض کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جنہیں مجبوراً شامل ہونا پڑتا ہے وہ خاندان میں ناک رکھنے کی خاطر ان رسومات کو پورا کرتے ہوئے قرض اور بہت سی دیگر خرابیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ عیوب صرف غریب لوگوں میں ہی نہیں پائے جاتے بلکہ ہر طبقے کے لوگوں نے اپنے اپنے خود ساختہ انداز اور معیار بنا رکھے ہیں۔ ان رسومات سے جان چھڑا کے صلہ رحمی کے زیادہ مواقع پیدا کئے جاسکتے ہیں۔

### ③ دین سے دُوری

جب کوئی شخص کمزور ایمان والا ہو، دینی اُمور کی پرواہ نہ کرے تو اسے قطع رحمی کی سزاؤں کی بھی پرواہ نہیں رہتی اور نہ ہی وہ خوفِ خدا کے تحت رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر وہ کسی سے ملتا بھی ہے یا حسن سلوک کا معاملہ کرتا ہے تو اس کے پیش نظر عموماً دو ہی باتیں ہوتی ہیں یا تو وہ برادری کی رسومات بجا لاتا ہے یا ذاتی مفاد مقصود ہوتا ہے۔ اس طرح پیار و محبت اور خیر خواہی کے جذبات مخصوص رشتہ داروں تک محدود ہو جاتے ہیں اور اسلام کا پیش کردہ صلہ رحمی کا جذبہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔

### ④ اخلاقِ رذیلہ

اخلاق رذیلہ کی بہت سی صورتیں قطع رحمی کا سبب بنتی ہیں مثلاً تکبر و اَنا پرستی۔ اگر کوئی شخص کسی بڑے دنیاوی منصب پر فائز ہو جائے یا اللہ تعالیٰ اسے دولت سے نوازیں تو وہ غریب رشتہ داروں سے چھپتا پھرتا ہے کہ کہیں کوئی کام نہ کہہ دے یا پیسے نہ مانگ لے۔ اگرچہ اس رویے کے ذمہ دار وہ غربا بھی ہوتے ہیں جو اصلاحِ احوال کی بجائے دوسروں کے وسائل پر نظر رکھتے ہیں۔ مناسب تربیت اور تعاون کے ذریعے ان کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

اخلاقِ رذیلہ کی مثال ہر وقت ہنسی مذاق یا غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا بھی ہے۔ بسا اوقات مذاق میں ایسی بات منہ سے نکل جاتی ہے جو دوسرے کو ناگوار گزرتی اور آپس میں دوری کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ علاوہ ازیں دنیا میں اس قدر مشغول ہو جانا کہ رشتہ داروں سے ملنے کے لیے وقت ہی نہ ملے یا رشتہ داروں سے ملتے وقت سرد مہری کا مظاہرہ کرنا، میاں بیوی کے درمیان ناچاقی، رشتہ داروں کی کوتاہیوں پر صبر نہ کرنا، وراثت کی تقسیم میں تاخیر، حسد، بُغض اور دیگر اخلاقی برائیاں قطع رحمی کی وجہ بن جاتی ہیں۔

## صلہ رحمی کے حوالے سے چند گزارشات

ہمیں اپنے تمام رشتہ داروں کے ساتھ اپنے معاملات پر ایک نظر ڈالنی چاہئے۔ اس سے ہمیں اندازہ ہوجائے گا کہ کن کے ساتھ صلہ رحمی اور کن کے ساتھ قطع رحمی کا معاملہ چل رہا ہے۔ اگر ہمیں کسی خرابی کا علم اور احساس ہی نہ ہوگا تو اس کی اصلاح کیسے ممکن ہے؟ جب ہمیں ناراض لوگوں کا پتہ چل جائے تو ان سے صلہ رحمی کرنے کے طریقے سوچیں اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں، وہ ضرور ہماری مدد کرے گا۔ کیونکہ اسی کے ہاتھ میں تمام لوگوں کے دل ہیں اور وہ دلوں کو پھیرنے والا ہے۔ جو لوگ ہم سے راضی ہیں، وہ تو خوش ہیں ہی۔ ناراض لوگوں کو منانا اصل کام ہے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہماری رہنمائی کررہا ہے:

عن أبي هريرة أن رجلاً قال: يا رسول الله ﷺ إن لي قرابة أصلهم ويقطعوني وأحسن اليهم ويسيئون إلي وأحلم عنهم ويجهلون علي فقال ﷺ: لئن كنت قلت فكأنما تسفهم الملّ ولا يزال معك من الله ظهير عليهم ما دمتَ على ذلك» ۶۵

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ قطع رحمی کرتے ہیں۔ میں ان سے احسان کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں۔ میں ان سے بُردباری سے پیش آتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت کا معاملہ کرتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر معاملہ تمہارے کہنے کے مطابق ہے تو جب تک تم ایسا کرتے رہو گے، تب تک ان کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مددگار تمہارے ساتھ رہے گا۔''

ایک اور حدیثِ طیبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«ليس الواصل بالمكافي ولكن الواصل الذي إذا قطعت رحمه وصلها» ۶۶

''برابر بدلہ دینا صلہ رحمی نہیں ہے، صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دینا یا ملنے والوں سے ملنا تو مکافات کہلاتا ہے اور روٹھوں کو ملانا صلہ رحمی ہے۔

اس حوالے سے یہ حدیثِ طیبہ بھی غلط فہمی کو دور کرتی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

«المؤمن الذي يخالط الناس ويصبر على أذاهم أعظم أجرًا من المؤمن الذي لا يخالط الناس ولا يصبر على أذاهم» ۶۷

''وہ مسلمان جو لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور ان کی طرف سے آنے والی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے، ایسے مسلمان سے بہتر ہے جو نہ لوگوں سے ملتا ہے اور نہ ان کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔''

حتیٰ کہ کسی کا مذہب اور عقیدہ بھی صلہ رحمی میں حائل نہیں ہونا چاہئے۔ واقعہ افک میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بھانجے حضرت مسطح بھی منافقین کے بہکاوے کا شکار ہوگئے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ناراض ہوکر ان کی مالی امداد بند کردی۔ اللہ تعالیٰ نے حسن سلوک کے ترک کرنے کو اعلیٰ اقدار کے منافی قرار دیا اور برائی کا بدلہ اچھائی سے دینے کی تلقین فرمائی اور ایسا کرنے پر مغفرت کی خوشخبری سنائی:

﴿اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَکُمْ﴾ ۶۸ ''کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرما دیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیتِ مبارکہ سنی تو جواب دیا: بلیٰ یا ربنا إنا نحب ''کیوں نہیں! یقیناً ہم پسند کرتے ہیں۔''

واقعہ اِفک نبوی اور صدیقی گھرانے کے لیے کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، اس کے باوجود صلہ رحمی اور احسان کا طرزِ عمل اختیار کرنے کی ہی تلقین کی گئی ہے۔

# حوالہ جات

(۱) المنجد، دار المشرق ، بیروت،۱۹۷۳ء، مادہ اصل،ص ۵۷
(۲) ابراھیم:۲۴
(۳) الصّٰفت:۶۴
(۴) وحید الزمان،لغات الحدیث،نعمانی کتب خانہ،لاہور،۲۰۰۵ء، ج اص ۴۷
(۵) لغات الحدیث ج اص ۴۱۲
(۶) مقاییس اللغۃ:۱۱۵/۶، لسان العرب لابن منظور:۸/ مادہ وصل
(۷) النھایۃ فی غریب الحدیث:۲/۵-۱۹۱
(۸) موسوعہ الفقھیہ الکویتیۃ:۳۵۷/۲۷
(۹) اردو دائرہ معارف اسلامیہ:۲۰۵/۱۲
(۱۰) صالح بن عبد اللہ ، موسوعہ نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم ، دار الوسیلۃ ، الریاض ، ۱۴۱۸ھ- ۱۹۹۸ء، ج ۷ص ۲۶۱۴
(۱۱) مجلس انتظامیہ جامعہ پنجاب ،اردو دائرہ معارف اسلامیہ،دانش گاہ پنجاب ،لاہور،۱۹۴۶ ،ج ۱۲ص ۲۰۵،لسان العرب بذیل مادہ''وص ل'' جامع العلوم ج ۳ص ۲۳۴
(۱۲) لغات الحدیث:۸۷/۲
(۱۳) لغات الحدیث از وحید الزمان:۸۸/۲
(۱۴) مقاییس اللغۃ:۴۹۸/۲،نضرۃ النعیم:۲۶۱۴/۷
(۱۵) شرح النووی علی مسلم:۳۴۵،۳۴۰/۸،شرح النووی:۳۲۹/۱۶
(۱۶) شرح النووی علی مسلم کتاب بدء الوحی باب بدء الوحی الی رسول:۳۵۸/۱،۲۸۷/۱
(۱۷) شرح النووی از محی الدین النووی:۳۲۹/۱۶
(۱۸) البقرہ:۸۳
(۱۹) جامع البیان فی تاویل القرآن :اص/تحت آیۃ البقرہ ۸۳
(۲۰) البقرہ:۲۱۵
(۲۱) البقرہ:۱۷۷
(۲۲) النساء:۳۶

(۲۳) الانفال:۷۵

(۲۴) النحل:۹۰

(۲۵) الاسراء:۲۷

(۲۶) النور:۲۲

(۲۷) الروم:۳۸

(۲۸) الاحزاب:٦

(۲۹) شوریٰ:۲۳

(۳۰) الرعد:۲۱

(۳۱) بخاری ، محمد بن اسما عیل ، الادب المفرد مع شرحہ، مترجم خلیل الرحمن نعمانی ،دار االاشاعت، کراچی ،۱۹٦۱ء،۱/۱۵٦، حدیث نمبر۷۳

(۳۲) مستدرک حاکم:۴/۱۴۸، صحیح ابن خزیمہ ،باب ابواب غسل التطهير ، السنن الصغير للبيهقى، باب تفريع ابواب سائر صلاة التطوع

(۳۳) صحیح بخاری ، کتاب الزکاة باب وجوب الزکوٰۃ:۱۳۹٦و فتح الباری:۱۳۹٦

(۳۴) مسند حاکم:۴/۱٦۱

(۳۵) صحیح بخاری:۵۹۸۸،الادب المفرد:۵۳-۵۴

(۳٦) محمد:۲۲،۲۴)(بخاری:۴۰۹۔کتاب الصلاۃ ، باب هل تنبش قبور مشركيی

(۳۷) سنن ابی داؤد ، کتاب الادب:۴۴۷٦

(۳۸) سنن الترمذی:٦۵۸

(۳۹) مسنداحمد:۲۴۰۹۸

(۴۰) صحیح البخاری: کتاب الزکوٰۃ ، باب من تصدق فی الشرك ثم :۱۳۴٦

(۴۱) الالبانی ،محمد ناصر الدین ، صحیح الجامع ،مکتب الاسلامی ،بیروت ،۱۴۰٦ھ - ۱۹۹۵ء ۲/۹۵۰،:۵۳۹۱

(۴۲) سنن ابن ماجہ ، کتاب الذھد ، باب البغی:۴۲۱۲

(۴۳) صحیح بخاری ، کتاب الادب ، باب ليس الواصل بالمكافی:۵۹۹۱

(۴۴) أحمد بن حنبل ،مسند أحمد حاشیہ أحمد شاکر ،دار الحدیث، القاھرہ ، ۱۴۱٦۔۱۹۹۵ء، ۲/۳۸۷:۱۲۱۳

(۴۵) صحیح بخاری ، کتاب الصوب:٦۱۳۸

(۴۶) مسند حاکم:۴/۱۶۱-۱۶۲
(۴۷) جامع البیان فی تفسیر القرآن:۱/۱۴۴
(۴۸) احیاء العلوم (عربی) للغزالی:۱/۳۰-۲۲۰، احیاء العلوم (مترجم):۱/۳۴۹
(۴۹) صحیح بخاری، کتاب المناقب باب مناقب قرابة رسول اللهﷺ،:۳۷۱۲
(۵۰) ابن ابی دنیا، مکارم الاخلاق، المانیه، ۱۹۷۳ء:۶۲، ۱/۲۴۶
(۵۱) الاداب الشرعیه لابن مفلح:۳/۲۶۹
(۵۲) مکارم الاخلاق لابن ابی الدنیا:۵۱
(۵۳) الاداب العشرة للغزی:۴۴
(۵۴) الاداب العشرة للغزی:۱/۴۵۲
(۵۵) الاداب الشرعیة:۱/۴۵۲
(۵۶) جامع البیان فی تفسیر القرآن:۱/۱۴۴
(۵۷) فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الادب باب من بسط له فی الررزق:۱۰/۴۱۶
(۵۸) موسوعه نضرة النعیم:۷/۲۶۱۷
(۵۹) محمد:۲۳، ۲۲
(۶۰) البقرة:۲۷، ۲۶
(۶۱) سنن ابوداؤد، کتاب الأدب، باب فی النهی عن البغی:۴۹۰۲
(۶۲) مسند أحمد:۹۸۸۳ ورجاله ثقات
(۶۳) صحیح مسلم، کتاب البر والصلةوالآداب:، باب صلة الرحم وتحریم قطیعتها:۲۵۱۹
(۶۴) سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی صلة الرحم:۱۹۰۹
(۶۵) صحیح مسلم کتاب البر والصلة والآداب، باب صلة الرحم وتحریم قطیعتعا:۲۵۸۵
(۶۶) صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب لیس الواصل بالمکافی:۵۹۹۱
(۶۷) سنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء:۴۰۳۲
(۶۸) تفسیر ابن کثیر بذیل تفسیر مذکوره آیت

# فصل سوم

خاندانی روایات کی پاسداری

عصر حاضر میں خلاف شرع خاندانی روایات

خوشی اور غمی میں تعاون و شراکت

اجتماعی میل جول کے شرائط وضوابط

# خاندانی روایات کی پاسداری

خاندانی روایات کسی بھی خاندان کا تعارف ہیں۔اب عصر حاضر میں خاندان اور خاندانی رسومات و رواجات اور روایات نے لازم وملزوم کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔بالفاظ دیگر جتنی خاندان کی تاریخ پرانی ہے اتنی ہی اس کی روایات اور رواجات پرانے اور قدیم ہیں۔ دور جدید میں یہ فرق کرنا مشکل ہوگیا ہے کہ خاندانوں کے اندر رواج پا جانے والی روایات شادی بیاہ اور دیگر مواقع جزولاینفک تو نہیں، یہاں تک کہ سرمایہ پرست اور دنیا دار خاندان تو درکنار اسلامی اور دیندار گھرانے بھی ان کی لپیٹ سے محفوظ نہیں رہے۔ خاندانی روایات سے ہماری مراد ایسی رسومات اور روایات ہیں جو مختلف خاندانوں کی طرف سے شادی، بیاہ، معاملات، ملاقات گویا خوشی اور غمی کے مختلف مواقعوں کے وقت رونما ہوتی ہیں۔ان رسومات اور روایات خاندانی کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

① عہد جاہلیت کی خاندانی روایات ② اسلام میں خاندانی روایات ③ عصر حاضر کی غیر شرعی خاندانی روایات

## عہدِ جاہلیت کی خاندانی روایات

① متبنّٰی (منہ بولا بیٹا) کو حقیقی بیٹے کا درجہ دینے کی روایت

② متبنّٰی کی مطلقہ بیوی سے شادی نہ کرنے کی روایت

③ خطبہ (منگنی) کی روایت

④ عورت سے بدسلوکی کی روایت

⑤ معصوم بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی روایت

## عصر حاضر میں خلاف اسلام خاندانی روایات

① مائیوں بٹھانے کی روایت

② سہرہ بندی کی روایت

③ گانی اور ہار پہنانے کی روایت

④ دلہن کی منہ دکھائی کی روایت

⑤ گود بٹھائی کی روایت

⑥ جہیز کی روایت

⑦ نیوندرا کی روایت

⑧ دلہا کا سونے کی انگوٹھی پہننا

⑨ تیل مہندی کی روایت

⑩ سلامیاں دینے کی روایت

⑪ بارات اور بینڈ باجوں کی روایت

⑫ سر بالے کی روایت

⑬ ''بری'' لے جانے کی روایت

⑭ شادی کے موقع پر مخلوط مجالس

⑮ مکلاوے لے جانے کی روایت و رسم

## خاندان کی اسلامی روایات

① خطبہ (منگنی کا پیغام بھیجنا)

② خطبہ پر خطبہ کی ممانعت

③ خطبہ پر خطبہ کی صورت میں حق پہلے کا ہے اگر اس کی طرف میلان ہو جائے۔

④ لڑکی کا لڑکے کو اور لڑکے کا لڑکی کو ایک نظر دیکھنا۔

⑤ لڑکی اور لڑکے کی شادی کے موقع پر افراد خانہ کی مشاورت۔

⑥ نکاح کے وقت لڑکی کے ولی اور گواہوں کی موجودگی۔

⑦ نکاح کے موقع پر شور و غل کا ہونا تا کہ افراد محلّہ کو نکاح کا علم ہو جائے۔

⑧ ولیمہ کرنا۔

## عہد جاہلیت کی خاندانی روایت:

## متبنّٰی (منہ بولے بیٹے) کی حیثیت اور اس کی مطلقہ سے شادی کی روایت

دورِ جاہلیت میں متبنّٰی (اپنے منہ بولے بیٹے) کو عرب لوگ بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور ان کو حقیقی بیٹے کا سا مقام حاصل تھا حتیٰ کہ اپنے متبنّٰی کی مطلقہ سے نکاح کرنے کو بہت بڑا جرم اور شرم و حیا کے خلاف گردانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَايَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا. وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾[1]

''اے نبی ﷺ یاد کرو وہ موقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑے اور اللہ سے ڈرو۔ پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا تا کہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹے کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ اس سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہئے تھا۔''

## متبنّٰی کی تعریف

"هو اتخاذ الشخص ولد غيره ابناله" وكان الرجل فى الجاهلية يتبنى الرجل، فيجعله كالابن

المولودله، يدعوه اليه الناس ويرث ميراث الأولاد"۲

''کسی شخص کا کسی دوسرے کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنا لینا'' (اسے متبنی کہا جاتا ہے) زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا بنا لیتا تھا اور وہ اپنے متبنی کو وہی حیثیت دیتا تھا جو اس کی حقیقی اولاد کی ہوتی تھی اور لوگ کسی کے متبنیٰ کو اس کی طرف منسوب کر کے پکارتے تھے۔ اور وہ لوگ اپنی حقیقی اولاد کے برابر اپنے متبنیٰ کو وراثت میں حصہ دیتے تھے۔''

## متبنیٰ کی شرعی حیثیت

موسوعه الأسراه الكويتيه میں ہے:

''زمانہ جاہلیت میں لوگوں کو جب کوئی شخص کسی کو اچھا محسوس ہوتا اور اسے اس سے محبت اور الفت ہو جاتی تو وہ اس کو اپنا متبنیٰ بنا لیتا اور وہ متبنیٰ بننے والا اس شخص کے ہاں ہی رہتا جس نے اسے متبنیٰ بنایا ہوتا اور وہ متبنیٰ کو وہی حیثیت دیتا جیسے وہ اس کی حقیقی اولاد میں سے ہے اور وراثت میں حصہ بھی اپنی اولاد کے برابر دیتا اور وہ شخص یعنی متبنیٰ اسی کی طرف منسوب کر کے پکارا جاتا۔ جیسے آپؐ نے اپنی نبوت سے قبل زید بن حارثہ کو اپنا متبنیٰ بنا لیا اور اس کو لوگ ''زید بن محمدؐ'' کہہ کر پکارتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی مذکورہ آیات نازل کر کے روایت جاہلی کا خاتمہ فرما دیا۔

﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَ كُمْ...... وَكَانَ الله غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾۳

گویا اللہ تعالیٰ نے روایت متبنیٰ کو ختم کرنے کے لیے اپنے نبی ﷺ کی ڈیوٹی لگائی اور قرآن کریم کی آیات کا نزول فرمایا تا کہ قیامت تک کے لیے اس رسم جاہلی کا خاتمہ ہو جائے۔''۴

◉ سید قطب شہید ؒ فرماتے ہیں:

''اس سورت (سورہ احزاب) کے آغاز میں ہی متبنیٰ بنانے کی رسم کو ختم کر دیا گیا تھا۔ اور یہ حکم دے دیا گیا تھا کہ ایسے لوگوں کو اب ان کے حقیقی آبا کی طرف منسوب کر دیا جائے اور عائلی تعلقات حقیقی نسب پر قائم ہوں گے، کہا گیا ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَ كُمْ اَبْنَاءَ كُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ. اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَاللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا آبَاءَ هُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَا اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾۵

''نہ اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا بنایا ہے۔ یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم لوگ اپنے منہ سے نکال دیتے ہو۔ مگر اللہ وہ بات کہتا ہے جو مبنی برحقیقت ہے اور وہی صحیح طریقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے اور اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔ نادانستہ جو بات تم کہو۔ اس کے لیے تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ لیکن اس بات پر ضرور گرفت ہے جس کا دل سے ارادہ کرو۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔''

◉ سید قطب شہید ؒ مزید لکھتے ہیں:

''عربی سوسائٹی میں منہ بولے بیٹوں کے پختہ رسم و رواج تھے اور گہرے آثار تھے۔ ان آثار کو مٹانا اس قدر آسان نہ تھا۔ جس قدر نفس متبنیٰ کو مٹانا آسان تھا۔ اس لیے کہ اجتماعی رسم و رواج دلوں پر گہرے اثرات چھوڑتے ہیں۔ اس لیے اس قسم کی رسومات کو مٹانے کے لیے ان کے بالمقابل سخت اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے۔ بالعموم پہلے پہل جو اقدامات کئے جاتے ہیں۔ ان کے خلاف شور و غل بھی ہوتا ہے اور ابتدا میں اس کے اثرات بھی نفوس پر پڑتے ہیں۔''۶

اس سے قبل یہ بات آ گئی ہے کہ حضرت نبی ﷺ نے زید بن حارثہ کی شادی کرائی تھی یہ آپ کے متبنّٰی تھے اوران کو زید بن محمد کہا جاتا تھا۔اس کے بعد زید ابن حارثہ کہلانے لگے۔ یہ شادی زینب بن جحش سے کرائی گئی تھی۔ جو آپ کی پھوپھی زاد تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ غلاموں کو عرب سوسائٹی میں جو دوسرے درجے کا انسان سمجھتا جاتا تھا اس نظریے کو دور کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے شرافت و کرامت کا جو اصول مقرر فرمایا ہے اسے بروئے کار لایا جائے۔

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللهِ اَتْقَاكُمْ﴾ ''اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہی ہے جو زیادہ متقی ہے۔''

اور یہ مثال عملاً قائم کی جائے جو فی الواقعہ مثال ہو۔اس کے بعد مشیت الٰہیہ کا تقاضا یوں ہوا کہ رسالت کی ذمہ داریوں میں اس ذمہ داری کا اضافہ کر دیا جائے کہ متبنّٰی کی مطلقہ کے ساتھ نکاح کی مثال بھی حضور ﷺ خود قائم کریں تاکہ متبنّٰی کی رسم کے جو گہرے آثار تھے وہ بھی مٹ جائیں اور حضور ﷺ یہ نمونہ معاشرے کے سامنے پیش کریں۔ان حالات میں کہ کسی اور کی ہمت اس کام کے لیے نہ ہو سکتی تھی۔ اگرچہ رسم متبنّٰی قانوناً اور شرعاً اس سے پہلے ختم ہو گئی تھی۔[۷]

◉ مولانا مفتی شفیع عثمانی فرماتے ہیں:

''ان میں (عربوں میں) ایک رسم یہ تھی کہ ایک آدمی کسی دوسرے کے بیٹے کو اپنا متبنّٰی (منہ بولا بیٹا) بنا لیتا تھا اور جو اس طرح بیٹا بناتا۔ یہ لڑکا اسی کا بیٹا مشہور ہو جاتا ہے اور اسی کا بیٹا کہہ کر پکارا جاتا تھا۔اوران کے نزدیک یہ (منہ بولا بیٹا) تمام احکام میں اصلی بیٹے کی طرح مانا جاتا تھا۔مثلاً میراث میں بھی اس کی اولاد کے ساتھ مثل حقیقی اولاد کے شریک ہوتا تھا اور نسبی رشتہ سے جن عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہوتا تھا یہ منہ بولے بیٹے کے رشتہ کو بھی ایسا ہی قرار دیتے مثلاً جیسے اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی سے اس کی طلاق دینے کے بعد بھی نکاح حرام رہتا تھا۔ یہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کو بھی بعد طلاق اس شخص کے لیے حرام سمجھتے تھے۔[۸]

## عورت سے بدسلوکی کی روایت

ماہنامہ ''بتول'' ۱۹۵۹ء میں لکھا ہے:

''ابن آدم اپنے آرام و آسائش اور ترقی وعروج کے لیے جس ہستی کا مرہون منت رہا، جس کے خون سے پرورش پائی، جس کی آغوش شفقت میں پروان چڑھا۔جس نے شمع فروزاں بن کر اس کی تاریک زندگی کو منور کیا۔جس کے تبسم نے اس کی کلفتوں کو راحتوں میں بدل دیا۔جس کی رفاقت نے اس کی صعوبت حیات مستعار کو پُرکشش اور خوشگوار بنایا اسے اس نے ہمیشہ اپنے سفاکانہ مظالم کا نشانہ بنائے رکھا۔''[۹]

◉ مولانا عبدالقیوم ندوی لکھتے ہیں:

''عالم کا ذرہ ذرہ اور انسانی آبادی کا چپہ چپہ ہمیشہ اس کے خون کا پیاسا، اس کی عزت کے درپے اور اس کی ذلت کا خواہاں رہا۔''[۱۰]

## بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی روایت:

زمانہ جاہلیت کے عربوں میں یہ روایت رواج پا چکی تھی کہ بچی اور لڑکی اپنی زندگی کا حق نہیں رکھتی۔ اس لیے وہ اسے جنم لیتے ہی یا بچپن میں ہی زندہ دفن کر دیتے تھے۔ بلکہ یہاں تک کہ جس کے ہاں لڑکی پیدا ہو جاتی اس کے چہرے پر سیاہی چھا جاتی اور وہ اسے اپنے لیے ناکامی، ذلت و رسوائی اور بے عزتی خیال کرتا اور اپنے تمام معاملات کو ترک کرتے ہوئے اب گھر میں لیل و نہار بسر کرنے لگتا۔اس

روایت جاہلی پر قرآن وسنت کے دلائل و براہین اور مختلف مفسرین و دانشوروں کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

① اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِذَا الْمَوْءُ دَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾[11]

''اور جب زندہ گاڑی گئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کی گئی۔''

زمانہ جاہلیت میں بچیاں زندہ درگور دو طریقوں سے کی جاتی تھیں جن کو فتح الباری میں نقل کیا گیا ہے:

① امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«احدهما ان يأمر امرأته اذا قرب وضعها ان تطلق بجانب حضيرة، فاذا وضعت ذكرا القبة و اذا وضعت انثى طرحتها فى الحضيرة»[12]

''ان میں سے ایک یہ تھا کہ مرد اپنی بیوی کو وضع حمل کے وقت حکم دیتا کہ کسی گڑھے کے کنارے چلی جاؤ چنانچہ وہ گڑھے کے کنارے بچہ جنتی اگر بیٹا ہوتا تو اسے زندہ رکھتی اور اگر بیٹی ہوتی تو اسے گڑے میں پھینک دیتی۔''

② ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

«ومنهم من كان اذا صارت البنت سداسية قال لامها، طيسها و زينها لازوريها اقاربها ثم يعبددبها فى الصحرا ء حتى ياتيى البئر فيقول لها انظرى فيها ويدفعها من خلفها و يطهها»[13]

''دوسرا طریقہ یہ تھا کہ جب بیٹی چھ سال کی ہو جاتی تو مرد اس کی ماں سے کہتا اس کو بناؤ سنوارو میں اسے لے کر اپنے رشتہ داروں کے ہاں جا رہا ہوں، وہ اسے لے کر دور صحرا میں چلا جاتا۔ یہاں تک کہ ایک کنویں پر آتا اور بیٹی سے کہتا کہ کنویں میں دیکھو۔ جب وہ کنارے پر آ کر کنویں میں جانکتی تو اس کو پیچھے سے آ کر دھکا دے دیتا۔''

◉ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''عرب جاہلیت کے اُجڈ قبائل میں سنگدل باپ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ بیشتر اس سنگدلی کا سبب فقر کا اندیشہ ہوتا، مگر بعض حالات میں غربت کی بے اعتدالی بھی اس کا باعث بن جاتی۔ ان مظلوم بچیوں کو زندہ درگور کرنے والے چونکہ ان کے باپ ہی ہوتے تھے۔ جن کو ان پر کلی اختیار ہوتا۔''[14]

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ﴾[15]

''ان کی حالت یہ ہے کہ جب ان کو بتایا جاتا ہے کہ ان کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے تو ان کے گھر صف ماتم بچھ جاتی۔ چہرے پر مایوسی سیاہی پھیل جاتی۔ دل غم و اندوہ سے بھر جاتا ہے۔''

سوہ النحل میں ہے:

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ﴾[16]

''جب ان کو بیٹی کی خوشخبری سنائی جاتی تو ان کے چہرے پر سیاہی چھا جاتی اور ان کے غصے کی حد نہ رہتی۔''

مزید فرمان ربانی ہے:

﴿يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَابُشِّرَبِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ اَلَاسَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ [۱۷]

''ان کو (لڑکی کو) اپنے لیے باعث عار اور سمجھ کر لوگوں سے چھپتا پھرتا اور اس تردد میں پڑ جاتا ہے کہ اس کو ذلت گوارا کر کے باقی رکھے یا اس کو زمین میں دفن کر کے اس ذلت و رسوائی سے چھٹکارا حاصل کر لے۔''

سیرت النبی ﷺ میں ہے:

ایک عرب عورت اپنے خاوند کی بے رحمی کو اس طرح بیان کرتی ہے۔

"ما لأبی حمزة لا یا تینا یظل فی السبت الذی یلنیا غضبان الا نلد البنینا وانما ناخذ ما اعطینا"[۱۸]

''میرے خاوند (ابوحمزہ) کو کیا ہوگیا ہے کہ اب وہ ہمارے پاس آتا نہیں۔ وہ ساتھ والے مکان میں رہتا ہے اور اس لیے غضبناک ہے کہ ہم بیٹے کیوں نہیں جنتیں۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے ہم کو جو کچھ ملتا ہے ہم وہی جنتی ہیں۔''

◉ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''سب سے پہلا شخص جس نے اپنی بیٹی کو زندہ درگور کیا وہ قیس بن عاصم تمیمی تھا۔''

"وکان بعض اعدائه أغار علیه فاسر بنته فاتخذها لنفسه ثم حصل بینهم صلح فخیر البنة فاختارت زوجها۔ فآلی قیس علی نفسه ان لا تولد له بنت الایدفنها حیة فتبعه العرب فی ذلك"[۱۹]

''اس کے دشمنوں میں سے کسی نے اس پر حملہ کیا اور اس کی بیٹی کو قیدی بنانے کے بعد اپنی بیوی بنالیا، کچھ عرصہ کے بعد ان کے درمیان صلح ہوگئی۔ اس نے اپنی بیٹی کی واپسی کا جب تقاضا کیا تو دشمن نے اس کی بیٹی کو اختیار دے دیا۔ چاہے تو اس کے پاس رہے چاہے تو اپنے باپ کے پاس چلی جائے۔ بیٹی نے خاوند کے پاس رہنے کو ترجیح دی۔ قیس نے قسم کھائی کہ جب بھی اس کے ہاں بیٹی ہوگی وہ اسے زندہ دفن کردے گا۔ پس اس نے ایسا ہی کیا اور اہل عرب نے اس کی پیروی کی۔''

حضرت قیس بن عاصم تمیمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرتے ہیں:

''میں نے بارہ یا تیرہ بچوں کو زندہ درگور کیا ہے۔''[۲۰]

مظہر الدین صدیقی "Woman in Islam" میں لکھتے ہیں:

"Prior to Islam daughters were looked upon with disfavour and as a kind of economic and social burden. The result was that the male members of the family, enjoyed a respect which was denied to those of fair sex. There were marked defferences in the treatment and up buringing of soms and daughters [۲۱]

''اسلام سے قبل عورت سے ظالمانہ سلوک کیا جاتا تھا اور اسے معاشی اور معاشرتی بوجھ تصور کیا جاتا تھا۔ اس کے نتیجے میں عورت سے نفرت اور مرد سے محبت کی جاتی تھی۔ چنانچہ لڑکوں اور لڑکیوں کی پرورش اور سلوک کے معاملے میں دونوں کے درمیان ایک امتیازی فرق تھا۔''

# عصر حاضر میں خلاف شرع خاندانی روایات

اب ہم برصغیر پاک و ہند میں پائی جانے والی علاقائی خاندانی خلاف شرع روایات جائزہ لیتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں درحقیقت اسلام عرب تاجروں کے ذریعے پھیلا اور برصغیر پاک و ہند میں مذاہب عالم کے نمائندے موجود تھے اور بالخصوص ہندوؤں سکھوں کے ساتھ مسلمانوں کا اکثر واوقات میل جول اور لین دین تھا اور یہ اکٹھے ہزاروں سال زندگی بسر کرتے رہے اور یہ بات بھی مسلّمہ حقیقت ہے اور رسول عربی ﷺ کے فرمان ذی شان کے مطابق صحبت کا اثر پڑتا ہے اگر کوئی فرشتہ سیرت انسان کے پاس بیٹھے گا تو ایسے ہی اوصاف اس بندے کے ہوں گے اگر قبیح وخبیث اوصاف کے حاملین کی صحبت نصیب ہوگی تو ایسے ہی اوصاف متعلقہ آدمی میں نمودار ہوں گے۔ الغرض مسلمانوں نے بہت سی روایات اور رسم و رواج (یعنی ہندوؤں اور سکھوں) سے لیں اور پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد پاکستان میں نفاذ اسلام کا مکمل طور پر انتظام نہ ہوسکا جس کی بنا پر مسلمانوں میں وہی خاندانی رسومات و روایات جو ہندوؤں اور سکھوں میں پائی جاتی تھیں، سرایت کر گئیں۔

## ① منگنی کی روایت

منگنی کو عربی زبان میں خِطبہ کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے رشتہ منتخب ہوجانے کے بعد اسے مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کا نام منگنی ہے بالفاظ دیگر نکاح کی بات پکی کرنے کا دوسرا نام منگنی ہے۔

منگنی عرب معاشرے کا ایک علاقائی رواج اور روایت تھی اس وقت عورتیں مردوں کو اور مرد عورتوں کو اپنے قاصدوں کے ذریعے پیغام منگنی بھیجا کرتے تھے۔ جیسے حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام نے ایک خاتون کے ذریعے حضور نبی کریم ﷺ کو پیغام منگنی دیا اور آپ ﷺ نے پسند فرمالیا اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کی طرف سے آپ ﷺ کو پیغام ملا کہ ''اپنے بزرگوں کے ساتھ ہمارے گھر آئیں، تو آپ ﷺ اپنے چچا ابوطالب اور حضرت حمزہ و دیگر قریش کے بزرگوں کے ہمراہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کے گھر تشریف لے گئے اور عمرو بن اسید نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کے ولی کے فرائض سرانجام دیئے اور آپ ﷺ کا پانچ سو طلائی درہموں یا بیس اونٹوں کے بدلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام سے نکاح ہوا۔ الغرض زمانہ جاہلیت میں بھی منگنی کی روایت موجود تھی۔ جسے رسول اللہ ﷺ نے برقرار رکھا کیونکہ اس میں کوئی شرعی قباحت نہ تھی۔''[۲۲]

لمحہ فکر یہ ہے کہ ہمارے ہاں منگنی کے نام پر بے شمار روایات رواج پا چکی ہیں۔ جن پر اُٹھنے والے اخراجات سے بیسوں غریب لڑکیوں کی شادیاں کی جاسکتی ہیں۔ منگنی کے موقع پر لڑکے کے عزیز و اقارب مٹھائی کے ٹوکرے اور لڑکی اور اس کے اہل وعیال کے لئے بے شمار تحائف لے کر جانا ضروری سمجھتے ہیں اور پھر محرم وغیر محرم افراد خانہ کی موجودگی میں لڑکے اور لڑکیوں کو سونے کی انگوٹھیاں پہننا اور پہنانا ضروری خیال کیا جاتا ہے اور پھر لڑکی کے عزیز و اقارب لڑکے کے گھر جاتے اور بہت زیادہ اخراجات اٹھاتے ہیں اور ایسے موقعوں پر ویڈیو کا بنایا جانا بھی منگنی کا جزولاینفک بن چکا ہے۔ ایسی روایات کا اسلام کلی طور پر انکار کرتا ہے اور اس کی مذمت کرتا ہے اور اسے اسراف وتبذیر خیال کرتا ہے۔ الاّ یہ کہ ایک دوسرے کے گھر جا کر جانچ پڑتال کریں اور ان کی ہلکی پھلکی مہمان نوازی بھی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾ ۲۳

''اور فضول خرچی نہ کرو کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔''

## مائیوں بٹھانے کی روایت

مائیوں بٹھانے کی رسم برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں پائی جاتی ہے۔جس کا طریقہ یہ ہے۔لڑکی کو شادی سے چند دن قبل ایک چوکی پر بٹھا دیا جاتا ہے اور اسے گھر کے کام کاج حتیٰ کہ گھر والوں سے بول چال تک سے منع کر دیا جاتا ہے۔تاوقتیکہ اس کی شادی ہو جائے۔ جہاں تک لڑکی کو شادی سے پہلے کام کاج چھڑا کر آرام کرنے کا موقع فراہم کرنے کی بات ہے۔اسے شرعی طور پر مکروہ خیال نہیں کیا جاتا بلکہ اس میں کئی ایک خوبیاں پوشیدہ ہیں مثلاً لڑکی گھر کے کام و کاج چھوڑ کر اپنے جسم کی صفائی اور خوبصورتی پر توجہ دیتی ہے تاکہ خاوند کی نگاہ اولین میں اس کا اچھا تاثر قائم ہو لیکن افرادخانہ سے بات چیت کو کسی خاص نظریے اور تصور توہمانہ کی بنا پر ترک کر دینا سراسر غیر شرعی امر ہے۔اسی طرح مائیوں سے اٹھانے والا انداز ہ اور طریقہ بھی غیر شرعی ہے۔

## سہرہ بندی کی روایت

شادی کے روز دُلہا کو اس کے اپنے گھر میں بارات چلنے سے کافی دیر پہلے شاہانہ لباس زیب تن کر کے اور سر پر سہرا سجا کر کرسی پر بٹھا دیا جاتا ہے اور دُلہا کی کرسی کے ارد گرد دو چار کرسیاں ہوتی ہیں اور سامنے میز کو رکھ کر اس پر خوبصورت گلدستے سجا دیئے جاتے ہیں اور دُلہا کے عزیز و اقارب باری باری آتے ہیں اور دُلہا پر قیمتی تحائف اور روپوؤں کی بارش برساتے ہیں۔ جسے ''سہرا بندی'' کہا جاتا ہے۔ یہ رسم ایران کے آتش پرستوں نے ایجاد کی۔آتش پرست اسے پنجہ آفتاب کہتے ہیں کیونکہ جب دُلہا سہرا باندھتا تو اس کا چہرہ آفتاب کا پنجہ یعنی سورج کی آگ (روشنی) کے مشابہہ ہو جاتا۔ یہ روایت بڑھتے ہوئے جب بادشاہوں تک پہنچی تو وہ اپنی شادیوں پر سونے کے تاج اور سونے کی تاروں اور قیمتی نگینوں سے مرصع سہرے تیار کرنے لگے پھر انقلاب زمانہ و حالات سہرے میں بھی تبدیلی واقع ہوئی اور عصر حاضر میں ایسی ٹوپیاں تیار کی جاتی ہیں جو بیک وقت سہرا اور ٹوپی پگڑی (کلاہ) کا کام دیتا ہے۔ یہ ایک روایت ہے جو شرک کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

## دُلہا پر ہاروں کی بارش

دورِ جدید میں دُلہا کسی ریاست کے صدر اور وزیر اعظم سے کم حیثیت کا حامل نہیں ہوتا اس لیے کہ لوگ چاروں طرف سے مبارکباد پیش کر رہے ہوتے ہیں اور کوئی مالا ہار اور کوئی اصلی نوٹوں سے پُروے گئے ہار ڈال رہا ہوتا ہے اور دلہے کی خوشی کو دوبالا کر رہے ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو دلہا کو مبارکباد پیش کی جارہی ہوتی ہے اور دوسری طرف اسے لاکھوں کا مقروض کیا جارہا ہوتا ہے۔ اگر ان سے اس کے مقصد کا سوال کیا جائے تو جواب ملتا ہے کہ دلہے اور دوسرے لوگوں میں کچھ نہ کچھ فرق تو ہونا چاہئے حالانکہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں دیکھا جائے یہ فضولیات سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

## بارات کی روانگی اور بینڈ باجوں اور فائرنگ کا آغاز

شادی کے موقع پر لڑکے اور اس کے والدین، بہن، بھائیوں اور قریبی عزیز و اقارب کا مل کر لڑکی کے گھر جانا اور لڑکی والوں کا ان کی مہمان نوازی کرنے میں کسی قسم کی شرعی قباحت نہیں البتہ مذکورہ اہل خانہ کے سوا سینکڑوں کا لشکر لے کر لڑکی کے ہاں جانا اور بارات کے ہمراہ بینڈ باجوں، ڈھول گانوں کا شور شرابہ اور ہتھیاروں سے فائرنگ کا استعمال نہ صرف عصر جدید کی فضول اور غلط روایت ہے بلکہ اس کے بہت زیادہ نقصانات ہیں۔

① فضول خرچی۔

② اللہ اور رسول ﷺ کی فرمانی۔

③ اپنے عزیز و اقارب کو اپنے ہاتھوں موت کی گھاٹ اتارنا۔

ایسے نقصانات ہیں جو مقالہ نگار نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے ہیں اور مختلف اوقات میں اخبارات کے قرطاس سے نمودار ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کاموں کو لھوالحدیث قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ [24]

''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو لغویات خریدتے ہیں تاکہ بے علمی سے لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کریں اور اسے ہنسی مذاق بنائیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے رقص و موسیقی اور آلات موسیقی سے سختی سے منع فرما دیا ہے۔

«ليكونن من امتى اقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف» [25]

''میری اُمت میں ایسے بدبخت پیدا ہوں گے جو شرم گاہ (زنا) ریشم، شراب اور سازوں کو حلال کرلیں گے۔''

بینڈ باجوں اور فائرنگ کی یہ روایت تکبر اور فخر کو جنم دیتی ہے جسے رب کائنات نے روز اوّل سے ہی اپنے غیر کے لیے حرام قرار دے دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾ [26]

''اور تو زمین میں اکڑ کر نہ چل (کیونکہ) اللہ کسی خود پسند اور شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا اور اپنی چال میں اعتدال ملحوظ رکھو اور اپنی آواز پست کرو۔ بلاشبہ سب آوازوں سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا﴾ [27]

''اور زمین میں اکڑ کر مت چل کیونکہ نہ تو تو زمین پھاڑ سکتا ہے اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«الكبر ردائى والعظمة ازارى فمن ناز عنى واحدا منهما قازفته فى النار») [28]

''تکبر میری چادر ہے اور عظمت میری تہہ بند ہے جس شخص نے ان میں سے کوئی چیز بھی مجھ سے چھیننے کی کوشش کی تو میں اسے جہنم رسید کردوں گا۔''

## دُلہا کے والدین اور عزیز و اقارب کا دُلہن کے ہاں ''بِد'' اور ''بَری'' لے کر جانا

''بِد'' ان خشک میوہ جات جو چھوہاروں، باداموں، گری اور میٹھی اشیاء یعنی پتاسے، مکھانے وغیرہ پر مشتمل چیزوں کا نام ہے جو لڑکے والے دلہن کے گھر بارات کے ساتھ لے کر جاتے ہیں اور یہ کم از کم ۲۱ کلوگرام وزن پر محیط ہوتی ہے۔ جس میں سے چند کلوگرام دلہن کے گھر والے دلہے کے گھر والوں کو واپس کر دیتے ہیں اور باقی اپنے اہل خانہ میں تقسیم کرتے ہیں اور ''بَری'' اس روایت کا نام ہے جو لڑکے کے اہل خانہ لڑکی اور دلہن کے لیے ملبوسات، جوتیاں، میک اَپ کا جدید ترین سامان ایک بکس میں بند کر کے اپنے نائی کے حوالے کرتے ہیں اور وہ بارات کے ساتھ جاتا ہے۔ اور یہ بَری کا سامان اس کی حفاظت میں ہوتا ہے، یاد رہے کہ یہ سامان دلہن کی ۲۱ جوتوں، ۲۱ سوٹوں اور دیگر قیمتی میک اَپ کے سامان پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ ''بَری'' کی ریاکاری سے قبل ارد گرد محلے کے گھروں میں اطلاع دی جاتی ہے اور پھر دلہے کی بہنیں اور عزیز عورتیں لوگوں کے سامنے نمائش کرتی ہیں۔ شریعت اسلامیہ تحائف کو تو مستحسن قرار دیتی ہے لیکن مذکورہ بالا روایات اور رسم و رواج کا اس میں کوئی ثبوت نہیں اور شریعت اسلامیہ اس طرح کی روایات کو فضولیات قرار دیتی ہے۔

## نیوندرا کی روایت

پاکستان بلکہ برصغیر پاک و ہند میں نیوندرا کی رسم عام ہے۔ نیوندرا کی روایت اور رسم کو ''بیوتہ بازی'' بھی کہا جاتا ہے اس روایت کی وضاحت اس طرح سے ہوسکتی ہے کہ ولیمہ کے دن جن لوگوں کو دعوت ولیمہ پر شریک ہونے کا موقع ملتا ہے ان سے روپے وصول کیے جاتے ہیں اور یہ کام پورے ڈسپلن کے ساتھ ہوتا ہے کہ نیوندرا وصول کرنے والوں کے پاس ایک رجسٹر ہوتا ہے جو روپے دیتا ہے ان کو لکھ لیا جاتا ہے اور جب نیوندرا دینے والے کی یا اس کی اولاد یا بھائی کی شادی ہوتی ہے تو موجودہ دعوت ولیمہ میں نیوندرا وصول کرنے سے دوگنا یا برابر نیوندرا کا مطالبہ کیا جاتا ہے جس کی عدم ادائیگی کی صورت میں نوبت لڑائی جھگڑے تک پہنچ جاتی ہے۔

اس روایت کو رواج دینے کے لیے اور اس سے عدم موافقت رکھنے والوں کو مطمئن کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ باہمی تعاون کا ذریعہ ہے حالانکہ شریعت مطہرہ اس کی تائید سے پاک ہے بلکہ ناجائز قرار دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا تَمۡنُن تَسۡتَكۡثِرُ ﴾ ۲۹

''تم اس نیت سے احسان نہ کرو کہ تم زیادہ طلب کرسکو''

## دودھ پلائی اور سربالہ کی روایت

سربالہ اور دودھ پلائی کی روایت برصغیر پاک و ہند میں ہندوؤں سے مسلمانوں کے میل جول کی بنا پر فروغ پاگئی ہے اور اب مسلمانوں کا شاید ہی کوئی گھرانہ ایسا ہو جو اس شکار نہ ہو۔

ہندو معاشرے میں دلہے کے ساتھ شادی کے دن مختلف شرارتیں کی جاتی تھیں۔ مثال کے طور پر ٹوٹی ہوئی چارپائی پر چادر بچھا کر دلہا کو بیٹھنے کے لیے کہا جاتا اور جب دلہا اس چارپائی پر بیٹھنے کی کوشش کرتا تو گر جاتا جس سے دلہا اور دلہن کے عزیز و اقارب ہنس پڑتے اور دلہا کو شرمندہ ہونا پڑتا یا دلہا کو دودھ پلانے کے لیے اس کی سالیاں منصوبہ بندی کرتیں کہ دودھ میں بہت زیادہ نمک ملا دیتی یا دودھ میں رکھا ہوا پائپ درمیان سے کسی چیز سے بند کر دیتیں جس سے دلہا کو ندامت اٹھانی پڑتی۔ ان قبیح حرکات سے اجتناب کے لیے ''سربالہ'' (یعنی دلہے کا محافظ) کی روایت کو رواج دیا گیا شریعت مطہرہ سے ایسی قبیح روایات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

## منہ دکھائی اور گود بٹھائی کی روایات

دلہن جب دلہا کے ہاں تشریف لے آتی ہے تو پھر مختلف روایات اور رسومات کا آغاز ہوتا ہے۔ جن میں سے ایک منہ دکھائی کی رسم ہے۔ جب دلہن کو کمرہ دلہا میں بٹھا دیا جاتا ہے تو اہل خانہ اور عزیز و اقارب و اہل محلّہ کی عورتیں دلہن کو منہ دکھانے کی درخواست کرتی ہیں۔ دلہن اپنے چہرے سے حجاب کشائی کرتی ہے جس کے عوض میں اہل قرابت و دیگر خواتین نئی دلہن کو روپے اور مختلف تحائف سے نوازتی ہیں۔

اور پھر دلہن کے دیور اور جیٹھ منہ دیکھ کر اسے روپے دیتے ہیں اور دیور گود بٹھائی کے روپے طلب کرتا ہے جس کا مطالبہ پورا کیا جاتا ہے یا پھر چھوٹا بچہ شگون پکڑتے ہوئے دلہن کی گود میں بٹھا دیا جاتا ہے تاکہ دلہن کی گود ہری ہو اور بچے جنم دے۔ شریعت مطہرہ غیر محرموں سے ایسی بے پردگی و بے حیائی سے منع کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِيْ الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِيْ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [30]

''جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں بے حیائی کی اشاعت ہو، ان کے لیے دنیا میں بھی المناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی اور (اس کے نتائج کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ تم نہیں جانتے۔''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''......آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں ان کا زنا (غیر محرم کو) دیکھنا ہے۔ (کان بھی زنا کرتا ہیں) کانوں کا زنا (غیر محرم کی باتیں) سننا ہے۔ (زبان بھی زنا کرتی ہے) زبان کا زنا (غیر محرم سے) باتیں کرنا ہے۔ (ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں) ہاتھ کا زنا پکڑنا (اور چھونا ہے) (پاؤں بھی زنا کرتے ہیں) پاؤں کا زنا (غیر محرم کے طرف) چل کر جانا ہے۔ (دل بھی زنا کرتا ہے) دل کا زنا (بُری) خواہش کرنا ہے اور شرم گاہ ان سب باتوں کو یا سچ کر دکھاتی ہے یا جھوٹ۔'' [31]

## جہیز کی روایت

جہیز عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ ''ج، ہ، ز'' ہے۔ جس کا معنی تیار کرنا۔ انتظام و انصرام کرنا کے ہوتے ہیں۔ عرفی معنی میں سامان سفر تیار کرنا، کفن دفن کا سامان تیار کرنا یا جہیز کا سامان تیار کرنا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اس طرح استعمال ہوا ہے: ﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ﴾ [32]

''جب اس نے ان کا سامان ان کے لیے تیار کر دیا۔''

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«من جهز غازيا فی سبيل الله فقد غزا»

''جس شخص نے کسی مجاہد کا ساز و سامان تیار کر کے دیا۔ اس نے گویا خود جہاد میں حصہ لیا۔''

مذکورہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ جہیز کا لغوی معنی ساز و سامان ہے اور عرف عام میں اس کا یہ مفہوم ہے۔

''وہ ساز و سامان جو لڑکی کو اس کی شادی کے موقع پر اس کے والدین کی طرف سے دیا جاتا ہے۔''

مسلمان چونکہ ہندوستان میں ہندو اور سکھوں کے ساتھ مل جل کر رہتے رہے ہیں اور جب نقل مکانی ہوئی اور مسلمان پاکستان میں

آ بسے تو ہندوؤں کی بہت سی روایات اور رسومات جو ان میں ''ہندوستان'' میں رچ بس گئی تھیں وہ اسی طرح پاکستان میں رواج پا گئیں جن میں سے ایک روایت جہیز بھی ہے۔

ہندوؤں کا طریقے کار یہ تھا کہ جب اپنی لڑکیوں کی شادی کرتے تو جتنا مال و متاع اور ساز و سامان ان کی ہمت ہوتی وہ انہیں دیتے اور اس کے بدلے میں ان کو وراثت سے محروم رکھتے اور ہندو اسے ''کنیا دان'' (لڑکی کے لیے خیرات) کا نام دیتے اور مسلمان اسے جہیز کا نام دیتے ہیں۔ حقیقت حال ایک ہی ہے۔

عصر حاضر میں یہ روایت مسلمانوں میں اس قدر سرایت کر گئی ہے۔ وہ اسے مستحب خیال کرتے ہیں اور حجت یہ پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دیا تھا۔۳۳

حالانکہ یہ جہیز نہیں یہ مہر معجّل (ایڈوانس مہر) تھا۔ جس کی صراحت حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

«تزوجت فاطمه فقلت يا رسول اللهﷺ ابن بی قال اعطها شیأ قلت ما عندی من شی قال فاين درعك الحطمية قلت هی عندی قال فاعطها أياه» ۳۴

''میں نے جب فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو اللہ کے رسول ﷺ سے ان کی رخصتی کا تقاضا کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے (بطور مہر) کچھ دو میں نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری وہ حطمی زرہ کہاں ہے؟ میں نے کہا ہاں، وہ تو میرے پاس موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ (بطور مہر) فاطمہ کو دے دو۔''

## مکلاوے کی روایت

مکلاوے کی روایت ہماری اپنی گھڑی ہوئی اور رواج دی ہوئی ہے۔ نہ اس کا کوئی قرآن و سنت سے ثبوت ملتا ہے نہ آثار صحابہ اور تابعین سے ملتا ہے۔ اس روایت کے ختم کرنے کے لیے ہمیں سید التابعین امام سعید بن مسیّب کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ حلیۃ الاولیاء اور سیر اعلام النبلاء میں ہے:

امام سعید بن المسیب سے ان کی بیٹی کا رشتہ خلیفہ عبدالملک نے اپنے بیٹے ولید کے لیے طلب کیا۔ امام موصوف نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا اور اپنی بیٹی کا رشتہ اپنے شاگرد کثیر بن المطلب بن ابی وداعہ سے کر دیا۔۳۵

کثیر بن المطلب بن ابی وداعہ کا بیان ہے:

''میں اپنے استاد سعید بن المسیب کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ مجھے کوئی معاملہ لاحق ہو گیا تو کافی ایام میں ان کی کلاس میں حاضری سے قاصر رہا پھر ایک دن میں اپنے استاد کی مجلس میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے سوال کیا، کہاں تھے میں نے بتایا کہ میری اہلیہ کا انتقال ہو گیا تھا تو استاد محترم نے فرمایا کیا نئی عورت سے شادی کی ہے کہا مجھے کون رشتہ دے گا۔ میں صرف دو یا تین درہم کی ملکیت رکھتا ہوں اس پر امام سعید بن المسیب نے فرمایا: آپ کو رشتہ میں دوں گا۔ اور دو یا تین درہموں کے عوض مجھ سے نکاح کر دیا۔ میں گھر گیا اور سوچتا رہا کیا کروں تو اچانک دروازہ کھٹکا میں نے دیکھا تو میرے استاد سعید بن المسیب تھے اور ان کے ہمراہ ان کی بیٹی تھی تو انہوں نے فرمایا یہ آپ کی بیوی ہے...... میں ایک ماہ کے بعد امام صاحب کی مجلس میں حاضر ہوا تو جب تمام طلباء جا چکے میں بیٹھا رہا تو مجھ سے سعید بن المسیب نے فرمایا وہ انسان کیسا پایا۔ کہا: بہت اچھا، فرمایا اگر وہ غلطی کرے تو لاٹھی سے سیدھا کرو۔''۳۶

## خلاصۂ کلام

عصر جدید کی تمام خاندانی روایات اور رسومات مذکورہ بالا خود ساختہ اور ہمارے ہاتھوں ہی رواج دی گئی ہیں خواہ وہ مائیوں بٹھائی کی روایت ہو یا سہرا بندی کی خواہ دودھ پلائی کی روایت ہو یا منہ دکھائی کی روایت یا وہ نیوندرا کی روایت ہو یا سلامیاں دینے کی رسومات خواہ وہ دہلیز پکڑنے کی روایت ہو یا مکلاوے کی ہے۔ان سب کا قرآن وسنت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔لہٰذا ان سے حتیٰ الوسع اجتناب کی راہ اختیار کرنی چاہیئے اور اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ نئی نسل کل کو سبیل الھدیٰ پر گامزن ہو سکے۔

## اسلامی خاندانی روایات

رسوم ورواج کے بارے میں یہ اصولی بات پیش مدنظر رہے کہ اسلام کسی علاقے کے رسم ورواج کو یک لخت ختم کرنے کا حکم نہیں دیتا۔اسلام تو بس یہ چاہتا ہے کہ تمام رسموں میں سے غیر شرعی عناصر کو ختم کر دیا جائے، جن پر عمل کرنے سے کسی شرعی حکم کی نفی لازم آتی ہے۔شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے اچھے پروگرام بنانے کی اسلام اجازت دیتا ہے۔

### ① انتخاب رشتہ میں دینداری کو ترجیح

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تنكح المرأة لأربع لما لها ولحسبها ولجمالها والدينها فاظفر بدات الدين تربت يداك» [۳۷]

''عورت سے چار وجوہات کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے۔اس کے مال و دولت، حسب ونسب، حسن و جمال اور دین و اخلاق کی وجہ سے، تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں تم دین دار عورت سے شادی کر کے کامیابی حاصل کرو۔''

② رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«اذا خطب اليكم من ترضون دينه و خلقه فزوجوه الاتفعلوا تكن فتنة فى الارض و فساد عريض» [۳۸]

''جب کوئی ایسا شخص تمہارے پاس نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین و اخلاق سے تم راضی ہو تو اسے رشتہ دے دو لیکن اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھر بڑا فساد پیدا ہوگا۔''

عصر حاضر میں لوگ دور جاہلیت کی روایت کی طرح مال ومتاع کو ترجیحی بنیادوں پر اختیار کرتے ہیں اور دینداری کو نام سے آگے نہیں جانے دیتے جیسے نبی ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے رشتہ طلب کیا تو انہوں نے مال و دولت کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی بیٹی اُم ہانی کا نکاح ہبیرہ بن ابی وھب مخزومی سے کیا اور رسول اللہ ﷺ کو اس طرح جواب دیا جیسے نام نہاد مسلمان مذہبی لوگوں کو دیتے ہیں کہا:

''معزز شرفاء کے کفو (ہم مرتبہ) معزز شرفاء ہی ہوتے ہیں'' [۳۹]

## خِطبہ کی روایت

دور جہالت میں خطبہ (منگنی کا پیغام) کی روایت موجود تھی۔اسلام نے اسے پسند فرمایا اور اسے قائم رکھا لیکن یہ اصول بنا دیا اگر کسی عورت کو کئی افراد پیغام منگنی ارسال کرتے ہیں اور میلان کسی کی طرف ہو گیا ہے تو پھر دوسرے کے لیے خطبہ جائز نہیں اور حق بھی اسی پہلے کا ہوگا۔

## ① منگنی کے وقت لڑکی کو دیکھنا

① رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«إذا القى الله فى قلب امرئ خطبة امرأة فلا بأس أن ينظر إليها»[40]

''جب اللہ تعالیٰ کسی مرد کے دل میں کسی عورت سے شادی کا ارادہ پیدا فرمادے تو اسے چاہیئے کہ اسے دیکھ لے اس میں کوئی حرج نہیں۔''

② حضرت مغیرہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک عورت سے منگنی کی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا:

«انظر إليها فإنه أحزى أن يؤدم بينكما»[41]

''اس عورت کو دیکھ لو کیونکہ یہ تمہارے درمیان محبت قائم رکھنے کے لیے زیادہ مناسب ہوگا۔''

## ② خِطبہ پر خِطبہ کی ممانعت

① حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«لا يخطب الرجل على خطبة أخيه حتى يترك الخاطب الأول اويأذن له الخاطب»[42]

''کوئی آدمی وہاں پیغام نکاح نہ بھیجے جہاں اس کے مسلمان بھائی نے پہلے سے پیغام بھیجا ہو البتہ اگر پہلا پیغام بھیجنے والا دستبردار ہوجائے یا (اپنے ساتھ) دوسرے کو بھی (پیغام بھیجنے) کی اجازت دے دے تو پھر کوئی حرج نہیں۔''

② رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«المومن أخوالمومن فلا يحل للمومن أن يبتاع على بيع أخيه ولا يخطب على خطبة أخيه حتى يذر» [43]

''ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے اس لیے کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرے اور نہ کسی کے خطبے پر خِطبہ کرے الا کہ وہ اس سے دستبردار ہوجائے۔ (تو پھر اس کے لیے پیغام نکاح بھیجنا درست ہے)

## نکاح کے وقت ولی اور گواہوں کی موجودگی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤمِن......﴾[44]

''اور مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔''

◉ امام قرطبی فرماتے ہیں:

«فى هذه الاية دليل بالنص على ان لا نكاح الابولى»[45]

''یہ آیت بطور نص اس بات کی دلیل ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر (عورت کا) نکاح صحیح نہیں۔''

جبکہ عہد جاہلیت میں گواہوں کا کوئی تصور نہ تھا یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دور جاہلیت میں رائج نظام نکاح باطل قرار دے دیا اس کی صراحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس طرح فرماتی ہیں:

«فنكاح منها نكاح الناس اليوم يخطب الرجل الى الرجل وليته اوا بنته ...... فلما بعث محمدﷺ بالحق هدم نكاح الجاهلية كله الانكاح الناس اليوم»[46]

''ان میں سے ایک نکاح یہ تھا جو آج لوگوں (عہد نبوت) میں رائج ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے پاس اس کی زیر ولایت لڑکی یا اس

کی بیٹی سے شادی کے لیے نکاح کا پیغام بھیجتا اور اس کو مہر دے کر اس سے نکاح کر لیتا (نیز فرماتی ہیں) جب اللہ کے رسول ﷺ دین حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو جاہلیت کے تمام نکاح آپ نے باطل قرار دے دیئے سوائے اس نکاح کے جو آج کل (عہد نبوت میں) رائج ہے۔''

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«لانكاح الا بولى و شاهدى عدل»۴۷

''نکاح تب منعقد ہوتا ہے جب ولی اور دو عادل گواہ موجود ہوں۔''

## اعلانیہ نکاح اور دف بجانا

اسلام دین فطرت ہے اور یہ انسان کے جذبات کا خیال کرتا ہے اور نکاح کو اعلانیہ کرنے کو مستحسن اور اس موقع پر اور دف بجانے کو جائز قرار دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں

«فصل مابين الحرام والحلال الدف والصوت»۴۸

''حلال اور حرام نکاح کے درمیان فرق کرنے والی چیز دف بجانا اور نکاح کا اعلان کرنا ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک انصاری شخص کے لیے دلہن کو تیار کر کے لے گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يا عائشة! ماكان معكم لهو فان الانصار يعجبهم الهو»۴۹

''عائشہ رضی اللہ عنہا! تمہارے پاس لھو (کھیل کی چیز یا دف بجانے والی) نہیں، انصار تو دف پسند کرتے ہیں۔''

## ولیمہ کرنا

ولیمہ کا اصل ''ول م'' ہے اور یہ جمع ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے چونکہ میاں بیوی کے جمع ہونے کے وقت یہ دعوت کی جاتی ہے اس لیے اس دعوت کا نام ہی ولیمہ ہو گیا ہے۔

لغویین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب مطلق طور پر لفظ ولیمہ بولا جائے تو اس سے مراد شادی کی دعوت ولیمہ ہی ہوتی ہے جسے طعام العرس کہا جاتا ہے۔۵۰

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«اولم ولو بشاة»۵۱

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شادی کی تو اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ ولیمہ کرو اگر چہ ایک بکری ہی سے کرو۔

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ کی روشنی میں اکثر فقہا جن میں سے امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، اہل ظاہر، امام قرطبی رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے فرض اور واجب کہا ہے۔۵۲

# خوشی اور غمی میں تعاون و شراکت

# خوشی کے مواقع پر تعاون وشراکت

## حصول اولاد

اولاد نرینہ کا حصول نعمت عظمیٰ سے کم نہیں ہے ۔ اولاد ایسا مال و متاع ہے جس کا متبادل دنیا میں کوئی سرمایہ نہیں ۔ دنیا کا جتنا چاہیں سرمایہ صرف کرلیں اور تمنا، آرزو اور خواہش یہ ہو کہ اس کے بدلے ہمیں حقیقی بیٹا یا اولاد نصیب ہو جائے، ناممکن ہے ۔ یہی وجہ ہے دنیا کی عظیم ترین ہستیاں انبیاء کرام اور اولیاء عظام مقصد ہذا کی خاطر خالق ارض وسما سے اپنے شباب سے شیب تک دست دراز ہو کر اور ساتھ ساتھ امید بحال رکھتے ہوئے دعائیں کرتے رہے ۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو قبول فرمایا تو پھر خالق کائنات کے شکر کیلئے حمد وثنا کو اپنے دامن سے جُدا نہ ہونے دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام کا قرآن کریم نے بالتصریح ذکر فرمایا ہے ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ ۵۳

’’اور جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقین کا امام بنادے ۔‘‘

## بچے کا عقیقہ اور اس میں خاندان کا تعاون وشراکت

حضرت سلیمان بن عامر الضبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

«مع الغلام عقيقة فاهر يقوا عنه الدم و اميطوا عنه الأذى» ۵۴

’’کہ غلام (بچے) کا عقیقہ کیا جائے اور اس کی طرف سے خون بہایا جائے اور اس سے گندگی دور کی جائے (یعنی اس کے بال اتار دیئے جائیں)‘‘

حدیث کی روشنی میں بچے کا ساتویں دن عقیقہ کرنا چاہیے اور اس میں عزیز و اقارب کو دعوت دینی چاہیے اور اگر بچے کے والدین عقیقے کی استطاعت نہیں رکھتے تو پھر خاندان کو تعاون کرنا چاہیے ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ۵۵

’’اور نیکی اور تقوی کے کاموں میں تعاون کرو اور بُرائی اور زیادتی کے کاموں میں تعاون سے اجتناب کرو۔‘‘

بچے کی ولادت اور اس کے بعد اس کا عقیقہ ایک خوشی کا موقع ہے اور صرف خوشی کا موقع ہی نہیں بلکہ عقیقہ ایک مستحب عمل ہے۔ جس میں تعاون وشراکت بھی ایک مستحسن عمل کی حیثیت رکھتا ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

«للمسلم على المسلم ست باالمعروف يسلم عليه اذا لقيه ويحيبه اذادعاه......» ۵۶

’’ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ جب وہ ملے تو سلام کرے اور جب وہ اس کو دعوت دے تو اسے قبول کرے۔‘‘

## شادی کے موقع پر تعاون وشراکت

### ① مال کی صورت میں تعاون وشراکت

شادی و بیاہ کے موقع پر مال ومتاع اور سرمایہ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔جس کی بنا پر انسان خواہش رکھتا ہے کہ عزیز و اقارب اس سے تعاون کریں تا کہ اس کا بوجھ کم ہو سکے۔شریعت اسلامیہ بھی اسی چیز کا تقاضا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

① ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ 57

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں عدل، احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، بُرے کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔''

② ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ 58

''اور تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تعاون روا رکھو اور بُرائی اور زیادتی کے کاموں میں تعاون سے اجتناب کرو۔''

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«إذا كان احدكم فقيرا فليبدا بنفسه وان كان فضلا فعلى عياله وان كان فضلا فصل ذوى قرابته او قال على ذوى رحمه وان كان فضلا فهاهنا و هاهنا» 59

''جو شخص غریب ہو سب سے پہلے اپنے اوپر خرچ کرے اور اگر وہ غنی ہو تو پھر اپنے اہل خانہ پر اور اگر اس کے افراد خانہ خوشحال ہوں تو اپنے عزیز و اقارب پر خرچ کرے اگر وہ مال دار ہوں تو اسی ترتیب سے اپنا مال صرف کرے۔''

## ولیمہ کی دعوت میں شریک ہونا

شادی ایک خوشی کا موقع ہے جس بنا پر دعوت ولیمہ کی جاتی ہے اور خوشی اس سے دوبالا اور پُر رونق ہوگی کہ عزیز و اقارب اور دوست، احباب اس میں شرکت کریں۔ویسے بھی دعوت ولیمہ اکثر علماء ومحدثین کے ہاں فرضیت اور وجوب کا درجہ رکھتی ہے۔

## رسول اللہ ﷺ کا ولیمہ اور اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی شرکت وتعاون

رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر سے واپسی پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اس وقت آپ ﷺ کے پاس ولیمہ کے لیے کچھ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے صحابہ میں اعلان فرمایا:

«ومن كان عنده شئ فليجئ به» 60

''جس شخص کے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے وہ یہاں لے آئے۔''

''رسول اللہ ﷺ نے ایک چمڑے کا دستر خوان بچھایا بعض صحابہ کھجوریں اور بعض گھی لے کر آ گئے جبکہ بعض ستو لے کر آ گئے (صحیح مسلم میں ہے) بعض صحابہ پنیر لے کر آ گئے پھر خود ہی لوگوں نے اس کا حلوہ بنایا اور اسی حلوے سے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے دعوت کی گئی۔''

## غمی میں تعاون وشراکت

انسانی زندگی خوشی اور غمی، رطب و یابس اور ہر قسم کے نشیب وفراز کا مجموعہ ہے۔اس سرزمین فانی کا کوئی انسان ان لمحات ومراحل

سے دوچار ہوئے بغیر اپنی حیات و زندگی کو بسر نہیں کرسکتا اس لیے کہ قانون خداوندی ہے:

﴿تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ ۶۱

ان حالات و واقعات اور نشیب وفراز کا مقابلہ کرنے کے لیے اور انہیں بطریق احسن پایا تکمیل تک پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے ساتھ ساتھ عزیز و اقارب اور دوستوں کی نصرت کی غیر معمولی ضرورت ہوتی ہے جسے شریعت اسلامیہ مستحسن قرار دیتی ہے بلکہ رسول ثقلین ﷺ نے ایسے موقع پر مدد و نصرت کا حکم صادر فرمایا۔

## وفات پانے والے کے اہل خانہ کے لیے کھانا تیار کرنا

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''لما جاء نعی جعفر بن ابی طالب حین قتل قال النبیﷺ« اصنعوا لأهل جعفر طعاما فإنه قدجاء هم ما يشغلهم» ۶۲

جب جعفر رضی اللہ عنہ بن ابوطالب کی خبر شہادت موصول ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ ان کو ایسی (تکلیف دہ) اطلاع ملی ہے جو انہیں کھانا پکانے سے مشغول رکھے گی۔''

## ائمہ محدثین کے اقوال و آثار

① علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اہل میت کی اعانت کی غرض سے کھانا تیار کرکے ان کے ہاں بھیجنا مستحب ہے۔'' ۶۳

② امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میت کا پڑوسی یا کوئی رشتہ دار میت کے گھر والوں کے لیے وفات کے دن و رات میں اتنا کھانا تیار کرے جو انہیں سیر کردے کیونکہ یہ سنت ہے۔'' ۶۴

③ امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میت کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرکے بھیجنا میت کے اقرباء اور پڑوسیوں کے لیے مستحب ہے۔'' ۶۵

④ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''میت کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرکے بھیجنا مستحب ہے۔ ۶۶

⑤ امام صنعانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں یہ ثبوت موجود ہے کہ میت کے گھر والوں کو تسلی دینے کی غرض سے ان کے لیے کھانا تیار کیا جائے کیونکہ وہ وفات کی وجہ سے (دیگر امور میں) مشغول ہوتے ہیں۔'' ۶۷

⑥ شیخ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''میت کے اقرباء اور اس کے پڑوسی میت کے گھر والوں کے لیے اتنی مقدار میں کھانا تیار کریں جو انہیں سیر کردے۔ یہ مسنون طریقہ ہے۔'' ۶۸

⑦ عبداللہ بسام ''توضیح الاحکام شرح بلوغ المرام'' میں لکھتے ہیں:

''نبوی طریقہ یہ تھا کہ میت کے اقرباء یا پڑوسی یا دوست احباب وغیرہ میت کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کر کے بھیجتے تھے۔''[٦٩]

## میت کے جنازے میں شریک ہونا اور تدفین کرنا

① حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«حق المسلم علی المسلم خمس: رد السلام و عیادة المریض و اتباع الجنائز و اجابة الدعوہ و تشمیت العاطس»[٧٠]

''مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں، سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازے میں شرکت کرنا، دعوت قبول کرنا، جسے چھینک آئے اسے جواباً یرحمک اللہ کہنا۔''

② حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

«عود المریض و اتبعوا الجنائز تذکر کم الاخرہ»[٧١]

''بیمار کی عیادت کرو، جنازوں کے پیچھے چلو وہ تمہیں آخرت یاد دلائیں گے۔''

◉ شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جنازے کو کندھا دینا اور اس کے پیچھے چلنا واجب ہے۔''[٧٢]

◉ ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''جنازے میں شرکت مسنون ہے۔''[٧٣]

◉ سبل السلام میں ''امیر صنعانی رحمہ اللہ'' لکھتے ہیں:

''مسلمان (خواہ معروف ہو یا غیر معروف اس) کے جنازے میں شرکت کرنا واجب ہے۔''[٧٤]

## عورت کی نماز جنازہ میں شرکت

خواتین کیلئے نماز جنازہ میں شریک ہونا جائز ہے لیکن جنازے کے ساتھ چل پڑنا اور قبرستان میں مردے کی تدفین میں شریک ہونا ناجائز ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

«لما توفی سعد بن ابی وقاصؓ ارسل ازواج النبیﷺ ان یمروا بجنازته فی المسجد فیصلین علیه ففعلوا»[٧٥]

''جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے پیغام بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لائیں (تاکہ) وہ بھی ان کی نماز جنازہ پڑھ لیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔''

## عورت کی نماز جنازہ میں شرکت کے بارے میں محدثین وعلماء کرام کے اقوال

◉ شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''خواتین کے لیے نماز جنازہ میں شرکت جائز تو ہے لیکن وہ جنازوں کی تدفین کے لیے نہیں چلیں گی کیونکہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔[٧٦]

⦿ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میت پر جنازہ پڑھنا اسی طرح جائز ہے جیسے مرد کے لیے جائز ہے۔''۷۷

## سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ

''مرد اور خواتین دونوں کے لیے نماز جنازہ مشروع ہے لیکن خواتین جنازے کے پیچھے نہیں جائیں گی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے انہیں اس سے منع فرمایا ہے۔''۷۸

## تعزیت کرنا

لفظ تعزیت باب عزی یعزی (تفعل) کا مصدر ہے جس کا معنی ''تسلی دینا، حوصلہ بڑھانا'' ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«من عزى اخاه المومن فى مصيبة كساه الله حلة خضراء يحبرهايوم القيامة قيل، يارسول اللهﷺ ما يحبر؟ قال يعبط»۷۹

''جس شخص نے اپنے کسی مومن بھائی کو مصیبت میں تسلی دی تو اللہ تعالیٰ اسے ایسا سبز لباس پہنائیں گے جس کے ذریعے روز قیامت اس پر رشک کیا جائے گا۔''

حضرت قرہ مزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی کا بچہ فوت ہوگیا:

«فعزاه عليه ثم قال يا فلان! أيما كان أحب اليك أن تمتع به عمرك أولا تأتى غدا إلى باب من أبواب الجنة إلا وجدته قد سبقك إليه يفتحه له» ۸۰

آپ ﷺ نے اس کی تعزیت فرمائی۔ پھر فرمایا: اے فلاں! تمہیں کون سی چیز زیادہ پسند ہے کہ تم اس (بچے) کے ذریعے اپنی زندگی کو فائدہ پہنچاؤ یا کل کو تم جب جنت کے دروازوں میں سے کسی دروازے کے پاس آؤ گے تو اسے وہاں پہلے سے موجود پاؤ گے تو وہ تمہارے لیے اسے (یعنی جنت کا دروازہ) کھولے گا۔

## محدثین کے اقوال

① ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اہل میت سے تعزیت کرنا مشروع ہے۔''۸۱

② شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میت کے گھر والوں سے تعزیت کرنا جائز ہے۔''۸۲

## تعزیت میں غیر شرعی امور سے اجتناب کرنا چاہیئے

① حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ليس منا من لطعم الخدود، وشق الجيوب وضرب الخدود ودعا بدعوى الجاهلية» ۸۳

''جس نے کسی کی موت پر رخساروں کو پیٹا، گریبان کو پھاڑا اور جاہلیت کی باتیں کیں وہ ہم میں سے نہیں۔''

## محدثین واہل دانش کے اقوال وآثار

① امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نوحہ وغیرہ جیسے تمام افعال حرام ہیں۔''[۸۴]

② شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میت پر نوحہ کرنا حرام ہے۔''[۸۵]

③ سلیم ہلالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''میت پر نوحہ خوانی حرام ہے اور وہ یہ ہے کہ میت پر بلند آواز سے رویا جائے۔''[۸۶]

④ سعودی مجلس افتاء کی طرف سے فتویٰ شائع ہوا ہے:

''میت کے اچھے افعال یاد کر کے رونا، نوحہ کرنا، کپڑے پھاڑنا، رخساروں کو پیٹنا اور اس کے مشابہ کوئی بھی کام کرنا جائز نہیں۔''[۸۷]

⑤ شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نوحہ خوانی جائز نہیں۔''[۸۸]

# اجتماعی میل وجول کے شرائط وضوابط

## اجتماعی میل جول کے محاسن

### ① اتفاق واتحاد قائم رکھنا

اتفاق واتحادکو عربی زبان میں ''اجتماع'' کہتے ہیں جس کی اصل اور مادہ ''جمع'' (ج،م،ع) ہے۔

◉ ابن فارس لکھتے ہیں:

"الجیم والمیم والعین ، اصل واحد یدل علی تضام الشی یقال جمعت الشئ جمعا و تجمع القوم۔ اجتمعوا من ھنا وھنا و اجتمع القوم، انضموا، وھو ضد تفرقوا"۸۹

جیم،میم،عین تین حروف کو ملا کر ایک لفظ ''جمع'' بنتا ہے جو کسی چیز کے اجتماع پر دلالت کرتا ہے کہا جاتا ہے،"جمعت الشی جمعا" میں نے کسی چیز کو جمع کیا اور قوم جمع ہوگئی یعنی قوم کا اجتماع ہو گیا چنانچہ اجتماع افتراق وانتشار اور تفرقہ کی ضد ہے۔

◉ موسوعہ نضرۃ النعیم میں ہے:

"وھو ان یلتقی المسلمون و ینضم بعضھم الی بعض ولا یتفرقوا"۹۰

''مسلمانوں کا اتفاق واتحاد اس طرح ہوجانا کہ ان کا ہر فرد دوسرے فرد کے اتنا قریب ہوجائے کہ ان کے درمیان کسی قسم کا خلا اور خلیج باقی نہ رہے تو اسے شریعت اسلامیہ میں اجتماع کہتے ہیں۔''

◉ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ان اللہ تعالیٰ یامر بالالفة و ینھی عن الفرقة لان الفرقة ھلکة والجماعة نجاة" ۹۱

''اللہ تعالیٰ محبت والفت اور اجتماعیت کا حکم دیتے ہیں۔ اور اختلاف وانتشار اور تفرقہ سے منع فرماتے ہیں کیونکہ اختلاف وانتشار ہلاک کر دیتا ہے اور اجتماعیت اور اکٹھ میں فوز وفلاح ہے۔''

## قرآن کریم اتفاق واتحاد کا درس دیتا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

① ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ ۹۲

''اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط سے تھامے رکھو اور فرقوں میں نہ تقسیم ہو جاؤ''

② اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ...﴾ ۹۳

''تم میں سے ایک ایسی ضرور جماعت ہونی چاہئے جو خیر کی طرف دعوت دے۔''

مذکورہ بالا دونوں آیات مبارکہ اتفاق واتحاد اور اجتماعیت خاندان وامت کا واضح ثبوت ہیں۔

## فرامین رسول ﷺ اور اتفاق واتحاد

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فمن وصلھا وصله الله ومن قطعھا قطعه الله» ۹۴

''جو شخص اپنے رشتہ داروں سے اتفاق و اتحاد کو قائم رکھے گا اسے اللہ تعالیٰ اتفاق و اتحاد پر قائم رکھے گا اور جو اس کو تار تار کرے گا اسے تار تار کر دیا جائے گا۔''

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«سبعة يظلهم الله فى ظله يوم لا ظل الا ظله ...... رجلان تحابا فى الله اجتمعا عليه وتفرقا عليه» ۹۵

''سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ روز قیامت اپنے عرش عظیم کا سایہ نصیب فرمائے گا جس دن اس سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا......ان میں سے دو آدمی وہ ہیں جو آپس میں اللہ کے لیے محبت و الفت رکھتے ہیں ان کا اتفاق اور اختلاف محبت الٰہی پر منحصر ہوتا ہے۔

② حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع و عشرين درجة» ۹۶

''آدمی کی جماعت کے ساتھ نماز اکیلے کی نماز سے ستائیس درجے افضلیت کی حامل ہے۔''

◉ حافظ عماد الدین ابن کثیر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے آیت کریم ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ﴾ میں اجتماعیت اور اتفاق و اتحاد کا درس دیا ہے اور فرقہ واریت اور انتشار کو ممنوع قرار دیا ہے اور بہت زیادہ احادیث اتفاق و اتحاد اور اجتماعیت کا درس دینے کے ساتھ ساتھ اختلاف و انتشار کو حرام اور ممنوع قرار دیتی ہیں۔'' ۹۷

## قطع رحمی کی ممانعت

قطع رحمی اور قطع تعلقی ایک غیر معمولی جرم ہے کیونکہ اس کا مرتکب اللہ تعالیٰ سے بدعہدی کرتا ہے۔ جس کا عتاب اور سزا اسے دنیا و آخرت میں جھیلنا پڑے گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا يُضِلُّ بِهٖ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ ۹۸

''اور وہ گمراہ صرف فاسقوں کو کرتا ہے۔ جو لوگ اللہ سے عہد کرنے کے بعد اسے توڑ دیتے ہیں اور جس کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں قطع کرتے ہیں اور زمین میں فساد بپا کرتے ہیں یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔''

◉ ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں:

''قرآن و سنت نے اس رشتے کے لحاظ کو صلہ رحمی اور اسے نظر انداز کر دینے کو قطع رحمی سے تعبیر کیا ہے۔ اسلام کی رو سے صلہ رحمی دنیا و آخرت کی فلاح کا باعث ہے اور قطع رحمی دنیا و آخرت کے خسارے کا باعث ہے۔'' ۹۹

## صلح کرنا

خاندان میں جہاں کہیں ناراضگی کی بات ہو تو بڑے آدمی کو صلح کروا دینی چاہیے۔ قرآن و سنت کا تقاضا اور روح بھی یہی ہے۔

① اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ ۱۰۰

''اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔''

④ اللہ تعالیٰ اس کے بعد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾[101]

''مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

## احادیث رسول ﷺ:

① رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«ليس الكذاب الذى يصلح بين الناس فينمى خيرا او يقول خيرا»[102]

''وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے۔ اس کی نیت اچھی ہوتی ہے یا وہ بہتری اور بھلائی کی بات کرتا ہے۔''

② حضرت سھل بن سعد بیان کرتے ہیں، کہ اہل قبا ایک بار لڑ پڑے اور ایک دوسرے کی طرف پتھر مارنے اور پھینکنے لگے تو جب رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''آؤ میں تمہاری صلح کراتا ہوں''[103]

## صلح کرانے کا درجہ اور فضیلت

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الا اخبركم باافضل من درجة الصيام والصلاة والصدقة قالوا بلى يا رسول الله ﷺ قال إصلاح ذات اليمين وفساد ذات البين هى الحالقة»[104]

''کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں کہ جس کا درجہ روزے، نماز اور صدقے کے درجے سے افضل ہے۔'' صحابہ نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے فرمایا «اصلاح ذات البين» ''دو آدمیوں کے درمیان صلح کرا دینا۔'' (اور سنو) «فساد ذات البين هى الحالقة» ''دو آدمیوں کے درمیان فتنہ فساد ڈالنا دین کو مونڈنا اور خراب کرنا ہے۔''

## خاندان کا شرف واحترام بحال رکھنا

افراد خاندان اور روساء خاندان کی عظمت و شان اور رفعت و بلندی اور وقار و اقتدار کو بحال رکھنا اسی قدر اہم اور ضروری ہے جس قدر ایک انسان کی عزت و وقار اور شان و شوکت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ہم قرآن سے شرف انسانیت کا سوال کرتے ہیں تو قرآن جواب دیتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَ حَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَ فَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾[105]

''اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی سب مخلوقات پر فوقیت دی۔''

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾[106]

''کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔اور وہ اللہ کا ذکر کرے تو تم اپنا ہاتھ روک لو''

## شرف انسانیت و خاندان احادیث کی روشنی میں

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«إذاضرب احدكم خادمه فذكر الله فارفعوا أيديكم»[107]

''جب تم میں سے کوئی اپنے خادم کو سزا دے۔''

② حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«إذا قاتل احدكم اخاه فليتجب الوجه»[108]

''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے لڑے تو اس کے چہرے پر وار نہ کرنا۔''

# حوالہ جات

(۱) الأحزاب:۳۷

(۲) القاموس مادہ "بنی" موسوعة الأسرة:۲۱۲/۴،الموسوعة الفقهیه:۱۲۰/۱۰

(۳) الاحزاب ۴:۶

(۴) موسوعه الاسرة:۲۱۲/۴

(۵) الاحزاب:۴،۵

(۶) سید قطب،تفسیر فی ظلال القرآن مترجم سید معروف شاہ شیرازی،ادارہ منشورات،لاہور س ن:۳۹۳-۳۹۴/۵

(۷) فی ظلال القرآن از سید قطب شہید،مترجم سید معروف شاہ شیرازی:۳۹۴/۵

(۸) تفسیر معارف القرآن از مفتی شفیع عثمانی:۸۳/۷

(۹) ماہنامہ "بتول" ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۴

(۱۰) عبدالقیوم ندوی،اسلام اور عورت،سویرا آرٹ پریس،۱۹۵۲ء صفحہ ۲۰

(۱۱) التکویر:۸

(۱۲) فتح الباری لابن حجر عسقلانی:۴۰۷/۱۰ طبع لاہور

(۱۳) فتح الباری شرح صحیح بخاری از ابن حجر عسقلانی:۴۰۷/۱۰

(۱۴) تدبر قرآن از امین احسن اصلاحی:۲۲۲/۸

(۱۵) الزخرف:۱۷

(۱۶) النحل:۵۸

(۱۷) النحل:۵۹

(۱۸) سیرت النبی ﷺ:۲۹۷/۴،ضیاء القرآن:۴۰۶/۴

(۱۹) فتح الباری شرح صحیح بخاری:۴۰۶/۱۰

(۲۰) اسدالغابه فی معرفة الصحابه:۲۲۰/۴

(۲۱) (Muhammad Mazhar-ud-Din Siddiqui " Women in Islam " Islamic Publication, Lahore, 1982, Page.15)

(۲۲) خالد مسعود،حیات رسول امی ﷺ،دار التذکیر،لاہور،۲۰۰۳ء:۸۷/۱۔ سیرت النبی از ابن کثیر:۱۸۱/۱۔سیرت خیر الأنام:۸۸/۱

(۲۳) بنی اسرائیل:۲۶
(۲۴) لقمان:۶
(۲۵) صحیح بخاری، کتاب الأشربة، باب ما جاء فیمن یستحل الخمر ویسمیه بغیر اسمه
(۲۶) لقمان:۱۸:۱۹
(۲۷) الاسراء:۳۷
(۲۸) سنن ابی داؤد: کتاب اللباس باب ماجاء فی الکبر :۴۰۹۰
(۲۹) المدثر:۶
(۳۰) النور:۱۹
(۳۱) مسند أحمد:۳۹۱۲
(۳۲) یوسف:۵۹
(۳۳) سنن نسائی:۳۳۸۶
(۳۴) سنن النسائی، کتاب النکاح، باب تحلة الخلوة:۳۳۷۵
(۳۵) حلیة الاولیاء:۲/۱۶۷
(۳۶) حلیة الاولیاء:۲/۱۶۷ ،الذهبی ،شمس الدین محمد بن عثمان ،سیراعلام النبلاء،مؤسسة الرسالة،بیروت،۱۹۸۶ء:۴/۴_۲۳۳
(۳۷) صحیح مسلم:کتاب الرضاع، باب استحباب النکاح ذات الدین:۱۴۶۶
(۳۸) سنن الترمذی، کتاب النکاح عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء إذا جاء کم من ترضون دینه فزوجوه:۱۰۸۴
(۳۹) ابن سعد ،محمد بن سعد ،الطبقات الکبریٰ ،دار صادر ،بیروت ،س ن:۶/۱۱۲
(۴۰) سنن ابن ماجة ، کتاب النکاح، باب النظر إلی المرأة إذا أراد أن یتزوجها:۱۸۶۴
(۴۱) سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی النظر إلی المخطوبة:۱۰۸۷
(۴۲) سنن النسائی: کتاب النکاح، باب خطبة الرجل إذا ترک الخاطب أو أذن له:۳۲۴۳
(۴۳) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الخطبة علی خطبة أخیه حتی یأذن أو یترک:۱۴۱۴
(۴۴) البقره:۲۲۱
(۴۵) تفسیر قرطبی:۳/۴۹
(۴۶) صحیح بخاری ، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح إلا بولی:۵۱۲۷
(۴۷) مصنف عبدالرزاق:۱۰۴۷۳

(۴۸) سنن الترمذی ، کتاب النکاح عن رسول اللہ ﷺ ، باب ما جاء فی إعلان النکاح:۱۰۸۸

(۴۹) صحیح بخاری ، کتاب النکاح ، باب النسوۃ اللاتی یھدین المرأۃ إلی زوجھا ودعائھن:۵۱۲۳

(۵۰) لسان العرب! مادہ ولم ، نیل الواطار:۹۵۲/۴

(۵۱) سنن الدارمی ، کتاب النکاح ، باب فی الولیمۃ:۲۲۰۴

(۵۲) المحلی لابن حزم:۲۲/۱۱ ، نیل الاوطار:۲۶۰/۴

(۵۳) الفرقان:۷۴

(۵۴) مسند احمد:۱۵۸۰۸

(۵۵) المائدہ:۲

(۵۶) سنن الترمذی ، کتاب الأدب عن رسول اللہ ﷺ ، باب ماجاء فی تشمیت العاطس:۲۷۳۶

(۵۷) النحل:۹۰

(۵۸) المائدہ:۲

(۵۹) سنن النسائی ، کتاب البیوع ، باب بیع المدبر:۴۶۵۳

(۶۰) صحیح مسلم:کتاب النکاح۔ باب فضیلۃ اعتاقہ أمتہ ثم یتزوجھا: ۱۳۶۵/کتب ستہ ۹۱۵

(۶۱) آل عمران:۱۴۰

(۶۲) سنن الترمذی، کتاب الجنائز عن رسول اللہ ﷺ ، باب ما جاء فی الطعام یصنع لأھل المیت:۹۹۸

(۶۳) المغنی لابن قدامہ:۴۹۶/۳

(۶۴) کتاب الأم:۲۴۷/۱

(۶۵) تحفۃ الاحوذی از عبدالرحمن مبارکپوری، طبع بیروت

(۶۶) الاخبار العلمیۃ من الاختیارات الفقھیہ:۱۴۰

(۶۷) صنعانی ، محمد بن اسماعیل ، سبل الاسلام شرح بلوغ المرام، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی ، کویت ،۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷ء:۳۱۴/۲

(۶۸) الالبانی ، محمد ناصرالدین ، احکام الجنائز و بدعھا ، المکتب الاسلامی ، بیروت، ۱۹۶۹ء:۲۱۱

(۶۹) توضیح الاحکام شرح بلوغ المرام:۲۷۰/۳

(۷۰) صحیح بخاری ، کتاب الجنائز ، باب الأمر باتباع الجنائز:۱۲٤٠

(۷۱) صحیح بخاری فی الادب المفرد:۷۵

(۷۲) احکام الجنائز:۸٦

(۷۳) المغنی:۳۹۵/۳

(۷۴) سبل السلام:۱۹۷۵/۴
(۷۵) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی الجنازة فی المسجد:۹۷۳
(۷۶) ابن باز، صالح العثیمین ، فتاویٰ اسلامیہ،مترجم محمد خالد سیف،دارالسلام،الریاض،س ن ۱۸/۲
(۷۷) ابن باز ، مجموع فتاویٰ ، الرئاسة العامة للبحوث العلمیة ،الریاض،۱۴۲۶ھ-۲۰۰۵ء:۱۱۴/۱۷
(۷۸) احمد بن عبد الرزاق ، فتاویٰ اللجنة الدائمة ، لرئاسة العامة للبحوث العلمیة ،الریاض،۱۴۲۶ھ-۲۰۰۵ء:۴۱۷/۸
(۷۹) احکام الجنائز ، :۲۰۵
(۸۰) سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب فی التعزیة:۲۰۸۸
(۸۱) المغنی لابن قدامہ:۴۸۵/۳
(۸۲) احکام الجنائز و بدعھا:۲۰۵
(۸۳) سنن ابن ماجة، کتاب ما جاء فی الجنائز، باب ما جاء فی النھی عن ضرب الخدود وشق الجیوب :۱۵۸۴
(۸۴) نیل الاوطار:۱۱۲۔۱۱۱
(۸۵) احکام الجنائز و بدعھا:۳۹
(۸۶) موسوعه المناھی الشرعیة:۱۹/۲
(۸۷) فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء:۱۶۰/۹
(۸۸) مجموع الفتاویٰ لابن باز:۴۱۶/۱۳
(۸۹) معجم مقاییس اللغة لابن فارس:۴۸/۹۔۴۷
(۹۰) موسوعه نضرة النعیم:۴۲/۲
(۹۱) تفسیر القرطبی:۱۵۹/۴
(۹۲) آل عمران:۱۰۳
(۹۳) آل عمران:۱۰۴
(۹۴) سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی رحمة الناس:۱۹۲۴
(۹۵) صحیح بخاری:۲۶۰
(۹۶) صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة:۶۴۵
(۹۷) تفسیر ابن کثیر:۳۹۷/۱
(۹۸) البقرہ:۲۷

(۹۹) خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل اردو بازار، لاہور س ن، ص۲۳۶

(۱۰۰) الحجرات:۹

(۱۰۱) الحجرات:۱۰

(۱۰۲) صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس:۲۶۹۲

(۱۰۳) سنن النسائی، کتاب أداب القضاء، باب الرخصة للأحکام الأمین أن یحکم وهو غضبان:۵۴۱۳

(۱۰۴) سنن ابو داؤد، کتاب الأدب، باب فی إصلاح ذات الیمین:۴۹۱۹

(۱۰۵) بنی إسرائیل:۷۰

(۱۰۶) التین:۲

(۱۰۷) سنن الترمذی، کتاب البر والصلةعن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی أدب الخادم:۱۹۵۰

(۱۰۸) صحیح بخاری، کتاب العتق، باب إذا ضرب العبد فلیجتنب الوجه:۲۵۶۰

# فصل چهارم

## خاندان اور معاشرہ

خاندان معاشرے کا بنیادی یونٹ

اسلامی معاشرہ میں خاندان کا کردار

# خاندان اور معاشرہ

## خاندان معاشرے کا بنیادی یونٹ

خاندان معاشرے کا سب سے اہم اور بنیادی یونٹ ہے جو مرد اور عورت کے درمیان رشتہ ازدواج سے وجود میں آتا ہے۔ معاشرے کی ترقی ونشوونما کا انحصار جہاں خاندان پر ہے وہاں معاشرے کی تنزلی وانتشار کا انحصار بھی اسی خاندان پر ہے۔ کیونکہ خاندان ہی معاشرے کی اساسی اکائی کی حیثیت رکھتے ہیں اوراسی سے معاشرے وجود میں آتے ہیں۔ جس قدر خاندان کی اکائی مضبوط اور مستحکم ہو گی اسی قدر ہی معاشرہ اور ریاست مضبوط اور مستحکم ہوں گے۔ خاندان کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خاندان کی بقاء اورتحفظ کو شریعت کے بنیادی مقاصد میں شمار کیا گیا ہے۔ اوراسلامی تعلیمات کا ایک مکمل شعبہ جومناکحات یااسلام کے عائلی نظام سے موسوم ہے۔ اس مقصد کے لئے وجود میں لایا گیا ہے۔ قرآن میں ایک تہائی سے زائد احکام، عائلی نظام کو منضبط کرنے کے لئے آئے ہیں۔ مذکورہ بحث کی مکمل تفصیلات معلوم کرنے سے قبل ہم معاشرے کی تعریف بیان کرتے ہیں۔ جب کہ خاندان کی تعاریف باب اول میں تفصیلا گذر چکی ہیں۔

مختلف کنبے، قبیلے اورخاندان مل کرایک معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ جومختلف قسم کے قوموں اورافراد کواپنے اندر شامل کیے ہوتا ہے۔ خاندانوں کے اجتماع سے جو معاشرہ تشکیل پاتا ہے اس کی تعریف حسب ذیل ہے۔

## معاشرے کی تعریفات

محمد اسحاق صدیقی معاشرہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''یہ انسانی روابط کا ایک کلی مجموعہ ہے اس حیثیت سے کہ یہ روابط عمل سے پیدا ہوتے ہیں۔ جو ذرائع ومقاصد کے رشتہ سے قائم ہے۔''[1]

مذکورہ بات فلاسفہ نے بھی کہی۔ ارسطو کے اس قول کو بے حد شہرت حاصل ہوئی:

''انسان ایک معاشرت پسند حیوان ہے۔''

اورزمانہ بھی آج تک اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ انسان دوسروں کا محتاج ہے۔ انسان دوسروں سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ احتیاجات فکر انسانی کے باہمی رشتوں کو مضبوط تر بناتی ہے۔ اورایک معاشرہ اورسوسائٹی وجود میں آتی ہے۔ امام ابن خلدون رحمہ اللہ اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

افرادانسانی کا اکھٹے مل جل کر رہنا ایک ناگزیرامر ہے اور یہ حقیقت ہے جسے اہل علم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انسان پیدائشی طور پر مدنیت پسند واقع ہوا ہے۔''

گویا معاشرہ کی تعریفات کا حاصل یہ ہے:

''معاشرہ انسانی روابط کی اس تنظیم کا نام ہے جس کو ہم خیال افراد نے بنایا ہو۔اوران کے مقاصد اور مفادات میں یکسانیت پائی جاتی ہو۔''

اب ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام مثالیں دے کر اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ خاندان سے معاشرہ کیسے وجود میں آتا ہے۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری حضرت اسماعیل علیہ السلام کے کنبے کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے ایک شہر آور کے باشندے تھے۔یہ شہر دریاء فرات کے مصری ساحل پر کوفے کے قریب واقع تھا۔تو یہاں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی اور شہر حرّان تشریف لے گئے تھے۔اور پھر وہاں سے فلسطین جا کر اسی ملک کو اپنی پیغمبرانہ سرگرمیوں کا مرکز بنالیا تھا۔اور دعوت وتبلیغ کے لئے یہی سے اندرون و بیرون ملک مصروف تگ وتاز رہا کرتے تھے۔ایک بار آپ مصر تشریف لے گئے فرعون نے آپ کی بیوی سارہ کی کیفیت سنی تو ان کے بارے میں بدنیت ہوگیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس واقعہ کو اس انداز میں بیان کیا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بادشاہ مصر کو اطلاع دی گئی کہ ایک ارد کا آدمی یہاں آیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی حسین وجمیل بیوی بھی ہے۔چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بادشاہ مصر نے اپنے دربار میں طلب کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام دربار میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کے ساتھ کون ہے تو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ میری بہن ہے۔ پھر حضرت سارہ کو بلایا گیا تو ان جب طلب کیا گیا جس چیز کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو آگاہ کر چکے تھے کہ جب آپ سے دریافت کریں تو آپ نے بتانا کہ میں ان کی بہن ہوں۔تو جب دربار میں حاضر ہوئیں تو انہیں بادشاہ نے برے عزم سے ہاتھ لگانا چاہا تو فوراً اللہ تعالی نے اسے پکڑلیا اور وہ زمین میں دھنسنے لگا۔گھبرا کر چلا اٹھا کہ سارہ تو اپنے خدا سے دعا کر کہ وہ مجھے نجات دے دے میں تجھے کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔

چنانچہ آپ کی دعا برکت سے اللہ تعالی نے اسے نجات دے دی۔مگر پھر وہ گناہ کی نیت سے آپ کی طرف بڑھا تو دوبارہ اسے قدرت نے پکڑا اور پہلے سے بھی شدید گرفت کی پھر اس نے لجاجت اور انکساری سے کہا۔سارہ اب کی بار اپنے رب سے دعا کر کے مجھے نجات دلا دے۔میں ہرگز تجھے اذیت نہیں دوں گا۔بہرحال آپ نے دعا فرمائی اللہ تعالی نے پھر اسے معاف کر دیا۔بادشاہ درباریوں سے کہنے لگا یہ تو کوئی جن ہے۔(وہ لوگ جنوں کی عظمت کے قائل اور معتقد تھے) ان کی خدمت گزاری کے لیے ہاجرہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا جب سارہ واپس آئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے۔آپ نے انہیں خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالی نے ظالم کے مکر وفریب سے نجات مرحمت فرمائی اور اس نے ہاجرہ کو ہماری خدمت کے لئے سپرد کر دیا ہے۔[1]

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حضرت سارہ کو جب حضرت ہاجرہ انعام کے طور پر بطور خدمت پیش کی گئی تو حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں حضرت ہاجرہ کو دے دیا۔[2]

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ کو ہمراہ لے کر فلسطین واپس تشریف لائے۔پھر اللہ تعالی نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے ایک فرزند ارجمند اسماعیل عطا فرمایا۔لیکن اس پر حضرت سارہ کو جو بے اولاد تھیں بڑی غیرت آئی اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجبور کیا کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو ان کے نوزائیدہ بچے سمیت جلاوطن کر دیں حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہ کی بات ماننا پڑی اور حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر حجاز تشریف لے گئے اور وہاں ایک بے آب وگیاہ وادی میں بیت اللہ شریف کے قریب ٹھہرا دیا۔اس وقت وہاں بیت اللہ نہ تھا صرف ٹیلے کی طرح ابھری ہوئی زمین تھی۔

سیلاب آتا تھا تو دائیں بائیں سے کترا کر نکل جاتا تھا۔ وہیں مسجد الحرام کے بالائی حصے میں زمزم کے پاس ایک بہت بڑا درخت تھا۔ آپ نے اسی درخت کے پاس حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو چھوڑا تھا۔ اس وقت مکہ میں نہ پانی تھا اور آدم اور نہ آدم زاد۔

اسی بات کو محمد عبداللہ المعبود ''تاریخ مکہ'' میں اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی رفیقہ حیات اور فرزند دل بند کو زم زم والی جگہ پر ایک درخت کے نیچے بٹھا دیا اور استراحت کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے واپس چل پڑے۔ اس وقت تک وہاں نہ کوئی انسانی آبادی تھی۔ اور نہ ہی پانی کا کوئی نام ونشان پایا جاتا تھا اور نہ زندگی کی بقا کا کوئی ظاہری وسیلہ نظر آتا تھا۔

''لیس بمکة یومئذ احد ولیس بھا انسان''[۳]

مولانا صفی الرحمٰن رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک توشہ دان میں کھجور اور ایک مشکیزہ میں پانی رکھ دیا۔ اور اس کے بعد فلسطین واپس چلے گئے لیکن چند ہی دنوں میں کھجور اور پانی انتہاء کو پہنچ گیا، اور سخت مشکل پیش آئی لیکن اس مشکل وقت پر اللہ کے فضل سے زمزم کا چشمہ پھوٹ پڑا اور ایک عرصہ تک کے لیے سامان رزق اور متاع حیات بن گیا۔[۴]

الرحیق المختوم میں ہے:

کچھ عرصے بعد یمن سے ایک قبیلہ آیا جس کو تاریخ میں جرہم ثانی کہا جاتا ہے۔ یہ قبیلہ حضرت اسماعیل کی ماں سے اجازت لے کر مکہ میں ٹھہر گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قبیلہ پہلے مکہ کی گردوپیش کی وادیوں میں سکونت پذیر تھا صحیح بخاری میں اتنی صراحت موجود ہے کہ (رہائش کی غرض سے) یہ لوگ مکہ میں حضرت اسماعیل کی آمد کے بعد اس وادی سے ان کا گزر اس سے پہلے بھی ہوا تھا۔[۵]

قبیلہ بنو جرہم کی جس خاتون سے آپ کا عقد ہوا تھا اس کا نام علامہ مطب الدین نے عمارہ بنت سعید بن اسامہ بن اکیل تحریر کیا ہے۔[۶]

جبکہ علامہ مسعودی نے الجدا بنت سعد بیان کیا ہے۔[۷]

علامہ مسعودی رقمطراز ہیں:

''سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی پہلی بیوی کا نام الجدا بنت سعد تھا۔ ان کی بیان کردہ روایت کے مطابق جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے تو سلام پیش کیا مگر بہو نے سلام کا جواب نہ دیا آپ نے دریافت کیا کہ تو جواب ملا کہ وہ روزی کی تلاش کے لیے گئے ہوئے ہیں جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو بیوی نے کہا کہ ایک آدمی ابراہیم نامی آیا تھا جو آپ کی والدہ ہاجرہ کے متعلق دریافت فرما رہا تھا آپ نے دریافت کیا کہ پیغام وغیرہ نہیں دیا تو اس نے کہا وہ کہہ گئے تھے کہ گھر کی چوکھٹ بدل لینا۔[۸]

محمد عبداللہ المعبود تاریخ مکہ میں لکھتے ہیں کہ عمارہ کی علیحدگی کے بعد سیدنا اسماعیل نے اس قبیلہ سے ایک دوسری عورت سیدہ بنت مضاض بن عمرو جرہمی سے عقد کیا۔

حضرت اسماعیل کی دوسری بیوی جن کا نام السیدہ بنت مضاض بن عمرو جرہمی تھا، ان سے آپ کا خاندان تشکیل پایا اور اس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسب ذیل اولاد عطا فرمائی۔ نابت، قیدار، واصل، میاس، آزر، طیما، نبش،[۹]

گویا سیدنا اسماعیل کے حوالے سے گفتگو اور بحث کا مقصد یہ ہے کہ خاندان اس طرح تشکیل پاتے ہیں جس طرح حضرت اسماعیل کا خاندان قبیلہ جرہم کی ایک دوشیزہ سے شادی ہونے کے بعد تشکیل پایا اور اس سے ایک نہیں کئی معاشرے وجود میں آئے جو عصر حاضر میں

بیت اللہ وحرم کے گردوپیش رہائش پذیر ہیں الغرض اس سے ثابت ہوا کہ خاندان معاشرے کا بنیادی یونٹ ہیں۔

# اسلامی معاشرے میں خاندان کا کردار

خاندان ایک اہم سماجی ادارہ ہے جو فرد کے ساتھ معاشرے کے لیے بھی مشترکہ طور پر کام کرتا ہے۔ممتاز ماہر عمرانیات جارج پیٹر مرڈاک کے مطابق ایک خاندان دراصل رفاقتوں کے فروغ کے لیے بنیادی وسیلہ ہے جو نئے افراد کو مشترک سماجی قدریں اور روایات سکھا کر معاشرے کی ثقافت میں رفیق کار بنالیتا ہے خاندان نکاح کے معاہدے کے ذریعے سماجی نظم اور عام اتفاق رائے کو برقرار رکھنے میں معاشرے کے افراد کو کنٹرول کرتا ہے۔

اسلامی اصولوں کے مطابق ایک کنبہ اور خاندان اگر چہ ایک مرد اور عورت کے درمیان نکاح کے بدھن اور پھر ان کے بچوں سے وجود میں آتا ہے لیکن اس میں شوہر کے والدین اور خونی رشتے کے غیر شادی شدہ عزیز بھی شامل ہوکر ایک وسیع کنبے کو تشکیل دیتے ہیں معاشرے میں جنسی بے راہروی کو روکنے کے لیے اسلام نہ صرف نکاح کی حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ اس نے بعض رشتوں کو محرمات میں سے شمار کیا ہے جہاں ایک مرد اور عورت کے درمیان نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''تم پر حرام کی گئیں ہیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھانجیاں، بھتیجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تماری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جنھوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہو ان بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا زن وشوہر ہو چکا ہے۔ورنہ اگر صرف نکاح ہوا ہو اور تعلق زن وشوہر نہ ہوا ہو تو انہیں چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور تمہاری ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب سے ہوں اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو مگر جو ہو چکا ہے اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اور تم پر وہ عورتیں بھی حرام ہیں جو کسی دوسرے کے نکاح میں (محصنات) ہوں۔''[10]

قرآن کریم میں نکاح کو ایک مقدس تعلق قرار دیا گیا ہے:

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللهُ أَعْلَمُ بِإِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ أَخْدَانٍ﴾[11]

''اور بعض عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہوں البتہ ایسی عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں جو (جنگ میں) تمہارے ہاتھ آئیں یہ اللہ کا قانون ہے جس کی پابندی تم پر لازم ہے۔ان کے ماسوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اموال کے ذریعے سے حاصل کرنا

تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے بشرطیکہ حصار نکاح میں ان کو محفوظ رکھو .نہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو پھر جو ازدواجی زندگی کا لطف تم ان سے اٹھاؤ اس کے بدلے میں ان کے مہر بطور فرض کے ان کو ادا کرو البتہ مہر کی قرارداد ہو جانے کے بعد آپس کی رضامندی سے تمہارے درمیان اگر کوئی سمجھوتا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج والی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ علیم اور دانا ہے اور جو شخص تم میں سے اتنی قدرت نہ رکھتا ہو کہ خاندانی مسلمان عورتوں (محصنات) سے نکاح کر سکے اسے چاہیے کہ تمہاری ان لونڈیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کر لیے جو تمہارے قبضہ میں ہوں اور مومنہ ہوں اللہ تمہارے ایمانوں کو خوب جانتا ہے تم سب ایک ہی گروہ کے لوگ ہو لہٰذا ان کے سرپرستوں کی اجازت سے ان کے مہر ادا کر دو تا کہ وہ حصار نکاح میں محفوظ (محصنات) ہو کر رہیں آزاد شہوت رانی نہ کرتی پھریں اور نہ چوری چھپے آشنائیاں کریں۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں کسی قسم کی غیر قانونی اور خفیہ جنسی تعلقات سختی سے منع کیے گئے ہیں نئی نسل کی تربیت اور عورتوں کے حقوق کا تحفظ ایسے دو پہلو ہیں جن پر اسلام کے معاشرتی نظام میں بہت زیادہ زور دیا گیا ہے ۔اسلام غیر قانونی تعلق کو ایک ایسا اذیت ناک وسیلہ سمجھتا ہے جو بچوں کو مشکوک حسب ونسب عطا کرتا ہے اس صورت میں بچے کی پیدائش کے بعد معاشرے میں تمام ذمہ داری عورت پر آ جاتی ہے جس سے توقع کی جاتی ہے کہ بحیثیت اکیلی ماں ایسے بچوں کی تربیت کرے گی پھر ایسے بچوں کا مستقبل غیر مستحکم تعلقات میں بسر ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اس طرح کا ایک چکر چلتا رہتا ہے اسلام ایک مرد اور عورت کے تمام جنسی تعلقات کو اس کے اپنے نکاح تک محدود کرتا ہے ایسے تعلقات کو خود اپنے خاندان کے بہت قریبی رشتہ داروں کے درمیان ممنوع قرار دیتا ہے اس کے نظام میں تمام تعلقات کی بنیاد تقوی اور خدا ترسی ہے خاندان سے باہر غلط طریقے سے تکمیل خواہشات کے تمام رابطوں پر پابندی لگانے کے لیے اسلام پاکدامنی ،حجاب ،نگاہوں کو نیچا رکھنے اور روزے رکھنے پر زور دیتا ہے ۔اور اشتراکیت عمل کا ایسا مرکز ہے جہاں آنے والی نسلوں میں درست دینی علوم اور اعلیٰ اقدار راسخ کی جاتی ہیں۔ یہ بات شک وشبے سے بالا ہے کہ خاندان میں قیادت اور سرپرستی مردوں کو سونپی گئی ہے لیکن یہ خاندان کے افراد کی معاشی امداد کے ساتھ ساتھ اضافی ذمہ داریاں ہیں نہ کہ وسیع اختیارات کا مطلق العنان منبع ومصدر۔ اسی طرح یہ حقیقت تسلیم کرنے کے باوجود کہ عورتوں کا دائرہ کار گھر کے کاموں اور بچوں کی نگہداشت ہی ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عورتیں خاندان کی ساخت میں ایک گھٹیا اکائی یا کم درجے کے وجود ہیں اللہ تعالیٰ کی نظر میں مردوں اور عورتوں کے حقوق برابر ہیں تاہم مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ بڑائی سے پیدا کرنے کا مقصد اس پر اضافی ذمہ داریاں ڈالنا ہے نہ کہ انہیں اضافی حقوق سے نوازنا ہے خاندان کو ایک چھوٹے درجے کی جمہوریت سمجھنا چاہیے تا کہ یہ جمہوریت ملک کے سیاسی نظام میں بڑے درجے پر اپنا درست عکس دکھا سکے ۔مردوں کے قوام ہونے کا درجہ ایک جابر، ظالم ،اور منہ زور ڈکٹیٹر کے مترادف بن جانے کے لیے نہیں دیا گیا کہ اپنے خاندان کی عورتوں پر جیسے چاہے حکومت کرے۔

آج تک اسلام کا تصور خاندان کسی تنازعے کی وجہ نہیں بنا اس کی وجہ یہ ہے کہ تعلقات کی تعیین کے بارے اس کے عام اصولوں کو وسیع مسلم معاشروں میں قبول کیا گیا۔اور مسلمان گھرانوں میں ان کا مؤثر نفاذ کیا گیا ہے تاہم معاصر دنیا میں سوالات اٹھائے گئے وہ یا تو ان اصلاحی تعلیمات سے عدم واقفیت کی وجہ سے ابھرے ہیں ۔یا پھر کچھ برائے نام مسلمان لوگوں کے رویوں کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ بے خبری میں انہیں اسلامی تعلیمات کے مترادف سمجھ لیا گیا ہے ۔اس طرح وہ لوگ جو خاندان کے بارے میں اسلام کی حقیقی تعلیمات سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں انہوں نے ان گھرانوں میں عورتوں کے ساتھ زیادتیوں کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام پر الزامات لگانے شروع کر دیئے ہیں۔

الغرض اللہ تعالیٰ تمام بنی نوع انسانیت کو خاندان کے نظام سے منسلک کر دیا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ اس انداز میں بیان فرماتے ہیں:

﴿يَأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾ ۱۲

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا ہے اور اس سے اس کی بیوی کو پیدا فرمایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتوں کو (زمین) پھیلایا۔''

اور سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۶ بھی اس مذکورہ مفہوم کو بیان فرما رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو خاندان سے منسلک فرما دیا ہے اس کے استنباط کو مزید تقویت اس بات سے ملتی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم اپنے والدین کی اطاعت کریں ان سے نرمی و محبت سے پیش آئیں ساتھ ہی ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے اقرباء اور رشتہ داروں کے ساتھ بھی محبت و شفقت سے پیش آئیں اللہ رب العزت اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہم خاندانی بندھن میں بندھے ہوئے رہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ معاشرے کی فلاح و بہبود اس میں ہے کہ خاندانی نظام کو تحفظ دیا جائے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ غیر ضروری نہیں ہے کہ سماجی گروہوں کی حفاظت جبلی طور پر ہر انسان میں موجود ہے۔ خاندانی نظام اور معاشرہ گروہ یا جماعت کے ہر فرد کے لیے بنیادی ضرورت ہے اور اگر کوئی فرد اس بات کا دعوٰی کرے کہ وہ خود مختار ہے اور اسے (مرد اور عورت) اپنی مرضی سے اپنی راہ پر چلنا ہے اور وہ اپنی خوشیوں اور خواہشات کی قربانی دینے کا جذبہ اپنے اندر نہیں رکھتا یا رکھتی۔ تو معاشرے شدید بدامنی و بدنظمی کی وجہ سے ایک دم بھک سے اڑ جائیں گے۔ اگر کوئی شخص اپنے حقوق سے لطف اور مستفید ہونا چاہتا ہے تو اسے دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنا ہوگا یاد رہے کہ جہاں ایک فرد کے حقوق کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے دوسرے فرد کے حقوق کا آغاز ہوتا ہے اگر پورا خاندان ایک دوسرے کے حقوق کا خیال کرے گا تو صالح معاشرہ وجود میں آئے گا بلکہ ترقی کی منازل طے کرے گا۔ اسلامی معاشرہ میں خاندان کا کردار اظہر من الشمس ہے کہ والدین اپنے بچوں کے حقوق کو بطریق احسن ادا کرتے ہیں اور پھر لڑکی کے نکاح میں مناسب اس کے شوہر کا انتخاب پھر اس کے نکاح میں حق مہر کا مقرر کرتے ہیں تا کہ شوہر اسے معمولی سمجھتے ہوئے اس کے حقوق ادا کرنے سے کنارہ کش نہ ہو جائے اور جہاں چاہے زندگی کے لمحات بسر کرتا پھرے۔

اسی طرح اسلامی معاشرہ میں خاندان یہ کردار ادا کرتا ہے کہ لڑکی کو خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اسے وراثت کا حق فراہم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ ۱۳

گویا اسلامی معاشرہ میں اس طرح کی بے شمار چیزوں کا خیال کیا جاتا ہے اور یہ اسلامی مذہبی بلکہ دینی خاندان ہی کے ذریعے اعلیٰ کردار ادا کیا جاتا ہے جس کو اقوام عالم رشک کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔

اس پر مسٹر جسٹس آفتاب حسین Status of women in islam میں لکھتے ہیں:

"Islam placed women and on the same footing an ecanomic independence, propaty nights and legal process. She might follow any ligitimate. profession keep her earnings, inherit property and dispose of will. ۱۴

''اسلام نے مرد اور عورت کو معاشی آزادی، مالی حقوق اور قانونی طریق کار میں مساوی درجہ دیا ہے وہ کوئی بھی جائز پیشہ اختیار کرسکتی ہے وہ اپنی آمدنی کی مالک بن سکتی ہے وراثت میں حصہ پاسکتی ہے اور اپنی مرضی سے اپنی ملکیت کا تصرف کرسکتی ہے۔''

Encyclopaedia of Religion and Ethice میں ہے۔

It is said that two women are proved to be equal to the male by the principle of inheritance in the male line generally has been the rule. The Quranic legislating giving the daughter half as much of the estate as went to a son was an inovation. ۱۵

وراثت کے قاعدے کی رو سے دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر حصہ ملے گا۔ مرد کے خاندان میں وراثت کا اصول کارفرما رہا ہے قرآن نے ایک بالکل نیا تصور دیا ہے کہ دو بیٹیوں کو ایک بیٹے کے برابر حصہ ملے گا۔

اس پر محمد رضا رشید لکھتے ہیں:

"وحكمه جعل نصب المرأة نصف نصب الرجل لأن شرع الإسلامى أوجب على الرجل ان ينفق على المرأة فهذا يكون نصب المرأة مساويا لنصب الرجل تارة وزائدة عليه تارة اخرى باختلاف الأموال"۱۶

مرد کے مقابلے میں عورت کا حصہ نصف ٹھہرانے کی حکمت یہ ہے کہ شریعت اسلامی میں عورت کے حصے کا خرچ مرد کے ذمہ ڈال دیا ہے اس طرح مختلف اموال میں بعض اوقات یہ مرد کے مساوی ہوتی ہے اور کبھی اس سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ بغیر کسی محنت کے نصف حصہ میں بھی وراثت کی حقدار ہوتی ہے اس طرح شوہر سے اسے مہر ملتا ہے وہ ان زیورات اور تحفہ تحائف کی بھی مالک ہوتی ہے جو شادی یا خوشی کے دیگر مواقع پر اسے دیئے جاتے ہیں یہ سب کچھ اس کا محفوظ سرمایہ ہے۔ ۱۷

الغرض اسلامی معاشرے میں خاندان اس قدر اعلیٰ کردار ادا کرتا ہے کہ جس قدر اپنے آپ کو تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ کہنے والا اور اپنی ترقی پر فخر کرنے والا مغربی خاندان بھی اعلیٰ کردار ادا نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ان کا خاندان غیر اسلامی ہونے کی بنا پر اپنی موت خود مر چکا ہے اور ان کی خاندانی تہذیب اور ترقی حقیقت میں خاندانی تنزلی ہے کیونکہ وہ خاندان کے کسی فرد کے حقوق کو پامال کرتے ہیں تو ان کا خاندان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور عورتیں آزادی کے نام پر فحاشی و عریانی کو فروغ دے رہی ہیں جبکہ اسلام ان تمام برائیوں سے اجتناب کا درس دیتا ہے اور ہر ایک کے حقوق کو پورا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں خاندان کے بہترین کردار کو کوئی غیر معاشرہ چیلنج نہیں کرسکتا ہے۔

⦿..........⦿..........⦿

# حوالہ جات

(۱) صحیح بخاری، باب قول اللہ تعالی واتخذاللہ: ۸۴۷۴
(۲) صحیح بخاری، باب قول اللہ تعالی وتخذاللہ:۸۴۷۴
(۳) محمد عبد المعبو د ،تاریخ المکۃ المکرمۃ، مکتبہ رحمانیہ ، لاھور،س ن :۷۷
(۴) الرحیق المختوم:۴۶
(۵) الرحیق المختوم:۴۶
(۶) اعلام الاعلام: ۳۵
(۷) المسعودی ، مروج الذھب، تحقیق ، محمد محی الدین ، مطبعۃ السعادۃ القاھرہ:۱۹۶۴ء ۴۲/۲
(۸) مروج الذہب ۴۲/۲
(۹) مروج الذہب۲۷/۲
(۱۰) النساء:۲۳
(۱۱) النساء:۲۴،۲۵
(۱۲) النسآء:۴،۱
(۱۳) النساء:۱۱
(۱۴) Status of women in Islam page:464
(۱۵) Encyclopaedia of Religion and Ethies vol. vii inheritance page No;306)
(۱۶) رشید رضا ، محمد ، حقوق النسآء فی الاسلام، المکتب الاسلامی ، بیروت،۱۹۸۴ء،۲۱
(۱۷) عورت اسلامی معاشرے میں:۸۰

# اختتامیہ

دنیا میں آنکھ کھولنے والا ہر انسان اپنے دائیں اور بائیں چند افراد کو دیکھتا ہے، ان کے طور طریقے، عادات اور رسوم و رواج کو وہ اپنا لیتا ہے۔ یہ افراد اس کا خاندان کہلاتے ہیں۔ خاندان مل کر ایک قوم، قبیلہ اور برادری بن جاتے ہیں اور قبائل کے ملنے سے ایک معاشرہ تشکیل پاتا ہے، اس طرح افراد، خاندان اور معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔

ہر معاشرہ اپنے عقائد ونظریات کی بنیاد پر اپنا خاندانی نظام تشکیل دیتا ہے۔ اسلام نے خاندانی نظام کے ہر پہلو کو پوری شرح وبسط کے ساتھ واضح کیا ہے۔ کیونکہ خاندان ہی وہ بنیادی یونٹ ہے جس سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اور کسی بھی معاشرے کی ترقی کا انحصار اس کے ہر فرد کے اپنی جگہ صحیح کام کرنے پر ہے۔ صحیح کام کا تعین وحی الٰہی کرتی ہے۔ جو کہ قرآن وسنت کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی عملی صورت بھی ہمارے سامنے پیش فرمائی ہے۔ وحی الٰہی کے بغیر انسانی فکر اور کاوشوں سے تشکیل پانے والا معاشرہ خود انسانی سوچ کی طرح ناقص اور نامکمل ہے۔ اس وقت دنیا جس ذہنی اور عملی انتشار کا شکار ہے۔ اس کا سبب وحی الٰہی پر انسانی فکر کو مقدم کرنا ہے۔ اور عملی صورت میں مغرب اور یورپ کا معاشرہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ جو سائنسی طور پر مثالی حیثیت کا حامل اور معاشرتی طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔

اسلامی معاشرہ اس وقت ترقی پذیر دور سے گذر رہا ہے۔ ٹیکنالوجی کے اعتبار سے اسے زیادہ تر غیر مسلموں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ اس کا ایک نقصان یہ بھی ہو رہا ہے کہ مسلمان دنیا کے اکثر معاملات میں مغرب کی نقالی کر رہے ہیں۔ وہاں سے اگر ٹیکنالوجی آ رہی ہے تو وہاں کا معاشرتی بگاڑ بھی ہم پر حملہ آور ہے۔ ایسے میں ہمارا شاندار اور مثالی خاندانی نظام خطرے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے خاندانی نظام کی اسلامی روایات کو شعوری طور پر اختیار کریں۔ اس مقالے میں اسلامی خاندانی نظام کا ڈھانچہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہمیں اپنے تعلیمی نصاب میں خاندانی نظام کے تمام اجزاء کو بتدریج داخل کرنا ہوگا اور اس کی افادیت کو ہر فورم پر اجاگر کرنا ہے۔ تاکہ ہمارا خاندانی نظام بچ سکے اور مستحکم ہو سکے۔

اس مقالے میں خاندان اور معاشرے کا تعارف، خاندان تشکیل پانے کے سبب نکاح کے احکامات بیان کیے گئے ہیں۔ کامیاب خاندان کے لئے اس کے ہر فرد کا صحیح کام کرنا ضروری ہے۔ اس لیے ایک فرد کے تمام پہلوؤں کو مختلف جہات سے واضح کیا گیا ہے۔ جس کی معرفت سے ہر فرد کو اپنی حیثیت اور ذمہ داری کا علم ہوگا۔ پھر یہ محض حقوق وفرائض کے تعین کا کام نہیں ہے بلکہ وہ عمومی اصول اور ضابطے بیان کیے گئے ہیں جن پر ایک اسلامی خاندان کا نظام استوار ہے۔ پھر خاندان کے معاشرے پر اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔

یہ مقالہ خاندانی نظام کے خدوخال پر ایک اہم باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس موضوع کا حق ادا کرنے کا دعوی تو نہیں کیا جا سکتا البتہ کوشش ضرور ہے۔ اس کی روشنی میں تنزلی کی طرف رواں دواں معاشرے کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کیا جا سکتا ہے۔ جس سے امت مسلمہ عروج حاصل کر سکتی ہے اور غیر مسلموں کو دعوت فکر دی جا سکتی ہے کہ وہ بھی اسلام کے سنہرے اصولوں پر چلتے ہوئے دو جہانوں کی کامیابیاں سمیٹ سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ ایک ادنی سی کوشش ہے۔ اصل محنت تو علمائے سلف نے فرمائی ہے۔ جن کو اللہ تعالی کی توفیق سے یہ علم محفوظ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، اللہ تعالی انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ ہماری اس کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے اور اس مقالے کو امت کے لئے نفع مند بنائے۔

# مصادر و مراجع

* القرآن الکریم
* ابراھیم انیس ورفاقه:المعجم الوسیط ، طبع قاھره، الطبعة الثانیة ، ۱۹۷۲ء
* ابن الملك عز الدین عبد اللطیف ، مشارق الانوار، المکتبه الاثریه، سانگله ھل ، س ن
* ابن ابی دنیا ، مکارم الاخلاق ، المانیه ، ۱۹۷۳ء
* ابن الاثیر ، مبارك بن محمد الجزری ، النھایةفی غریب الحدیث ، تحقیق طاھر احمد الزاوی ، دارالفکر ، بیروت ۱۳۹۹ھ - ۱۹۷۹ء
* ابن العربی ، عارضة الاحوذی، دار الوحی المحمدی ، س ن
* ابن أبی شیبة، عبد الله بن عمر بن أبی شیبة إبراھیم بن عثمان: الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، تحقیق کمال یوسف الحوت ، دار الفکر ، بیروت، ۱۹۸۳ء
* ابن باز، صالح العثیمین، فتاویٰ اسلامیه، مترجم محمد خالد سیف ، دار السلام، الریاض، س ن
* ابن باز ، مجموع فتاویٰ ، الرئاسة العامة للبحوث العلمیة ، الریاض ، ۱٤۲٦ھ - ۲۰۰۵ء
* ابن تیمیه ، الاختیارات ، اختارھا أبو الحسن علی ابن عباس ، تحقیق ، محمد حامد الفقی ، دار المعرفة ، بیروت ، س ن
* ابن تیمیة ، احمد بن عبد الحلیم : مجموع الفتاوی، جمع عبد الرحمن القاسم ، مجمع الملك فھد، مدینة منورة ، ۱٤۱٦ھـ ـ ۱۹۹۵ء
* ابن حبان، ابو حاتم البستی: صحیح ابن حبان، تحقیق عبد الرحمن محمد عثمان، المکتبة السلفیة، مدینة المنورة، ۱۹۷۰ء
* ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی:فتح الباری شرح صحیح البخاری، دارنشر الکتب الاسلامیه، لاھور، ۱۹۸۱ء
* ابن حجر عسقلانی ، احمد بن علی: تلخیص الحبیر، المدینة المنورة، ۱۳۸٤ھـ۱۹٦٤ء
* ابن حجر عسقلانی ، الاصابه فی تمیزالصحابه، دار الکتب العلمیة ، بیروت ، ۱٤۱۵ھ - ۱۹۹۵ء
* ابن حزم، علی بن احمد بن سعید:المحلی، الطبعة الثانیة، طبعة النھضة ، مصر
* ابن خزیمه السلمی، محمد بن اسحاق بن خزیمه: صحیح ابن خزیمة، تحقیق: محمد الأعظمی، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱٤۰۰ھـ
* ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد : مقدمة ابن خلدون، دار الجلیل، بیروت
* ابن سعد ، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ ، دار صادر ، بیروت ، س ن :٦/ ۱۱۲

٭ ابن عا شو ر ، محمد الطاهر تفسیر التحریروالتنویر، مکتبة العلوم والحکم ، مدینه منورة ، س ن

٭ ابن فارس، أبو الحسن أحمد: معجم مقاییس اللغة ، تحقیق: عبدالسلام هارون، دار الفکر

٭ ابن قدامه المقدسی ، ابی محمد عبد الله بن احمد ، المغنی ، هجرللطباعة والنشر، القاهره، ١٤١٢ه-١٩٩٢ء

٭ ابن قدامه المقدسی ، المغنی والشرح الکبیر، مطبعة المنار ، مصر ، ١٣٤٦ه ٩/ ٢٠٤

٭ ابن قیم الجوزیة: اعلام الموقعین عن رب العالمین، تحقیق: عبد الرحمن الوکیل، دار الکتب الحدیثة، القاهرة

٭ ابن قیم الجوزیة، اغاثة اللهفان فی مصاید الشیطان ، تحقیق:محمد عفیفی ، المکتب الاسلامی ٨بیروت ، ١٤١٩هـ – ١٩٩٨ء

٭ ابن قیم الجوزیة، بدائع الفوائد، دار الکتاب العربی ، بیروت ، س ن

٭ ابن قیم الجوزیة، تحفة المو لود باحکام المولود، مکتبة الدعوة الاسلامیة ، فیصل آبا د

٭ ابن قیم الجوزیة، تهذیب السنن، تحقیق ، محمد حامد الفقی ، مکتبة السنة المحمدیة ، لاهور، ١٣٦٧هـ

٭ ابن قیم الجوزیة، محمد بن ابی بکر:زاد المعاد فی هدی خیر العباد، مؤسسة الرسالة، بیروت، ١٩٩٤ء

٭ ابن کثیر ، ابو الفدا ء اسماعیل دمشقی، سیرت النبیﷺ ، مترجم ، هدایت الله ندوی ، مکتبه قدوسیه، لاهور، ١٩٩٦ء

٭ ابن کثیر، ابو الفداء، اسماعیل دمشقی: تفسیر ابن کثیر، المکتبة المؤسسة الریان، الطبعة الاولیٰ، ١٤١٦ هـ

٭ ابن منظور، افریقی:لسان العرب ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٩٨٨ء

٭ ابن هشام ، سیرت ابن هشام (اردو)، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاهور ، ١٩٦٢ء

٭ ابن همام ، کما ل الدین محمد بن عبد الواحد ، شرح فتح القدیر، دار عالم الکتب ، الریاض ، ١٤٢٤ه – ٢٠٠٣ء

٭ ابو الحسن محمد بن عبد الهادی ، سنن المصطفیٰ حاشیه السندی علی ابن ماجه، مطبعة التازیة، مصر

٭ ابو الاعلی مودودی ، حقوق الزوجین، اسلامك پبلی کیشنز، لاهور، ١٩٧٢ء

٭ ابو الاعلی مودودی، تفهیم القرآن، ترجمان القرآن ، لاهور ، ١٩٧٣ء

٭ ابو بکر بن سنی ، عمل الیوم واللیة، دار المعرفة ، بیروت ، س ن

✳ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی:سنن ابو داود، المکتبة الاثریه، باکستان، الطبعة الثانیة، ۱۳۹۹ھ

✳ ابو علی القالی ، کتاب الأمالی ، دار الکتاب العربی ، بیروت ، س ن

✳ ابی عبد الله محمد بن عبدالرحمن ، رحمة الأمة فی اختلاف الائمة، قطر، ۱٤۰۱ء- ۱۹۸۱ء

✳ احمد بن حنبل:مسند احمد بن حنبل، المکتب الاسلامی، بیروت

✳ احمد بن حنبل ، مسنداحمد حاشیه احمد شاکر، دار الحدیث ، القاهره ، ۱٤۱٦ـ۱۹۹٥ء

✳ احمد بن عبد الرزاق ، فتاویٰ اللجنة الدائمة، لرئاسة العامة للبحوث العلمیة ، الریاض ، ۱٤۲٦ھ - ۲۰۰٥ء

✳ احمد علی سعید ، سید ، اسلام اورعورت، اداره اسلامیات ، لاهور، ۱۹۹۷ء

✳ اصبهانی ، ابو نعیم احمد بن عبدالله ، حلیة الاولیاء فی طبقات الاصفیا ء، دار الکتاب العربی، بیروت ، ۱٤۰۷ھ - ۱۹۸۷ء

✳ اصلاحی ، امین احسن ، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن ، لاهور، ۱۹۹۹ء

✳ اصلاحی، امین احسن ، ا سلامی معاشره میں عورت کا مقام، فاران فاؤنڈیش ، لاهور ، ۱٤۱۷ھ - ۱۹۹٦ء

✳ اکبر خان نجیب آبادی، تاریخ اسلام، نفیس اکیڈمی ، کراچی ، ۱۹۷۱ء

✳ الاصبهانی ، ابو نعیم احمد بن عبد الله ، مسند ابی حنیفه، مجمع البحوث الاسلامیه ، اسلام آبا د، ۲۰۰۰ء

✳ الالبانی ، محمد ناصر الدین ، السلسلة الصحیحه، مکتبة المعارف ، الریاض ، ۱٤۱۷ھ - ۱۹۹٦ء

✳ الالبانی ، محمد ناصر الدین ، صحیح الجامع، مکتب الاسلامی ، بیروت ، ۱٤۰٦ھ - ۱۹۹٥ء

✳ الالبانی ، محمد ناصر الدین ، ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۳۹۹ھ -۱۹۷۹ء

✳ الالبانی ، محمد ناصرالدین ، احکام الجنائز و بدعها، المکتب الاسلامی ، بیروت ، ۱۹٦۹ء

✳ البانی، محمد ناصر الدین :صحیح الجامع الصغیر وزیادته ، المکتب الاسلامی، بیروت، الطبعة الثانیة، الطبعة الثانیة، ۱٤۰٦ھـ ۱۹۸٦ء

✳ البغوی ، حسین بن مسعود ، شرح السنة، مکتب الاسلامی ، بیروت ، ۱٤۰۳ھ - ۱۹۸۳ء

✳ البنا ، احمد عبد الرحمن ، الفتح الربانی، دار الحدیث ، القاهره ، س ن

✳ البهوتی ، منصور بن یونس ، کشاف القناع، وزارة العدل ، السعودیه ، س ن

* البیضا وی ، ناصر الدین ابو الخیر ، تفسیر البیضاوی ، وزارة تعلیم ، اسلام آباد ، ۱۹۸۷ء

* البیهقی ، ابو بکر احمد بن الحسین ، دلائل النبوة ، دار الکتب العلمیة ، بیروت ، ۱٤۰٥ھ - ۱۹۸٥ء

* البیهقی ، ابی بکر احمد بن حسین ، الجامع شعب الایمان ، دار الکتب العلمیة ، بیروت ، ۱٤۱۰ھـ ـ ۱۹۹۰ء الطبعة الاولی

* البیهقی ، أبو بکرأحمد بن الحسین : السنن الکبری مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة ، الهند ، ۱۳٤٤ھـ

* التبریزی ، ولی الدین محمد بن عبد الله مشکوة المصابیح بتحقیق الألبانی ، مکتب الاسلامی ، بیروت ، ۱۳۸۱ ھـ ـ ۱۹٦۱ء

* الترمذی ، ابو عیسی محمد بن عیسی:جامع الترمذی ، دار السلام ، الریاض ، الطبعة الاولی ، ۱٤۱۷ھـ

* الحاکم النیسابوری ، أبی عبد الله محمد بن عبد الله :المدخل إلی علم الصحیح ، تحقیق:ربیع بن هادی عمیر ، مؤسسة الرسالة ، بیروت ، الطبعة الاولی ، ۱٤۰٤ھـ

* الحسینی ، تقی الدین ابو بکر بن محمد ، کفایة الاخیار فی حل غایة الاختصار ، اداره احیاء التراث الاسلامی ، قطر ، س ن:۲/ ۸۷ـ۸۸

* الحمیدی ، عبد العزیز بن عبد الله ، تفسیر ابن عباس ، جامعة ام ا القریٰ ، مکة مکرمة ، س ن

* الخازن ، علاء الدین علی بن محمد بن ابراهیم البغدادی: تفسیر الخازن ، دار الکتب العلمیة ، بیروت ، الطبعة الاولی ، ۱٤۱٥ھـ ۱۹۹٥م

* الخرافی ، عبدالمحسن عبد الله ، الموسوعة الأسرة ، اللجتة الاستشاریة العلیا ، کویت ، الطبعة الاولی ، ۱٤۲٤ھـ- ۲۰۰۳ء

* الخرافی ، عبدالمحسن عبد الله ، الموسوعة الأسرة ، اللجتة الاستشاریة العلیا ، کویت ، الطبعة الاولی ، ۱٤۲٤ھـ- ۲۰۰۳ء

* الخوارزمی ، ابی المؤید محمد بن محمود ، جامع المسانید ، المکتبة الاسلامیة ، سمندری ، س ن

* الدار قطنی ، علی بن عمر :سنن دار قطنی ، تصحیح:عبد الله هاشم یمانی ، دار المحاسن ، قاهره

* الدارمی ، عبد الله بن عبد الرحمن:سنن دارمی ، شرکة الطباعة الفنیة المتحدة ، ۱۹٦٦ء

* الذهبی ، شمس الدین محمد بن عثمان ، سیراعلام النبلاء ، مؤسسة الرسالة ، بیروت ، ۱۹۸٦ء

* الرازی ، فخر الدین ، التفسیر الکبیر ، دار الکتب العلمیة ، طهران ، س ن

* الزبیدی، محمدمرتضی :تاج العروس، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹٤
* الزیلعی ،جمال الدین أبی محمد عبد الله بن یوسف:نصب الرایة لأحادیث الھدایة، مطبعة دار المامون الطبعة الاولی، ۱۳۵۷ھـ ۱۹۳۸ء
* السخاوی ،ابی عبد الله محمد عبد الرحمن ،فتح المغیث ،وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیه، السعودیه ، ۱٤۲٤ھ-۲۰۰۳ء
* السمر قندی ، علاء الدین ، تحفة الفقھاء، اداره احیاء التراث الاسلامی ، قطر، س ن
* السیوطی ، جلال الدین ، الدرالمنثور فی تفسیر الماثور ، دار المعرفة ، بیروت ، س ن
* الشافعی، محمد بن ادریس:الرسالة، المکتبة العلمیة، بیروت
* الشافعی، محمد بن ادریس : کتاب الام ، دار الباز النشر والتوزیع، مکة مکرمة، س ن
* الشربینی ، شمس الدین محمد بن خطیب مغنی المحتاج ، دار المؤید ،الریاض ، ۱٤۱۸ھ - ۱۹۹۷ء، ۳/ ٤۱۸
* الشوکانی، محمد بن علی:نیل الاوطار، دار الجیل، بیروت، ۱۹۷۳ء
* الشیبانی ، ابو عبد الله محمد بن حسن ، مؤطا امام محمد، مترجم :حافظ نذر احمد ، مسلم اکادمی ، لاھور ، ۱۹۸۳ء
* الصنعانی ، ابو بکر عبد الرزاق ، المصنف، المکتب الاسلامی ، بیروت ، ۱۳۹۲ھ- ۱۹۷۲ء
* الطبرانی ،ابی القاسم سلیمان بن احمد ،المعجم الکبیر ،وزارة الاوقاف ، عراق ، ۱٤۰۰ھ - ۱۹۸۰ء
* الطبرانی ،ابی القاسم سلیمان بن احمدمعجم الصغیر، دار الفکر ، بیروت، ۱٤۰۱ھ- ۱۹۸۱ء
* الطبرانی ،ابی القاسم سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط، تحقیق محمود الطحان ، مکتبة المعارف، الریاض ۱٤۰۵ھـ- ۱۹۸۵ء ، الطبعة الاولی
* الطبری، ابی جعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آي القرآن (تفسیر طبری)، دار السلام، القاھرہ، ۱٤۲۹ھ-۲۰۰۸م
* الطحاوی ، ابو جعفر ، مشکل الأثار، دار صادر ، بیروت س ن
* الغزالی ، ابو حامد ، احیاء العلوم الدین ، دار الاحیاء الکتب العربیة ، مصر ، س ن
* الغزالی ، ابو حامد، مکاشفة القلوب، دار الکتب العلیمة ، بیروت ، ۱۹۹۲ء
* الفیروزآبادی، مجدالدین محمد بن یعقوب: القاموس المحیط، تحقیق: محمد نعیم العرقسوی، مؤسسة الرسالة، الطبعة الرابعة ، ۱٤۱۵ھـ ۱۹۹٤ء
* القرطبی، ابو عبد الله محمد بن احمد ، الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی )، مکتبة

غزالی، دمشق:

* القفال ،سیف الدین ابی بکر محمد بن احمد ،حلیة العلماء فی معرفة مذاهب الفقهاء، مکتبة الرساله ،عمان ،١٩٨٨ء
* المبارکفوری ، صفی الرحمن ، مکتبه سلفیه ، لاهور
* المباکفوری، عبد الرحمن بن عبد الرحیم : تحفة الأحوذی شرح جامع الترمذی، دار الکتب العلمیة، بیروت
* المراغی، احمد مصطفی، تفسیر المراغی، دار احیاء الثراث العربی ، بیروت، ١٩٧٦ء
* المزی، جمال الدین ابی الحجاج، تهذیب الکمال فی اسماء الرجال، مؤسسة الرسالة، بیروت، ١٤١٨ه - ١٩٩٨ء
* المسعودی ، مروج الذهب، تحقیق ، محمد محی الدین، مطبعة السعادة القاهره، ١٩٦٤ء
* المناوی ،محمد عبد الرؤف بن تاج الدین :فیض القدیرشرح جامع الصغیر ،دار المعرفة، بیروت ١٣٩١هـ
* المنجد، دار المشرق ، بیروت ، ١٩٧٣ء
* المنذری ،عبد العظیم بن عبد القوی ،الترغیب والترهیب، دار الفکر ،بیروت ،١٤٠١ه - ٩١٨١ء
* النسائی ،احمد بن شعیب ، سنن النسائی، دار السلام ، الریا ض، ١٩٩٩ء
* النووی، محی الدین یحییٰ بن شرف: مقدمه الامام النووی علی صحیح مسلم، دار المعرفة، بیروت، الطبعة الثانیة ١٤١٥هـ
* النووی، محی الدین یحییٰ بن شرف المجموع شرح المهذب ، المکتبة العالمیة فجاله، س ن
* الهیثمی، نو رالدین علی بن أبی بکر :مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، تصویر دار الکتاب العربی، بیروت، الطبعة الثالثة، ١٤٠٢هـ
* امیر علی ، سید ، تفسیر مواهب الرحمن، دینی کتب خانه ، لاهور، ١٩٧٧ء
* انجیل برناباس، مترجم محمد حلیم انصاری ، اداره اسلامیات ، کراچی ،٢٠٠٣ء
* اندلسی ، عبد ربه ، العقد الفرید، دار الکتاب العربی ، بیروت ١٣٨٥ه - ١٩٦٥ء
* انور شاه الکشمیری ، محمد :فیض الباری علی صحیح البخاري، خضر راه بك ڈپو، دیوبند، ١٩٨٠ء
* اورنگ زیب عالمگیر، فتاویٰ عالمگیری ،مترجم ، سید امیر علی ، مکتبه رحمانیه ، لاهور، س ن

* آزاد ، مولانا ابو الکلام، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی ، لاہور ، ۱۹۸۲ء
* آلوسی ، شہاب الدین محمود ، ، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم ، مکتبہ امدادیہ ، ملتان، س ن
* بائبل کی عظیم سچائیاں ، ورلڈ ہوم بائبل لیگ ، لاہو ر،
* بخاری ، محمد بن اسما عیل ، الادب المفرد مع شرحہ، مترجم خلیل الرحمن نعمانی ، دار الاشاعت، کراچی ، ۱۹۶۱ء
* پانی پتی ، قاضی ثناء اللہ ، تفسیرمظہری، ندوۃ المصنفین ، دھلی ، ۱۳۹۳ھ
* پرویز ، غلام احمد ، قرآنی قوانین، ادارہ طلوع اسلام ، لاہور ، ۱۹۷۸ء
* تنزیل الرحمن ، ڈاکٹر ، مجموعہ قوانین اسلام، ادارہ تحقیقات اسلامی ، اسلا آباد ، ۲۰۰٤ء
* خالد رحمن، سلیم منصور ، عورت خاندان اور ھمارا معاشرہ، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈی، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء
* خالد علوی ، اسلام کامعاشرتی نظام ، الفیصل اردو بازار ، لاہور س ن
* خالد مسعود ، حیات رسول امی1 ، دار التذکیر ، لاہور ، ۲۰۰۳ء
* خالدعلو ی، ا سلام کا معاشرتی نظام ، الفیصل اردوبازار ، لاہور
* دیانند مہرشی سوامی ستیارتھ پرکاش، آریہ برقی، لاہور ، ۱۹٤۳ء
* رشید رضا ، محمد ، حقوق النسآء فی الاسلام، المکتب الاسلامی ، بیروت ، ۱۹۸٤ء
* رشید رضا ، محمد ، تفسیر المنار، دار المعرفۃ ، بیروت ، ۱۹۷۰ء
* رواس قلعہ جی ، محمد فقہ حضرت عمر ؓ مترجم از ساجد الرحمن صدیقی، ادارہ معارف اسلامی ، لاہور ۱۹۹۰ء
* رواس قلعہ جی ، محمد فقہ حضرت عثمان بن عفان ، ادارہ معارف اسلامی ، لاہور ، ۱۹۳۰ء
* رواس قلعہ جی ، فقہ عبداللہ بن مسعود، ادارہ معارف اسلامی ، لاہور ، ۲۰۰۰ء
* روزنامہ نوائے وقت ص:۳، کالم:۳، ۱۳ جون ۱۹۹٦ء
* زمخشری ، ابی القاسم محمود بن عمر ، الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون التاویل (تفسیر الکشاف )، انتشارات آفتاب، ایران
* سرخسی ، شمس الدین :المبسوط، دار المرفۃ ، بیروت ، ۱۳۹۸ھ
* سید سابق مصری ، نظام الأسرۃ ترجمہ فقہ السنۃ ، خاندانی نظام، مترجم حافظ محمد اسلم شاھدروی، حدیبیہ پبلی کیشنز ، لاہور ، س ن
* سید قطب ، تفسیر فی ظلال القرآن مترجم سیدمعروف شاہ شیرازی، ادارہ منشورات ، لاہور

س ن

* شاہ ولی اللہ ، حجۃاللہ البالغۃ، ادارۃ الطباعۃ االمنیریۃ ، القاہرہ ، ۱۹۳۲ء
* شبلی نعمانی :سیرۃ النعمان، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
* شبلی نعمانی ، سیرت النبی1، محمد سعید اینڈ سنز، کراچی ،س ن
* صالح بن عبد اللہ ،موسوعہ نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم ،دار الوسیلۃ، الریاض،۱۴۱۸ھ- ۱۹۹۸ء
* صالح عبد السمیع ، جواہر الاکلیل، دار المعرفۃ ، بیروت ، س ن
* صباح الدین عبد الرحمن ، تذکرۃ الاولیاء کرام، ادبستان ، لاہور، ۱۹۷۳ء
* صبحی محمصانی ، فلسفہ شریعت اسلام، مترجم شیخ عنائیت اللہ ،مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۵ء
* صنعانی ، محمد بن اسماعیل ، سبل الاسلام شرح بلوغ المرام، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی ، کویت ،۱۴۱۸ھ- ۱۹۹۷ء
* عبد الروف جھنڈا نگر ی ، ما ہنامہ السراج سیرت النبی کا ازواجی پہلو، نیپال۱۹۹۶ء
* عبدالقیوم ندوی ، اسلام اور عورت ، سویرا آرٹ پریس ، ۱۹۵۲ء
* عظیم آبادی، شمس الحق:عون المعبودشرح ابو داود، نشر السنۃ، ملتان، ۱۳۹۹ھ
* علی حسن ، پروفیسر، آئینہ اردو لغت، خالد بك ڈپو ، لاہور، ۲۰۰۴ء
* غلام رسو ل ، پروفیسر ، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ ، علمی کتاب خانہ ، لاہور۱۹۷۶ء
* فرید وجدی آفندی ، مترجم :ابو الکلام آزاد، مسلمان عورت ،المکتبہ الاثریہ ، سانگلہ ھل ، س ن
* فلانی ، صالح بن محمد ، ایقاظ ھم اولی الابصار، دار المعرفۃ ، بیروت س ن
* فیر وز الدین ،مولوی ، فیروز اللغات اردو ، فیروز سنز ، لاہور ، ۱۹۷۳ء
* فیروز الدین ، مولوی ، فیروزاللغات فارسی، فیروز سنز ، لاہور، ۱۹۷۳ء
* کرم شاہ ، محمد ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۲ء
* کیرانوی، مولانا وحید الز مان: القاموس الاصطلاحی، ، دار الاشاعت ، کراچی، س ن :۵۳،
* کیرانوی، مولانا وحید الز مان: القاموس الوحید، ، إدارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۰ء
* مالك بن أنس، الإمام: الموطأ ، تحقیق وتعلیق: محمد فؤاد عبد الباقی
* مالك بن أنس ، المدونۃالکبری، دار عالم الکتب ، الریاض ، ۱۴۲۴ھ- ۲۰۰۳ء
* ماھناہ "بتول" ۱۹۵۹ء

* مجلس انتظامیہ جامعہ پنجاب ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب ، لاہور ،١٩٤٦ ،
* محمد بن مفلح ،آداب الشرعیة والمنح المرعیة ،جمعیة احیاء التراث الاسلامی، کویت، ١٤١٨ھ- ١٩٩٢ء
* محمد شفیع ، مفتی ، معارف القرآن، ادارۃ المعارف ، کراچی ، ٢٠٠١ء
* محمد ظفیر الدین ، اسلام کانظام عفت وعصمت، مکتبہ نذیریہ ، لاہور ، ١٩٧٥ء
* محمد عبد المعبو د ، تاریخ المکة المکرمة، مکتبہ رحمانیہ ، لاہور ، س ن
* محمداسحاق صدیقی ،اسلام کاسیاسی نظام ،مجلس دعوت وتحقیق اسلامی بنوری ٹاؤن کراچی۔١٩٨١ء
* مرزا مقبول بیگ ،اردولغت ، مرکزی اردو بورڈ ، لاہور ، ١٩٦٩ء
* مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح المسلم، مکتبہ دار السلام، ریاض ، ١٩٩٧ء
* معجم فقہ حنبلی ، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ ، کوریت ، ١٣٩٣ھ - ١٩٧٣ء
* ملا علی القاری ،نورالدین علی بن محمد بن سلطان: المرقاۃ شرح مشکوۃالمصابیح ، مکتبہ امدادیة، ملتان
* نواب صدیق بن حسن خان القنوجی البخاریالدررالبهیة مع شرح الروضة الندیة، دار نشر الکتب الاسلامیہ ، لاہور ، س ن
* وحید الزمان ، لغات الحدیث ، نعمانی کتب خانہ ، لاہور ، ٢٠٠٥ء
* وحید الزمان، تیسر الباری شرح صحیح البخاری، امجد اکیڈمی ، لاہور ، ١٣٩٧ھ- ١٩٧٧ء:
* وزارۃ الاوقاف والشوؤن الاسلامیہ ، کویت موسوعةالفقهیہ الکویتیہ ، ١٤١٨ھ- ١٩٩٧ء
* وزیر العالم بن ہبیرہ، الافصاح عن معانی الصحاح، تحقیق :فواد عبد المنعم، دار الوطن، الریاض ١٤١٧ھ- ١٩٩٧ء
* وھبہ الزھیلی ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر ، بیروت ، ١٩٨٥ء
* وھبہ الزھیلی ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر ، بیروت ، ١٩٨٥ء
* أبو الأعلی مودودی، پردہ، اسلامك پبلی کیشنز ، لاہور

# THE ROLE OF FAMILY INSTITUTION IN THE ISLAMIC SOCIETY

A Thesis for the Award of Ph.D Degree

(Research Student)
HAFIZ HUSSAIN AZHAR
(Research Supervisor)
DR. NASIR A. AKHTER

Department of Islamic Learning
Faculty of Islamic Studies
University of Karachi